اولیائے بہاول پور

مسعود حسن شہاب

اردو اکیڈمی بہاول پور

اولیائے بہاولپور

مسعود حسن شہاب

اردو اکیڈمی بہاولپور

نام کتاب ______ اولیائے بہاولپور
تالیف ______ مسعود حسن شہاب
طابع ______ مکتبہ جدید پریس لاہور
ناشر ______ اردو اکیڈمی بہاولپور
بار اول ______ ۱۹۷۶ء
قیمت ______ ۲۰ روپے

فہرست مضامین

چند دیگر بزرگ

خانقاہ حضرت صفی الدین گازرونی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ابتدائیہ

جناب پروفیسر سید ابوبکر غزنوی وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

آپ سورہ فاتحہ کے ان الفاظ پر غور کیجئے

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۔

(ہمیں سیدھی راہ دکھا ، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے کرم کیا ۔ ان لوگوں کی راہ نہیں جن پر غضب نازل کیا گیا ۔ اور نہ گمراہوں کی راہ)

یہ نہیں کہا کہ ہمیں نیکیوں اور بھلائیوں کی راہ دکھا ۔ یہ نہیں کہا کہ ہمیں نماز ، روزہ ، زکواۃ اور حج کی راہ دکھا ۔ بلکہ ان برگزیدہ انسانوں کا ذکر کیا جو بھلائی کے پیکر ہوتے ہیں جو خیر مجسم ہیں ۔ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے تذکار ہی سے صراط مستقیم کی حقیقت واضح ہوتی ہے قرآن مجید نے ایمان اور عمل صالح کی حقیقت انبیاءؑ اور اولیا کے حالات زندگی ہی سے اجاگر کی ۔ ایک ایک پیغمبر کا نام لے لے کر اس کے حالات زندگی پر سوچ بچار کی دعوت دی گئی

واذکر فی الکتاب ابراہیم (۱۹ ، ۱۴)

(کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرو)

واذکر فی الکتاب موسیٰ (۱۹ ، ۵۱)

(کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کی بات کرو)

واذکر فی الکتاب اسماعیل (۱۹ ، ۵۴)

(کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ کرو)

واذکر فی الکتاب ادریس (۱۹ ، ۵۶)

(کتاب میں ادریس علیہ السلام کے حالات بیان کرو)

واذکر عبدنا ایوب (۳۸ ، ۴۱)

(ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کی حکایت کہو)

واذکر عبدنا داوٗد (۳۸ ، ۱۷)

(ہمارے بندے داوٗد علیہ السلام کی سیرت بیان کرو)

قرآن مجید میں صرف انبیاء معصومین ہی کا ذکر نہیں ہے۔ اولیاء اللہ کی سیرت طیبہ سے بھی استشہاد کیا گیا ہے۔

واذکر فی الکتاب مریم (۱۹ ، ۱۵)

(اور کتاب میں مریم علیہا السلام کا تذکرہ بھی ہو)

اور اصحاب کہف کا کردار بھی اجاگر کیا گیا۔ تاکہ انسانیت پر یہ واضح کیا جا سکے کہ صرف انبیاء ہی نہیں۔ اولیاء اللہ کی زندگیاں بھی مشعل راہ ہیں۔ پس بزرگوں کے حالات زندگی محفوظ کرنا اور انہیں بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرنا عین منشائے الٰہی ہے اور کتاب اللہ کی اقتدا ہے۔

اولیائے بہاولپور کے حالات زندگی قلمبند کرنا۔ ایک بہت بڑی سعادت ہے جو شہاب صاحب کے حصے میں آئی ہے۔ خدا ان کا حشر بھی ان اولیاء کے ساتھ کرے۔

جن لوگوں کو طریقت کا ذوق نہیں، ہو سکتا ہے اس کتاب کی بعض باتوں پر ان کے ذہنوں پر دھچکا لگے۔

حضرت خواجہ پیر عبدالخالق رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں درج ہے۔

"عبدالخالق خود رفتہ ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ تین روز اسی حالت سکر میں رہے۔"

بعض لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام اور صحابہ کو تو سکر نہیں ہوتا تھا۔ وہ تو از خود رفتہ نہیں ہوتے تھے۔ یہ باتیں من گھڑت ہیں اور اگر سچی بھی ہیں تو خلاف شریعت ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ ایسے اولوالعزم پیغمبر پہاڑ پر تجلی الٰہی کے ورود سے بے ہوش ہو کر گر گئے۔ خرّ موسیٰ صعقاً۔

اور سرورِ کونین کے بارے میں ہم مسلم شریف، ابو داؤد اور ترمذی شریف میں عبادہ بن صامت کی روایت پڑھتے ہیں۔

"کان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا نزل الیہ الوحی کرب لذالک وتربد وجھہ"

(حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب وحی نازل ہوتی تھی، آپ درد و کرب میں مبتلا ہوتے تھے اور آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا)

پس تجلیات الٰہی کے غلبہ و ہجوم سے حواس بشریہ کا معطل ہونا کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ سے ثابت ہے اگر کلیم اللہ تجلی الٰہی سے بے ہوش ہو سکتے ہیں اور اگر سرورِ کونین کا چہرہ واردِ غیبی سے متغیر ہو سکتا ہے تو پھر غلامانِ محمد میں سے اگر کسی پر انوار الٰہی کے ورود سے سکر اور محویت طاری ہو گئی تو اس میں اچنبے کی کیا بات ہوئی۔

من لم یذق حرق الهوی

لم یدر ما جهد البلاء

(جس نے عشق کی سوزش کا مزا نہیں چکھا، وہ محبت کی ان کیفیتوں کو کیا جانے۔)

شہاب صاحب کی کتاب "اولیائے بہاولپور" کی ورق گردانی کی۔ بعض حصے حرفاً حرفاً پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میری نسبت روحانی جو ایک مدت سے فائلوں کے انبار میں دب گئی تھی، جاگ اٹھی۔

ماز شوقتم در خروش آوردہ است
بازہا دہوئے ہمچو مستاں میزنم

الفقیر الی اللہ

ابوبکر غزنوی

پیش لفظ

سرزمین بہاولپور سے تعلق رکھنے والے اولیاء و صلحا کی تاریخ خود بہاولپور کی تاریخ سے زیادہ قدیم ہے۔ یہ ابتدائے اسلام سے ایسی برگزیدہ ہستیوں کا مسکن و مدفن بنتا چلا آیا ہے۔ جنہوں نے نہ صرف اس خطۂ ارضی بلکہ پورے برصغیر میں اسلام کی حقانیت کا ڈنکا بجایا اور کفر و ضلالت کی تیرہ و تار فضاؤں میں ایمان کا نور پھیلا کر مادیت کے پرستاروں کو روحانیت کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرایا۔

بہاولپور کے ان عظیم المرتبت مبلغین اسلام کے ایسے تذکرے کی ایک عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ جس میں ان کی ذاتی خصوصیات۔ علمی و روحانی کمالات اور دینی و دنیوی خدمات کا جائزہ لیا جائے۔ اب تک کوئی ایسی جامع و مکمل کتاب شائع نہیں ہوئی تھی جو ان تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکے ایک دو کتابیں جو اس موضوع پر ملتی ہیں وہ مواد کے اعتبار سے کافی تشنہ اور تحقیقی اعتبار سے ناقابل اعتنا ہیں۔ پھر ایسی بھی کوئی ایک کتاب نہ تھی جس میں تمام بزرگوں کے حالات تفصیل کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہوں۔ لے دے کر ایک کتاب ذکر کرام کے نام سے ملتی ہے جو مولوی حفیظ الرحمٰن مرحوم نے آج سے تقریباً ۲۵ سال پہلے مرتب کر کے طبع کرائی تھی لیکن اس کی حیثیت محض ایک INDEX کی سی ہے جس میں بزرگوں کے ناموں اور ان کے

مدفنوں کی نشاندہی تو ضرور کردی گئی ہے۔ لیکن باقی تفصیلات سے اس کا دامن تہی ہے افسوس ہے یہ کتاب بھی اب ناپید ہو چکی ہے۔ اور عام لوگ اس سے استفادے سے محروم ہیں۔

میں نے زیر نظر کتاب میں حتی المقدور اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اگرچہ بعض بزرگوں کے حالات کے صحیح ماخذ کی فراہمی میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا ہے تاہم جو روایات اور واقعات ان بزرگوں کی زندگی سے متعلق دستیاب ہو سکے ہیں ان کا باقاعدہ تحقیقاتی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور صرف سنی سنائی باتوں پر اعتماد نہیں کیا گیا اس میں ایک سو سے زائد بزرگان کرام کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ جنمیں ایسی شخصیتیں بھی شامل ہیں جن کے حالات زندگی پر تو وقت کی اتنی دبیز تہیں جم چکی ہیں کہ اب ان کا کھوج لگانا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں رہا۔ لیکن علاقہ کے لوگوں کی عقیدت ان کے مزارات سے وابستہ ہے۔ اور وہاں زائرین کی آمدورفت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ نیز مختلف سلاسل تصوف سے تعلق رکھنے والے وہ بزرگ بھی ہیں جنکی مسند ارشاد و ہدایت کا دبدبہ آج بھی قائم ہے اور وابستگان ارادت ان کی تعلیمات سے روحانی آسودگی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ ایسے جلیل القدر اولیاً و صلحا کا ذکر قدرے تفصیل سے مختلف سلاسل تصوف کے تحت علیحدہ علیحدہ ابواب میں کیا گیا ہے۔

عموماً اولیاً اللہ کی کتابیں ان کی کرامات اور خوارق عادات سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔ اگرچہ یہ کرامات اور خوارق اپنی جگہ مسلّم ہیں لیکن میرے نزدیک ان کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انہوں نے خود کو زہد و تقویٰ اور نیکی و پاکبازی کا عملی نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ لہذا یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان کی ان خدمات پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالی جائے جو انہوں نے انسانیت کی بہبود۔ دینی اقدار کے فروغ اور اعلیٰ اخلاق کی ترویج کے سلسلے میں انجام دیں اور جن کے نتیجے میں لوگوں کو اپنی زندگیاں سنوارنے اور عاقبت بنانے کا موقع ملا۔ علاوہ ازیں روائیتی تذکروں کے پرانے انداز کو اپنانے کے بجائے میں نے جدید سوانحی طرز کے تقاضوں کو پورا کرنے

کی اپنی سی سعی کی ہے ۔

موجودہ دور کی گرانی اور طباعت و اشاعت کے اخراجات میں غیر معمولی اضافے کی وجہ سے کسی ضخیم کتاب کا چھاپنا ممکن نہ تھا اس لئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ جہاں اس کی ضخامت زیادہ نہ ہو وہاں جامعیت و اختصار کے ساتھ اسمیں وہ تمام باتیں بھی آجائیں جو اولیائے بہاولپور کی زندگی کے اہم پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری ہیں ۔

مجھے امید ہے کہ علمی حلقے اس پیش کش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے

مسعود حسن شہاب

اوچ شریف کے کھنڈرات
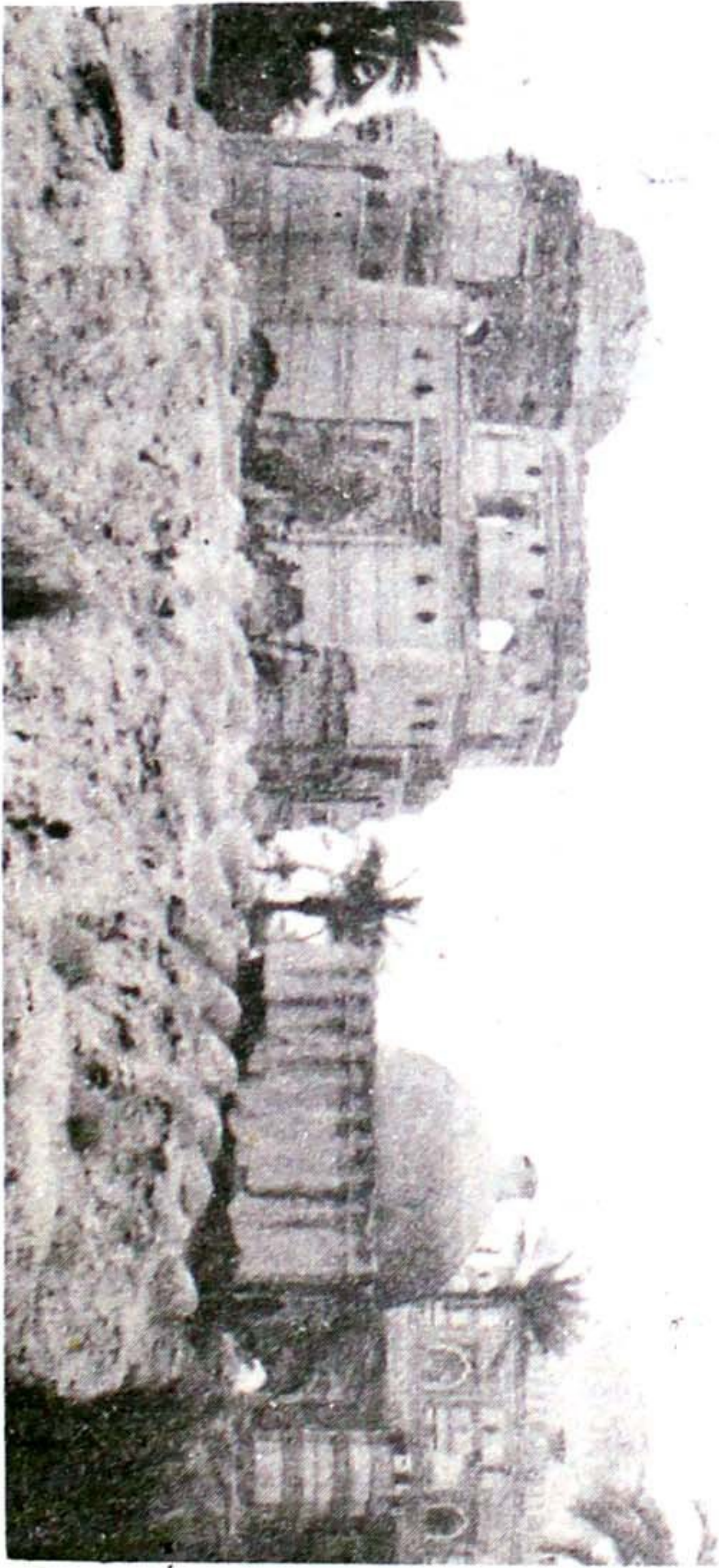
بہاولپور، تصوّف کا گہوارہ

بہاولپور علم و عرفان اور حکمت و تصوف کا بڑا قدیم مرکز ہے۔ ظہور اسلام سے قبل بھی یہاں علم کا چرچا رہا ہے۔ خطۂ بہاولپور کی حدود میں ایسے متعدد آثار پائے جاتے ہیں جو عہد گذشتہ کی داستانِ علم و فضل زبان حال سے سُنا رہے ہیں۔ ضلع رحیم یار خاں میں پتن منارا۔ ضلع بہاولپور میں سوئی وہار اور ضلع بہاولنگر کے قلعہ مروٹ میں جین مندر گیان دھیان کے قدیم مراکز تھے۔ امن و اہنسا کے پجاری گوتم بدھ نے اپنی تعلیمات کے لئے جن مقامات کو منتخب کیا تھا۔ انہیں بہاولپور بھی شامل تھا، جہاں اس نے درسگاہیں قائم کر کے عرفان و آگہی کی شمع روشن کی۔ ضلع بہاولپور میں سوئی وہار کے مقام پر بدھ دور کی ایک خانقاہ کے نشانات ملتے ہیں۔ یہ خانقاہ مہاراجہ کنشکا کی مسند نشینی کے گیارہ سال بعد تعمیر ہوئی تھی۔ ضلع بہاولنگر میں فورٹ مروٹ کے نام سے ایک قدیم العہد قلعے کے نشانات ملتے ہیں۔ جو چتوڑ کے حاکم مہروٹ نے تعمیر کرایا تھا اور جس کی چچ برہمن کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ اس قلعے میں جین مندر جین مت کے پیروکاروں کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں

دُور دُور سے لوگ آکر گیان دھیان کی تعلیم حاصل کرتے تھے رحیم یار خاں میں پتن منارا بھی بدھ مت کی تعلیمات کا مرکز تھا اور اس مذہب کے پیروکار یاترا کیلئے یہاں آتے تھے۔

جب اسلام کا نیرّ تاباں اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ سرزمین سندھ پر طلوع ہُوا تو یہ خطّہ بھی اسلام کی ضیا باریوں سے منوّر ہو گیا۔ بھنبھور (دیبل) کے بعد پہلی مسجد اسی خطّہ کی مشہور بستی اوچ میں تعمیر ہوئی جو مسجد حاجات کے نام سے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت ؒ کے مزار سے متصل آج بھی موجود ہے۔

بہاولپور کی حدود میں بعض ایسی قبروں کے نشانات بھی ملتے ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کی قبریں ہیں جو کفّار سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے اور یہیں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔

ان روایات کی صداقت اگرچہ کلیتہً غیر مشتبہ نہیں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ تبلیغ کا سلسلہ ابتدائے ظہورِ اسلام سے شروع ہو گیا تھا۔ ویسے بھی سرزمین ہند اہل عرب کے لئے نئی نہیں تھی۔ تجارت نے ان دونوں خطوں کو ایک دوسرے کے قریب کر رکھا تھا۔ عرب تاجر ہندوستان کی پیداوار اور دوسرا سامان جنکی اہلِ یورپ اور اہلِ مصر کو ضرورت رہتی تھی یہاں سے جہازوں کے ذریعہ لیجاکر یمن اور شام پہنچاتے تھے اور پھر وہاں سے یہ سامان یورپ کی منڈیوں میں جاکر بکتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد عربوں کے ہندوستان کے ساتھ یہ تجارتی تعلقات قائم رہے اور عرب تاجر ہندوستان آتے جاتے رہے۔ اگر ان دنوں تاجروں کے ساتھ کچھ مبلغین اسلام بھی ادھر آنکلے ہوں تو کیا تعجب کی بات ہے۔ بعد میں چونکہ یہ تعلقات بعض ناخوشگوار واقعات پیش آنے کی وجہ سے کشیدہ ہو گئے تھے اور عربوں کو ہندوستان

پر فوج کشی کرنی پڑی تھی اس لئے جو تاجر یا مبلغ یہاں رہ گئے ہوں گے انہیں مقامی آبادی کے انتقام کا نشانہ بننا پڑا ہوگا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اگرچہ دونوں ہندوستان پر فوج کشی کے مخالف تھے لیکن اس کے باوجود ایسے واقعات کا پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں اور سندھ کے راجہ میں چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی۔ مشہور مورخ طبری کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حکم بن عمر وتغلبی اسلامی فوج کے ہمراہ مکران جا رہے تھے کہ راستے میں ایرانی فوج نے انکی مزاحمت کی اور اس جھڑپ میں سندھ کے راجہ نے ایرانی فوج کی مدد کی۔ تاھم مسلمان فتحیاب ہوئے اور کافی مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا جس میں ہندوستان کے ہاتھی بھی تھے۔ اسی زمانہ میں بحرین کے گورنر عثمان بن ابن العاص الثقفی نے ساحل ہند پر چڑھائی کردی۔

یہ جھڑپیں کسی طے شدہ پروگرام کے تحت نہیں ہوئیں بلکہ اتفاقی حادثات کا نتیجہ تھیں اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ میں سے کسی نے انکی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ یہاں تک کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک بھی جن کے عہد میں عرب مسلمانوں کو ہندوستان میں دھوکے سے قتل کر دیا گیا تھا باقاعدہ ہندوستان پر لشکرکشی کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن بعد میں حالات سے مجبور ہوکر عربوں نے سندھ پر چڑھائی کی۔

ان تاریخی واقعات سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ سرزمین ہند پر مسلمان مجاہدین کی آمد کا سلسلہ روز اول سے جاری تھا اور یہاں ان کا جدال و قتال سے سابقہ پڑنا پیش آمدہ واقعات کی وجہ سے بعید از قیاس نہیں۔

پہلی صدی ہجری (۷۱۳ء) میں محمد بن قاسم نے باقاعدہ سندھ پر حملہ کرکے مسلمانوں کے لئے اس ملک کے دروازے کھول دیئے اور اسلام کی توسیع و ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی چنانچہ وہ جب (۷۱۳ء) بہاولپور کی حدود میں فتح و نصرت کے پرچم لہراتا ہوا آیا تو اس نے یہاں کی

بعض بستیوں میں ایسے معلّم مقرر کئے جو لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرا سکیں۔

سندھ میں محمد بن قاسم کی آمد سے قبل ایک عرب خاندان کا پتہ چلتا ہے جو علافی کے نام سے مشہور تھا۔ یہ خاندان حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم سے تنگ آکر یہاں آگیا تھا۔ راجہ داہر نے اس خاندان کی بڑی عزت و تکریم کی تھی۔ اور اسے اعلیٰ عہدے دیئے تھے۔ یہ حسنِ سلوک اگرچہ سیاسی نوعیت کا تھا کیونکہ حجاج اس کا مخالف تھا اور راجہ داہر حجاج کے مخالفوں کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو علافی خاندان نے اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابلے میں راجہ داہر کا ساتھ نہیں دیا۔

سندھ اور ملتان وغیرہ میں بعض اور عرب خاندانوں کی سکونت کا بھی حال معلوم ہوتا ہے جو مختلف ادوار میں یہاں آئے۔ چنانچہ مسعودی جو تیسری صدی ہجری کے اواخر میں سندھ آیا اس نے اپنی مشہور کتاب مروج الذہب میں ایک عرب سردار سے منصورہ میں اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اسی بستی میں اسے حضرت علی ابن ابی طالب عمر بن علی اور محمد بن علی کی اولاد میں سے بھی کچھ لوگ ملے تھے۔

چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں یعنی محمود غزنوی کے حملوں سے تقریباً پچیس برس پہلے یہاں سلسلۂ گازرونیہ کے بزرگ حضرت صفی الدین گازرونیؒ کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ جنہوں نے اوچ میں علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی کا بھی اہتمام کیا۔ برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی یہ پہلی باضابطہ خانقاہ تھی جس کے قیام کا شرف سرزمین بہاولپور کو حاصل ہوا۔ سلسلۂ گازرونیہ کا شمار قدیم ترین سلاسل تصوف میں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اس برصغیر میں تصوّف کا آفتاب پہلے پہل اسی خطّے پر طلوع ہوا۔

سلسلۂ گازرونیہ کے بعد تصوف کے جن سلسلوں کو یہاں فروغ حاصل ہوا ان میں خانوادۂ حسینیہ بخاریہ سہروردیہ سرفہرست ہے۔ اس خانوادے کے فیوض و برکات سے پورے برصغیر نے استفادہ کیا اور ہند و بیرونِ ہند تک اس کے اثرات پہنچے حضرت مخدوم سید جلال سرخ بخاریؒ جو اس خانوادے کے گل سرسبد کی حیثیت رکھتے تھے ساتویں صدی ہجری میں بہاولپور کے قدیم تاریخی شہر اوچ میں تشریف لائے تھے۔ آپ اور آپ کی اولاد کے طفیل برصغیر میں اسلام کی توسیع میں بڑی مدد ملی۔

سلسلۂ سہروردیہ کے منتسبین میں حضرت شیخ حمیدالدین حاکمؒ بھی بڑے جلیل القدر بزرگ گذرے ہیں جو ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں بہاولپور کے ضلع رحیم یارخاں کی مشہور بستی مؤمبارک میں قیام فرما تھے۔ آپ نے بڑی طویل عمر پائی تھی اور یکے بعد دیگر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ صدرالدین عارفؒ اور حضرت شیخ رکن الدین رکن عالمؒ سے فیضِ باطن حاصل کیا تھا۔

ساتویں صدی ہجری میں ہی سلسلۂ چشتیہ کے دو عظیم بزرگوں کی بہاولپور میں آمد کا پتہ چلتا ہے۔ جنمیں سے ایک حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے بھانجے سید چراغ الدین شاہ ہراتی اور دوسرے حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے پوتے حضرت شیخ تاج الدین (تاج سرور) ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے مزارات ضلع بہاولنگر کی تحصیل چشتیاں میں موجود ہیں۔ اگرچہ اس علاقہ میں اس سلسلے کو فروغ بعد کے ادوار میں ہوا تاہم سلسلۂ چشتیہ کا اثر و نفوذ یہاں دیگر سلاسل تصوف سے کسی طرح کم نہیں رہا۔ خود سہروردیہ سلسلے کے عظیم المرتبت بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے خانوادۂ چشتیہ میں حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی سے خلافت حاصل کر کے اس کی قدر و منزلت کا عملی ثبوت دیا۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے مخدوم سید فضل اللہ بخاری کے

سجادہ نشین سید زین العابدین رابع بھی سلسلۂ سہروردیہ کی بجائے چشتیہ سلسلہ میں بیعت ہوئے۔

نویں صدی ہجری کے اواخر میں بہاولپور کو سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں کا مسکن بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سلسلے کے جن بزرگوں نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو نوازا انکی یہ خصوصیت بھی وجہِ امتیاز ہے کہ ان کا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے براہِ راست نسبی تعلق ہے۔ حضرت سید محمد غوثؒ جو ۸۸۶ھ میں یہاں تشریف لائے اور اوچ میں اقامت گزیں ہوئے حضرت پیرانِ پیرؒ کی ساتویں پشت میں سے تھے۔ آپکی اولاد میں بڑے بڑے پایہ کے بزرگ ہوئے ہیں جن کے علم و عرفان کی گونج پاک و ہند کے قریہ قریہ اور شہر شہر آج بھی سنائی دیتی ہے۔

بارھویں صدی ہجری (۱۷۰۸ء) کے وسط میں جبکہ اس خطے میں عباسی فرمانرواؤں کی ریاست قائم ہوئی مختلف سلاسلِ تصوف کے بزرگوں کو یہاں روحانیت کی شمعیں روشن کرنے کا موقع ملا۔ اوچ تو پہلے ہی سہروردیہ اور قادریہ سلسلوں کی وجہ سے شہرت دوام حاصل کرچکا تھا اب بہاولپور کے دوسرے حصوں میں بھی صوفیا کی آمد شروع ہوئی چونکہ عباسی فرمانرواؤں کو بزرگانِ دین سے عقیدت ورثہ میں ملی تھی۔ اس لئے ان کے دور میں متعدد بزرگوں نے یہاں سکونت اختیار کی اور ان کی خانقاہیں یہاں قائم ہیں۔ اس دور کے بزرگوں میں حضرت خواجہ پیر عبدالخالقؒ، حضرت سیرانیؒ، حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ، حضرت خواجہ خدا بخشؒ، حضرت خواجہ قاضی محمد عاقلؒ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان بزرگوں کے روحانی درجات بہت بلند اور باطنی اثرات بڑے وسیع تھے روحانی تعلیمات سے تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری بھی خالی نہیں رہی اس دور میں بھی بعض ایسی شخصیتیں اس سرزمین سے اُبھری ہیں جنکی تبلیغی مساعی سے بیشمار مخلوقِ خدا کو راہ مستقیم کی دولت میسر آئی۔

فی الحقیقت بہاولپور میں تصوف و روحانیت کی تاریخ تقریباً ایک ہزار سال پر محیط ہے۔ یہ خطہ ارضی جو دہلی اور لاہور کی طرح اولیاء و صلحا کا گہوارہ رہا ہے اپنے

دامن میں ایسی ایسی باکمال ہستیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ جن سے لاکھوں کی بگڑی بنی اور شہروں اور دیہاتوں میں قال اللہ اور قال رسول کا غلغلہ بلند ہوا۔ انہی کی بدولت ویرانے آبادیوں میں تبدیل ہوئے اور جہاں آبادیاں تھیں وہاں عرفان و حکمت کے سوتے جاری ہوئے

درویش را بہ شہر بنودے اگر مقام
گشتے سراسر ایں ہمہ عالم خراب را
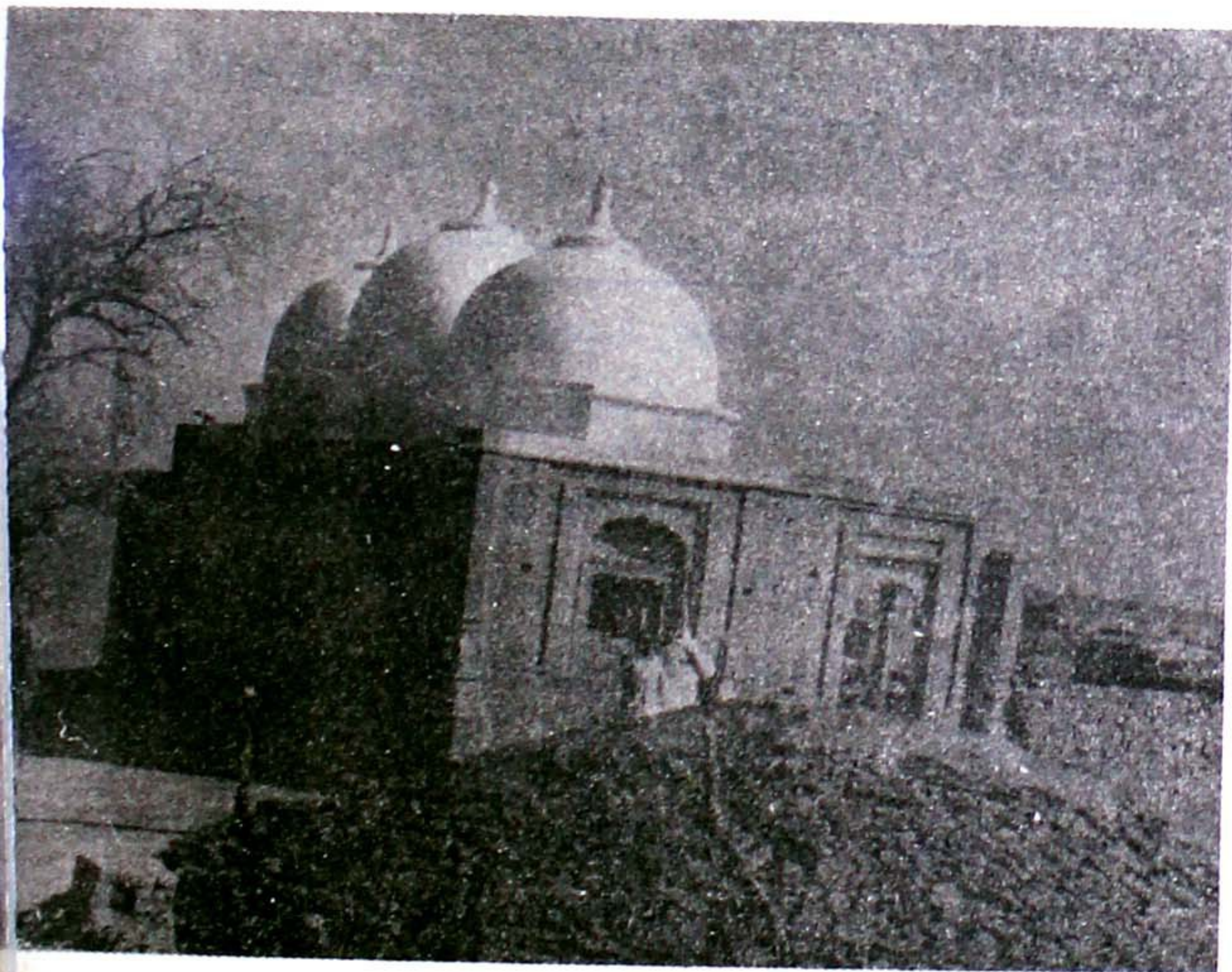
مزار حضرت چنن پیرؒ (چولستان)

بہاولپور مختلف تاریخی ادوار میں

سابق ریاست بہاولپور کی اپنی تاریخ تو دو سو ڈھائی سو سال سے زیادہ پرانی نہیں لیکن فی الحقیقت وہ خطہ جو آج بہاولپور کے نام سے موسوم ہے قدامت میں ان قدیم العہد بستیوں کے ہم پلہ ہے جن پر زمانے کی تہہ در تہہ گرد جمی ہوئی ہے۔

ماہرین آثار قدیمہ نے ہڑپہ اور موئن جو ڈیرو کو ایک ہی تہذیب کے رشتہ میں منسلک کیا ہے۔ ان دو شہروں کے درمیان تقریباً چار سو میل کا فاصلہ ہے۔ لہٰذا یہ امر بدیہی ہے کہ ان دو شہروں کے درمیان واقع جتنے شہر اور بستیاں آئیں گی ان پر اسی تہذیب کی چھاپ ہوگی جو ان مشہور شہروں سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے بہاولپور بھی جو ان دو قدیم العہد شہروں کے وسط میں واقع ہے اس کا تہذیبی رشتہ ان کے ساتھ ہی منسلک ہونا چاہیے۔

بہاولپور کی قدامت کا ایک سراغ اس گمشدہ دریا کے نشانات سے بھی ملتا ہے۔ جو گھگھرا یا ہکڑہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور کسی زمانہ میں اس کی گذرگاہ وہی خطہ تھا جو آج بہاولپور کے وسیع ریگستانی علاقہ "چولستان"

پر مشتمل ہے ۔ مورخین کی تحقیقات کے مطابق یہ دریا آٹھویں صدی عیسوی تک بہاولپور میں بہتا رہا ہے اس کے کنارے پر آباد بستیاں بڑی سرسبز و شاداب تھیں ۔ اسلامی عہد میں یہ دریا سندھ اور ہندوستان کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتا تھا ۔ آٹھویں صدی میں یہ بالکل غائب ہو گیا ۔ لیکن اس کی قدیم گذر گاہ کے کنارے پر آباد تباہ شدہ بستیوں کے آثار باقی رہ گئے ۔ "وقائع بیکانیر" میں ٹاڈ نے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔[1]

> تاریخی روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ علاقے
> جو بنجر اور ویران ہو چکے ہیں اور وسیع و عریض ریگستان
> بن گئے ہیں دریائے ہکڑہ کے خشک ہو جانے کے باعث
> ان پر یہ آفت نازل ہوئی "۔

اس قدیم دریا کے کنارے جن قدیم آباد شہروں کے نشانات اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں انہیں اوچ کے علاوہ قلعہ ڈیراور ، قلعہ موَ ، قلعہ مروٹ ، پتن منارا اور بھٹہ واہن خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔

اسلامی عہد سے پہلے یہاں بالترتیب جاٹ ، میدا اور آریہ آباد تھے ۔ ان کی سلطنت کی حدود سندھ سے لیکر پنجاب تک پھیلی ہوئی تھیں ، پھر یہاں ایرانی اثر و نفوذ قائم ہوا جس کے تحت جابجا آتشکدے تعمیر ہوئے ۔ ۵۰۰ ق م میں یہاں سوناگھ خاندان کی حکومت تھی جو پندرہ پشتوں تک قائم رہی ۔ ساتویں صدی قبل از مسیح میں ہی ایران کے ایک نامور بادشاہ فریدوں کے سندھ پر قبضہ و تصرف کا پتہ چلتا ہے ۔ اس دور میں پنجاب بھی شاہ فریدوں کے زیرِ انتداب آ گیا ۔

چھٹی صدی قبل از مسیح کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بڑا اہم گنا جاتا ہے ۔ اس زمانہ میں نیپال کے ایک شہزادے نے جو بعد میں گوتم بدھ کے نام سے مشہور

---

[1] ٹاڈ راجستھان (وقائع بیکانیر)

ہوا آریاؤں کے برہمنی تصورات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ایک نئے نظریے کی دُنیا درکھی۔ پھر مہاویر نے جین مت کا پرچار کیا۔ اس کے بعد ہندوستان پر بیرونی حملہ آوروں کی یلغار شروع ہوگئی اور سندھ مملکت ایران کا بیسواں صوبہ بن گیا۔؟

چھٹی صدی قبل از مسیح کے نصف اول میں سائرس اعظم نے وادیٔ سندھ پر حملے کیے۔ ایک لشکر بھیجا مگر اسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی لیکن اسی کے نصف آخر میں ایران کا فرمانروا گشتاسپ سندھ کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

گشتاسپ کا عہد حکومت ۵۲۱ ق م سے ۴۸۵ ق م تک ہے۔ اس کے تقریباً دو سو سال بعد سکندر اعظم ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت دریائے سندھ ہندوستان اور ایران کے درمیان حدِ فاصل تھا اور سندھ اور پنجاب پر متعدد ہندو راجہ حکمران تھے۔ قدیم مورخین اور چینی سیاحوں کی روایات کے مطابق سکندر اعظم پانچ دریاؤں کے سنگم پر پہنچا اور ایک شہر کی تعمیر و ترقی میں خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا یہ تاریخی شہر اب بہاولپور کی حدود میں واقع ہے اور اوچ کے نام سے شہرتِ دوام کا حامل ہے۔

سکندر اعظم کے عہد میں سندھ، ملتان (بہاولپور) اور پنجاب کا شمالی علاقہ یونانی انتداب کے زیر اثر آگیا لیکن یونانی تسلط زیادہ عرصہ قائم نہ رہا اور چندر گپتا موریا برسراقتدار آگیا۔ ۲۷۳ ق م میں اشوک تخت نشین ہوا۔ اس کی حدود سلطنت سری نگر سے راس کماری تک پھیلی ہوئی تھیں۔ بلوچستان سندھ، پنجاب (بشمول بہاولپور) اور افغانستان کا تمام علاقہ اس کی قلمرو میں شامل تھا۔ اشوک کے عہد میں بدھ مت کو فروغ ہوا۔ چنانچہ اس دور کے مذہبی اثرات کے نشانات کھنڈرات کی صورت میں اب بھی کہیں کہیں دیکھنے میں آجاتے ہیں۔ رحیم یار خاں میں پتن منارا

کا کھنڈر اسی عہد کی یادگار ہے۔

۱۵۵ ق۔م تک اس علاقے میں (سندھ تا کشمیر) مختلف یونانی حکمرانوں کے تسلط کا پتہ چلتا ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے آغاز میں یو۔چی قوم نے جو خانہ بدوش تھی اور سرزمینِ چین سے تعلق رکھتی تھی ہندوستان پر حملہ کیا۔ اسکی حکمرانی پانچویں صدی عیسوی تک یہاں قائم رہی کنشکا اس قوم کا مشہور فرمانروا ہو گذرا ہے۔ جس کی سلطنت میں سندھ اور بہاولپور کا علاقہ شامل تھا۔ اس عہد کے کچھ آثار بہاولپور میں موجود ہیں۔ بہاولپور سے احمدپور شرقیہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں سوئی دہار[1] کے نام سے جو بستی آتی ہے وہاں کنشکا کی یادگار ایک شکستہ سٹوپا کی صورت میں موجود ہے جو غالباً پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں تعمیر ہوا تھا۔ اس سٹوپا کے چاروں طرف خانقاہ اور بستی کے نقوش ہیں۔ یہاں سے برآمد ہونے والے بعض کتبے اور سکّے ٹیکسلا سے برآمد ہونے والے سکوں کے مشابہ ہیں۔

۵۰۰ء میں سندھ پر رائے خاندان کا تسلط ہوا۔ اس کی حدود سلطنت مشرق کی طرف کشمیر مغرب کی طرف مکران، جنوب کی طرف بحرِ ہند اور شمال کی طرف کردن اور کیکانان کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھیں، اس خاندان کی حکمرانی اس علاقے میں تقریباً ڈیڑھ سو برس تک رہی۔ ۶۳۱ء میں چچ اس علاقے کا حکمران بنا۔ ۴۳ برس تک اس خاندان نے دادِ حکومت دی۔ آخری حکمران چچ کا بیٹا راجہ داہر تھا جو مشہور مسلمان سپہ سالار محمد بن قاسم کے ہاتھوں مارا گیا۔

یہ ۹۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ اسلامی لشکر کی اس فتح نے ہندوستان میں مسلمانوں کی مزید فتوحات کا سامان کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سندھ

---

[1] مقالہ سوئی دہار از پروفیسر محمد کامل مطبوعہ سہ ماہی الزبیر صفحہ ۴۷

سے ملتان تک اسلامی حکومت کا پرچم لہرانے لگا۔ تیسری صدی ہجری کے اواخر تک یہ پورا علاقہ عربوں کے زیر تسلّط رہا۔

یوں تو سندھ میں مسلمانوں کی باقاعدہ آمد کا سلسلہ فتح سندھ کے بعد ہی شروع ہوا تھا لیکن اِکّا دُکّا مسلمان کی آمد اس سے پہلے ہی شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ علافی نامی ایک عرب خاندان کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ جو حجاج بن یوسف کے جبر و تشدد سے تنگ آکر عراق سے ترک سکونت کرکے سندھ میں آبسا تھا۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر میں منصورہ میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب عمر بن علی اور محمد بن علی کی اولاد کے یہاں آباد ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مشہور مورخ مسعودی اسی زمانہ میں سندھ اور ملتان آیا تھا جس نے ان لوگوں سے ملاقات کی تھی۔ تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں عمر بن عبدالعزیز ہباری کی سندھ میں آمد کا حال معلوم ہوتا ہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے منصورہ کی بنیاد رکھی۔ بعد میں یہ خاندان اوچ میں آکر آباد ہوگیا۔ عمر بن عبدالعزیز ہبار بن الاسود کی اولاد میں سے تھے جو قریشی الاصل تھے۔

چوتھی صدی ہجری کے وسط میں قرامطہ کا اثر و نفوذ شروع ہوا جنہوں نے ملتان اور بہاولپور کے کچھ حصے پر اپنی حکومت قائم کرلی۔

۳۹۳ھ میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کرکے قرامطیوں کا استیصال کیا۔ تاریخی روایات کے مطابق محمود غزنوی نے ۳۹۵ھ میں جو دوسرا حملہ کیا تھا اس کا نشانہ بھاطیہ کا قلعہ تھا جس کے متعلق اکثر مورخین کی رائے ہے کہ یہ اوچ کے نواح میں واقع تھا۔ بہ الفاظ دیگر جو علاقہ آج بہاولپور کے نام سے موسوم ہے اس زمانے میں بھاطیہ کہلاتا تھا۔

اسی دور (چوتھی صدی ہجری) میں حضرت صفی الدین گازرونی اوچ میں تشریف لائے۔ جنہوں نے نہ صرف یہاں باقاعدہ دینی تعلیم کو عام کرنے کی سعی کی

بلکہ اسلامی تصوف سے بھی اس خطے کے باشندوں کو آگاہ کیا۔ ایک قیاس یہ بھی ہے کہ محمود غزنوی کو قرامطہ کے استیصال کی تحریک آپ نے ہی کی تھی۔

اس عہد میں علوی خاندان کے بعض افراد بھی یہاں آئے۔ چنانچہ جامع الحکایات میں درج ہے کہ:۔

"جب محمود غزنوی چولستان سے گذر رہا تھا تو دو ہندوؤں نے دیدہ و دانستہ اسے غلط راستے پر ڈال دیا۔ وہ راستہ سے بھٹک کر ادھر اُدھر پریشانی کے عالم میں پھر رہا تھا کہ اسی اثنا میں اسے حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ایک سن رسیدہ بزرگ ملے جو اپنے کنبے کے ہمراہ وہاں رہتے تھے۔ انہوں نے محمود کی مدد کی جس کے بعد وہ اس صحرائے بے آب و گیاہ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوا۔"

پانچویں صدی ہجری کے وسط میں ملتان اور سندھ کے بعض علاقوں پر (بشمول اوچ وغیرہ) پھر قرامطہ قابض ہو گئے۔ یہ زمانہ حبیب حسن بن صباح کی دہشت پسند تحریک کے عروج کا تھا۔ جس کے اثرات یہاں بھی پڑے۔ اب کے اس فتنے کا قلع قمع شہاب الدین غوری کے ہاتھوں ہوا۔ جس نے ۵۷۱ھ میں ملتان پر لشکر کشی کی اور ملتان اور اس کے نواح کو قرامطہ کے اثر و تسلط سے آزاد کرایا۔

شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ جو اس کے غلام تھے۔ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ آخر الذکر کی عملداری میں سندھ، ملتان اور بہاولپور کے علاقے شامل تھے اور اوچ اس کا پایہ تخت تھا۔

ناصر الدین قباچہ کا عہد حکومت ۶۰۲ھ سے لیکر ۶۲۵ھ تک ہے۔ اس دور میں اس خطے میں بالخصوص اوچ میں جو بہاولپور کا مشہور قصبہ ہے علم و عرفان کو بہت فروغ ہوا۔ اس زمانے میں یہاں درسگاہ فیروزیہ کا قیام عمل میں آیا جس

ہیں بڑے بڑے فاضل اور مشہور زمانہ علماً نے درس دیا۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کا بھی یہی عہد ہے جو ہندوستان میں سہروردی سلسلے کے سب سے بڑے بزرگ تھے اور جنہوں نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے براہ راست کسب فیض کیا تھا۔ اس سلسلے کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم نوح بھکری کا نام بھی اسی دور کے حالات میں ملتا ہے۔ یہ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ سے بھی پہلے بکھر (سندھ) میں اقامت پذیر تھے۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے ایک ننہالی بزرگ شیخ محمود فاروقی کے متعلق بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اس عہد سے بھی پہلے اوچ میں رہائش رکھتے تھے۔ یہ بڑے کامل بزرگوں میں سے تھے۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے جد امجد سلطان کمال الدین ابوبکر کی دوسری شادی انہیں کی دختر سے ہوئی تھی۔

۶۲۴ھ میں شمس الدین التمش نے ملتان پر حملہ کیا اور یہاں سے اوچ کا رُخ کیا۔ ناصرالدین قباچہ ان دنوں قلعہ مروٹ میں مقیم تھا جو ان دنوں بڑی فوجی چھاؤنی اور جنگی مرکز تھا۔ قباچہ کو اوچ کے محاصرے کی خبر ملی تو وہ بکھر چلا گیا اور وہاں پہنچ کر شمس الدین التمش سے مصالحت کی کوشش کی لیکن اس اثنا میں شمس الدین التمش کا وزیر نظام الملک قباچہ کے تعاقب میں بھکر روانہ ہو چکا تھا جس نے وہاں پہنچ کر بھکر کا محاصرہ کر لیا۔ قباچہ جان بچا کر دریا کے راستے فرار ہوا مگر دریا کی تند و تیز لہروں نے اسے آگے بڑھنے نہ دیا اور وہ وہیں ڈوب کر مر گیا۔

سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت میں سہروردی سلسلے کے ہی ایک اور بزرگ حضرت شیخ حمیدالدین حاکمؒ نے بہاولپور میں ورود فرمایا۔ التمش آپ کا بیحد معتقد تھا۔ اس نے اپنی دختر کا نکاح آپ سے کیا۔ آپ کا مزار مؤ مبارک (تحصیل رحیم یار خاں) میں مرجع خلائق ہے۔

شمس الدین التمش کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ تخت نشین ہوا۔ پھر التمش کی جوان بیٹی رضیہ سلطانہ زینت تخت شاہی بنی۔ لیکن ان دنوں

بہن بھائیوں کی مدّت حکومت زیادہ دن نہیں رہی۔

۶۴۳ھ میں التمش کا دوسرا بیٹا ناصرالدین محمود تخت پر بیٹھا۔ اس نے شیر خاں کو ملتان اور ملک سنجر کو اوچ کا گورنر مقرر کیا۔ اوچ کے اطراف میں سنجر پور نام کی بستی اسی گورنر کی یادگار ہے۔

ناصرالدین محمود کے بعد ۶۶۴ھ میں غیاث الدین بلبن سریرآرائے سلطنت ہوا۔ اس نے لاہور، ملتان اوچ اور سندھ کے علاقے اپنے بیٹے سلطان محمد کو سپرد کردیئے۔ سلطان محمد حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کا عقیدت مند تھا۔

۶۸۹ھ تا ۶۹۶ھ خلجی خاندان کی حکومت ان علاقوں پر رہی۔ ۷۲۰ھ میں سلطان غیاث الدین تغلق برسراقتدار آیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد تغلق (۱۳۲۵ء) وارث تخت بنا۔

محمد تغلق علماء و فضلاء کا بڑا قدرداں تھا۔ چنگیزی مظالم سے تنگ آکر جو مشائخ اور سادات کرام اس زمانے میں ہندوستان آئے تھے محمد تغلق نے ان کے ساتھ حسن سلوک کیا اور انکی قدر و منزلت کی حضرت سید جلال سرخ بخاری کی اوچ میں آمد کا بھی زمانہ تھا۔ اسی دور میں مشہور سیاح ابن بطوطہ نے یہاں کی سیاحت کی اس وقت اوچ ملتان کی صوبہ داری میں شامل نہ تھا۔ سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ۷۲۵ھ میں فیروز شاہ تغلق (اس کا چچا زاد بھائی) سریرآرائے سلطنت ہوا۔

فیروز شاہ کے عہد میں سندھ پر سمہ خاندان حکمران تھا۔ جام بابینہ اور جام جونہ دو بھائیوں کی مشترکہ حکومت تھی۔ ایک دفعہ جام بابینہ ملتان اور اوچ تک آپہنچا جسکی سرکوبی فیروز شاہ تغلق کو کرنی پڑی۔ فیروز شاہ تغلق بھی پیروں فقیروں سے عقیدت رکھتا تھا۔ اس نے بہت سے مدرسے قائم کئے اور خانقاہیں تعمیر کیں۔ یہ دور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کا تھا۔ انہی کی سفارش پر جام بابینہ کی جاں بخشی ہوئی تھی۔

۱۴۱۲ء تا ۱۴۳۵ء اس علاقے پر خاندانِ سادات حکمران رہا جس کے فرمانرواؤں میں سید خضر خاں ۔ مبارک شاہ اور علاؤالدین محمد کے نام قابلِ ذکر ہیں خاندانِ سادات سے سلطنت لودھی خاندان کو منتقل ہوگئی۔ اس دور میں حضرت سید محمد غوث رح جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اوچ میں تشریف لائے اور مستقل یہیں سکونت پذیر ہوئے سلطان سکندر لودھی آپ کا مرید تھا۔ آپ کی ذات سے قادریہ سلسلے کو فروغ حاصل ہوا آپ کے متبعین ہندوستان کے اطراف و جوانب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

لودھیوں کے بعد مغلوں کا دور دورہ شروع ہوا جنکی حکمرانی کا عہد تقریباً دو سو سال کے عرصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ اس زمانے میں اسلام کی بہت توسیع ہوئی ۔ بکثرت ہندو اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوگئے۔

برہمنوں نے ہندومت میں اونچ نیچ کے جو اصول وضع کر رکھے تھے اس سے ہندو بیزار تھے ۔ ادھر مشائخ کرام اور اولیائے عظام جو ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے انکی تعلیمات نے ہندوؤں کو متاثر کیا اور وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے گئے۔

اٹھارھویں صدی عیسوی کے اوائل میں مغلیہ سلطنت پر زوال آیا اور اس عظیم الشان حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ دہلی کے تخت پر جتنے بادشاہ بیٹھے وہ اختیارات سے محروم تھے۔ آخر میں تو انکی حکومت صرف دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقے تک محدود ہوکر رہ گئی۔ اس دور میں جگہ جگہ خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں ۔ صوبے مرکز سے آزاد ہوگئے۔ جو جس علاقے کا گورنر تھا وہ وہاں بادشاہ بن بیٹھا۔ چنانچہ سندھ، پنجاب اور بہاولپور کے علاقوں پر بھی بعض مقامی خاندانوں کی حکمرانی قائم ہوگئی۔ کچھ دن مشہور سہروردی بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح کے سجادہ نشین شیخ محمد یوسف قریشی نے بھی بادشاہت کی جو ملتان اور بہاولپور پر مساوی طور پر پھیلی ہوئی تھی ۔ ان کی بادشاہت کو سندھ

کے لانگاہ قبیلے کے ایک سردار رائے سہرہ نے ختم کیا۔ یہ رائے سہرہ قطب الدین کے نام سے بادشاہ بنا۔ ۱۴۴۰ء سے ۱۵۲۶ء تک اس علاقے پر اس خاندان کی حکمرانی رہی (قطب الدین لنگاہ اوچ کے خانوادہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت بندگی شاہ محمد غوثؒ کا مرید اور داماد تھا۔

لنگاہ خاندان کے بعد بیس سال کے قریب اوچ اور اس کے نواح پر سمہ قوم کی حکمرانی رہی۔ یہ راجپوتوں کا ایک قبیلہ تھا جو پہلے سندھ پر قابض تھا اور جام کے لقب سے مشہور تھا۔ اس خاندان کو سلطان حسین ارغون کے ہاتھوں زوال کا شکار ہونا پڑا (سلطان حسین ارغون کا باپ شاہ بیگ ارغون ہلاکو کا پوتا تھا۔ بابر کے حملے کے وقت یہ قندھار کا فرمانروا تھا لیکن جب بابر نے اسے شکست دی تو یہ بھاگ کر سندھ آگیا اور تھوڑے ہی عرصے بعد اپنی فراست سے یہاں کا حاکم بن گیا۔ ۹۳۰ھ میں شاہ بیگ ارغون کا بیٹا شاہ حسین ارغون تخت نشین ہوا اور سندھ سے ملتان تک سارا علاقہ اس کے زیر نگیں آگیا۔ یہ زمانہ حضرت شیخ عبدالقادرؒ ثانی کا تھا جو حضرت بندگی سید محمد غوثؒ کے فرزند ارجمند اور ولیٔ کامل تھا۔

مغلوں کی حکومت کا اضمحلال دیکھ کر نادر شاہ کو ہندوستان پر حملے کی تحریک ہوئی اور اس نے ۱۷۳۹ء میں ہندوستان پر حملہ کیا اور مغلوں کا رہا سہا وقار بھی ختم کر دیا۔ نادر شاہ کے بعد اس کا جرنیل احمد شاہ درانی نے سندھ پر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا اور اوچ تک کے علاقے کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس زمانے میں امیر صادق محمد خاں عباسی سندھ سے ہجرت کر کے بہاولپور آئے تھے۔ جنہیں احمد شاہ درانی نے بہاولپور کا کچھ علاقہ دیکھ بھال کے لئے دے دیا تھا۔ بعد میں خانوادہ گیلانیہ کے سجادہ نشین مخدوم شیخ عبدالقادر خامس نے نواب حیات اللہ خاں گورنر ملتان سے ان کی سفارش کی۔ وہ اوچ کی روحانی عظمت کا معترف تھا۔ اس نے آپکی سفارش پر امیر صادق محمد خاں کو چوہڈری[1] کا علاقہ (موجودہ لیاقت پور) بطور جاگیر

---

[1] یہاں چار دروں (ستونوں) والی عمارت تھی جس پر اس علاقے کا نام چودری مشہور ہوگیا۔ بعد میں چودری بگڑ کر چوہدری بن گیا۔

دیدیا۔ اس طرح ان کی اپنی ریاست کی بُنیاد پڑ گئی۔

یہ خاندان بغداد کے عباسی فرمانرواؤں سے نسبی تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کے پہلے حکمران ابوالقاسم جن کی حکومت مصر میں تھی ان کی پانچویں پشت میں سے امیر سلطان احمد ثانی وارد سندھ ہوا تھا۔ اسکی اولاد میں امیر چنی خاں ایک صاحب فراست سردار تھا۔ جس نے اپنی عقلمندی اور تدبر سے اپنے تعلقات مغل حکمرانوں سے استوار کئے جس کے نتیجے میں پنجہزاری کا منصب اور وسیع جاگیر اسے مل گئی امیر صادق محمد خاں انہیں کی اولاد میں سے تھے جو بعض خاندانی رنجشوں کی بنا پر سندھ سے ترکِ سکونت کر کے موجودہ بہاولپور کی حدود میں آ گئے تھے۔ بہاولپور میں اس خاندان کی حکومت ۱۷۲۷ء تا ۱۹۵۵ء رہی۔ آخری فرمانروا نواب صادق محمد خاں خامس تھے جن کا انتقال ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ انہوں نے مغربی پاکستان کی انتظامی وحدت کے ظہور کے وقت اپنی ریاست کا انضمام اس میں کر دیا تھا۔ اب یہ ریاست صوبہ پنجاب کا حصہ ہے۔

اس خاندان کے دورِ حکومت میں متعدد اولیاء اللہ اور صاحب وجد و حال بزرگ یہاں اقامت گزیں رہے۔ امرائے بہاولپور خود بڑے خوش عقیدہ تھے۔ اکثر بزرگان دین اور صوفیائے کرام سے انہوں نے اپنے دامن عقیدت کو دابستہ کر رکھا تھا۔ ان کے عہد کے بزرگوں میں حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی، حضرت بیرانی، حضرت خواجہ عبدالخالق، حضرت خواجہ قاضی محمد عاقل، حضرت خواجہ سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری، حضرت خواجہ خدا بخش اور حضرت خواجہ غلام فرید کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جنہوں نے اپنے فیوض و برکات سے جہاں عامۃ المسلمین کو فیضیاب کیا وہاں والیانِ ریاست کی دینی و روحانی تربیت کا فریضہ بھی انجام دیا۔

بزرگوں سے والیانِ بہاولپور کی خوش عقیدگی کا حال حضرت خواجہ سلیمان تونسوی

کی زبانی سنئے[1]:۔

"در سرکار سندھیاں یعنی بہادل خاں بسیار فیض است که ہمہ سادات و علماء و غرباء از دہرات خورند چنانچہ بعضے را جاگیر دادہ و بعضے را چاہ انعام کردہ و بعضے را روزینہ مقرر کردہ ازاں سبب حق سبحانہ ملک را برایشاں مسلّم داشت سہ چہار پشت کہ زوال نگرفتہ دیگر ملک سرایان ملتانیاں و بلوچاں ہمہ خراب شدند از سبب بخل کہ ہیچ درویش را روزینہ مقرر نکردہ بود۔"

ترجمہ:۔ سرکار سندھیاں (نواب بہاول پور) یعنی بہادل خاں کا فیض عام ہے۔ سادات و علماء و غرباء کی قدر کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے بعض کو جاگیریں دی ہیں۔ بعض کو زمین عطا کی ہے اور بعض کے وظیفے مقرر کر رکھے ھیں اسی وجہ سے حق سبحانہ نے نواب صاحب کی ریاست کو محفوظ رکھا ہے اور تین چار پشت سے قائم و مستحکم ہے اور زوال پذیر نہیں اس کے برعکس دوسرے علاقے جو ملتانیوں اور بلوچوں کے ہیں اس لئے خراب حال ہیں کہ انہوں نے بخل کے سبب کسی درویش کے ساتھ کوئی حسن سلوک نہیں کیا۔"

---

[1] نافع السالکین (قلمی) ملفوظات حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ مرتبہ مولانا امام الدین تونسوی مملوکہ جناب اسد نظامی، صفحہ ۳۱۱

حقیقتِ تصوّف
صُوفی اور سلاسِلِ تصوّف

لفظ تصوف کافی معرضِ بحث میں رہا ہے۔ کسی نے اسے صفا سے مشتق بنایا ہے۔ کوئی صف سے اس کا استخراج کرتا ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک اس کا تعلق صفہ سے ہے اور بعض اس کا مادہ یُونانی لفظ سوف کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن جہاں تک اس کے ان معانی کا تعلق ہے جو صدیوں سے اس کے ساتھ منسلک چلے آتے ہیں ان سے کسی کو کوئی خاص اختلاف نہیں۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو صفا میں صفائے قلب کا پہلو، صف میں خُدا سے تعلق رکھنے والوں میں صفِ اول کی خصوصیت۔ صفہ میں اصحابِ صفہ کی رعایت اور سوف میں پشمینہ پوشی کا جو تصور ہے وہ مجموعی طور پر لفظ تصوف میں موجود ہے۔ یعنی یہ لفظ ان تمام معانی کا احاطہ کرتا ہے جو اس کی مختلف لغوی شکلوں میں اس سے منسلک کئے جاتے ہیں۔ اسی جامعیت کے پیشِ نظر اہلِ لغات نے تصوف کے معنی یکسو ہونا اور ماسوا سے روگردانی کرنا بتائے ہیں۔ خود صوفیا نے بھی خواہشِ نفسانی سے پاک ہونے اور دنیا کی ہر چیز کو مظہرِ حق جاننے کو تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ بہ الفاظ دیگر تصوف نام ہے صفائی قلب زہد و عبادات۔ تزکیہ نفس اور علائقِ دنیا سے بے نیازی

کا جو شخص ان صفات کا حامل ہو وہ صوفی کہلاتا ہے۔

بعض مستشرقین یورپ تصوف کی بنیاد ہندی، فارسی، یونانی اور مسیحی فکر پر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فان کریمر اور ڈوزی کی یہ رائے ہے کہ تصوف کا ماخذ ویدانت ہے۔ نکلسن اسے نو فلاطونیت سے ماخوذ بتاتا ہے۔ براؤن کے خیال میں سامی مذہب کے خلاف یہ آریائی ردعمل ہے اور گولڈ زیہر تصوف کو نصرانیت کے زیر اثر قرار دیتا ہے۔ ایسے ہی خیالات دوسرے مستشرقین کے ہیں۔ دراصل ان صاحبان کو بعض ایسے نظریات سے دھوکہ ہوا ہے جو تصوف اور دوسرے مذاہب کے خیالات میں کسی قدر مماثلت و مشابہت رکھتے ہیں۔ مثلاً بدھ مت کا تصور "نروان" یا ترکِ دنیا اور استغنا کا نظریہ تصوف کے فلسفۂ وحدت الوجود اور جذبۂ فنائیت سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح قدیم فارس کے عقائدِ ترک اور تیاگ تصوف کے اصولِ قناعت سے مشابہ نظر آتے ہیں اور تصوف کا فقر عیسائی رہبانیت کی شکل معلوم ہوتی ہے اور چونکہ نصرانی بھی پشمینہ پوش تھے اس لئے صوفیا کی پشمینہ پوشی کو نصرانی اثرات کا تابع سمجھ لیا گیا۔

دیکھنا یہ ہے کہ کیا مجرّد یہ مشابہت اس دعوے کے لئے کافی ہے کہ فلسفۂ تصوف اسلام سے نہیں بلکہ دوسرے مذاہب و عقائد سے ماخوذ ہے۔ اول تو جن متماثل نظریات و اعتقادات کا اوپر ذکر آیا ہے ان کی تعبیروں میں کلّی طور پر ہم آہنگی نہیں۔ مثال کے طور پر توحید، وحدت الوجود اور حلول سے متعلق صوفیا کے جو عقائد و خیالات ہیں وہ برہما سے ہرگز ماخوذ نہیں کیونکہ فنا یا احساس سے غیبت یا روح کا ادھر سے اُدھر منتقل ہونا اگر صوفیا کے ہاں کوئی درجہ رکھتا ہے تو بدھ مت میں اس کی کوئی اہمیت و حیثیت نہیں ہے۔ اسی طرح تصوف میں فنائیت کا جو جذبہ پایا جاتا ہے وہ اس جذبہ سے بالکل مختلف ہے جو بدھ مت میں نظر آتا ہے۔ وہاں نفسِ انسانی ہی سب کچھ ہے اور یہاں جمالِ الٰہی میں گُم اور محو ہو جانا مقصودِ حقیقی ہے۔ حقیقت میں تصوّف اپنی تعلیمات کے اعتبار سے ایک الگ اور بالکل جداگانہ

چیز ہے۔ اس کا ماخذ و منبع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جنہوں نے خود روحانی زندگی کا عملی نمونہ پیش کیا۔ آپ کے بعد آپ کے صحابۂ کرام کی حیاتِ طیبہ تصوّف کی آئینہ دار نظر آتی ہے۔ یہ تصوف ہی تھا جس نے اسلام کے روحانی نظام کو استوار کیا۔ اس کی بدولت لوگوں میں محبّتِ الٰہی کا جذبہ پیدا ہوا اور انہوں نے اللہ کے لئے جینا اور اللہ کے لئے مرنا سیکھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے ابتدائی ایام دنیا سے دور غارِ حرا کی تنہائیوں میں بسر ہوئے۔ آپ مادی زندگی کے ہنگاموں اور دنیا کی آرام و آرائش کو ترک کر کے یہاں تشریف لاتے تھے اور ایک ایک ماہ اسی جگہ خلوت میں بیٹھ کر صانعِ قدرت کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے میں صرف فرماتے تھے۔ اسی خلوت گزینی میں آپ پر اسرارِ کائنات منکشف ہوئے اور نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ گویا یہ کتابِ نبوت کا دیباچہ تھا جو غارِ حرا کی تنہائیوں میں مرتب ہوا۔

آپکی اس روحانی زندگی کا پرتو صحابۂ کرام پر پڑا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمانؓ غنی اور حضرت علی المرتضیٰؓ خصوصیت کے ساتھ حضور کی روحانی زندگی سے فیضیاب نظر آتے ہیں۔

حضرت بلال حبشیؓ۔ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت صہیب رومیؓ کی زندگی بھی اسی روحانیّت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ان حضرات کے علاوہ اصحاب صفہ کا مقام بھی روحانی زندگی میں بہت بلند ہے۔ یہ گروہ جو انصار و مہاجرین پر مشتمل تھا اہل و عیال اور مال و زر کے بندھنوں سے آزاد تھا اور اپنا سارا وقت عبادت و ریاضت اور مجاہدۂ نفس میں صرف کرتا تھا۔ حضورؐ کو ان سے خاص تعلق خاطر تھا۔ ان سے محبّت کرتے تھے اور ان کے ساتھ نشست و برخواست رکھتے تھے۔ ابوہریرہؓ کا تعلق اسی گروہ سے تھا۔

حضرت ابی بن کعب۔ تمیم الداری۔ ابوذر غفّاری۔ حذیفہ بن یمان اور مصعب بن عمیر بھی زہد و ورع کی وجہ سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔

بعد کے ادوار کے زہاد و عباد بھی جو صوفیا کہلائے کثرتِ عبادات اور ریاضت و مجاہدہ کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مماثلت رکھتے ہیں۔ غرض صحابہ کرام تابعین اور ان کے بعد کے ادوار میں بھی ایسی برگزیدہ ہستیوں کی کمی نہیں رہی جن کی زندگی روحانیت سے معمور تھی، چنانچہ تاریخ کے مختلف ادوار میں حضرت اویس قرنیؓ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت جنید بغدادی، حضرت ابو سعید بن ابی الخیر، حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی اور ایسے متعدد دوسرے اکابر صوفیا کا نام ملتا ہے جن سے تصوف کی تعلیم کو فروغ ہوا۔ مجاہدۂ نفس، جہاد فی سبیل اللہ اور زہد و عبادت ان سب کا طرۂ امتیاز تھا۔ یہ سب نہایت خشوع و خضوع سے عبادت کرتے تھے۔ دنیا کی چمک دمک سے دور رہتے تھے۔ شیطان کے دشمن تھے اور دنیا سے زیادہ دین پر توجہ دیتے تھے۔

فی الحقیقت صوفیا میں ریاضتوں اور مجاہدوں کا جو رجحان ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہی عکس ہے۔ آپکی عبادت کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ روایت کرتی ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر عبادت فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں۔ جبکہ خدا نے آپکے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں"۔ (رواہ البخاری و مسلم)

تصوف کی تعلیمات قرآن و احادیث سے باہر نہیں۔ ایسی متعدد آیات اور احادیث موجود ہیں جو ان تعلیمات پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں، چند قرآنی آیات ملاحظہ ہوں:-

۱۔ یا ایھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ — اے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو

توبتہ نصوحا۔ — ایسی توبہ جو توبۃ النصوح ہو۔

۲۔ یا ایھا الذین آمنوا صبروا وصابروا ورابطوا۔ — اے ایمان والو! صبر سیکھو، صبر کرو اللہ سے رشتہ استوار رکھو۔

۳۔ وما الحیواۃ الدنیا الامتاع الغرور۔ — حیاتِ دنیاوی کی متاع فریب کے سوا کچھ نہیں۔

۴۔ یا ایھا الناس ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیواۃ الدنیا۔ — اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دُنیا کی زندگی تمہیں فریب میں مبتلا کر دے۔

۵۔ انّ فی خلق السمٰوٰتِ والارض واختلاف اللیل والنھار لآیات لأولی الالباب الّذین یذکرون اللہ قیاما وقعودًا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض — زمین و آسمان کی پیدائش میں لیل و نہار کے اختلاف میں صاحب عقل کے ہاں نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اللہ کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش (کے اسرار پر) پر غور کرتے ہیں۔

اب چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ولا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احبتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر ولسانہ الذی ینطق بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ الذی یسعی بھا بی یسمع وبی یبصر وبی ینطق وبی یعقل وبی یبطش وبی یمشی۔ — بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے، پھر میں اسے محبوب رکھنے لگتا ہوں تو یوں سنتا ہے جیسے میں سنتا ہوں، جو وہ دیکھتا ہے میں دیکھتا ہوں، جو وہ بولتا ہے میں بولتا ہوں، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ دوڑتا ہے۔ وہ مجھ سے سُنتا ہے

مجھسے دیکھتا ہے، میرے بول بولتا ہے، میری عقل سے سمجھتا ہے، میری پکڑ اسکی پکڑ ہے میری چال اس کی چال۔

۲۔ ان من عباد اللہ لاناساما ھم بانبیا ولا شھداء یغبطھم الانبیأ والشھدأ یوم القیامہ بمکانھم من اللہ عزوجل! قال رجال فمن ھم۔ وما اعمالھم۔ لعلنا نحبھم۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: قوم ان وجوھم للنور لایخافون اذا خاف الناس، ولا یحزنون اذا حزن الناس" قالوا ثم قرأ: "الا ان اولیأ اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

اللہ کے بندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا شمار نہ انبیا میں ہے نہ شہدا میں۔ لیکن انبیأ وشہدا جن پر قیامت کے دن اللہ کی سرفرازی دیکھ کر رشک کریں گے ایک آدمی نے سوال کیا وہ کون لوگ ہیں؟ تاکہ ہم انہیں محبوب رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کے چہرے پرنور ہیں، جب لوگ خوف زدہ ہوں گے تو یہ ذرا بھی ہراساں نہیں ہوں گے اور جب وہ لوگ غمگین ہوں گے تو ان کے پاس غم بھٹکنے بھی نہیں پائیگا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ جان لو اولیا اللہ پر نہ خوف طاری ہوتا ہے نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔

غرض تصوف ابتدائے اسلام سے موجود ہے اور صرف موجود ہی نہیں بلکہ اسلام کی حیات روحیہ کا مصدر ہے۔ اس کی بدولت جذب وکیف اور سرمستی وسرخوشی کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو انسان کو ما فیہا سے بیگانہ کر دیتی ہے اور اس پر اسرار کائنات اور حقیقت الاشیا آئینہ کی طرح آشکارا ہو جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس پر سب سے پہلے جذب وکیف

کا عالم طاری ہوا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ بابرکات تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصوّف کے معارف لدنی حضرت علیؓ کو بتلائے اور ان سے خواجہ حسن بصری نے یہ معارف اخذ کئے۔ پھر ان سے تصوّف کے تمام سلسلے چلے۔ اسی وجہ سے تصوف کے تقریباً تمام سلسلوں کو حضرت علیؓ سے منسوب کیا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصری پہلی صدی ہجری سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے زہد کی بنیاد حزن والم پر رکھی وہ روح کی پاکیزگی قلب کی صفائی اور عمل کی طہارت کا ذریعہ خوفِ خدا کو سمجھتے تھے۔

۴۹ھ میں حضرت شیخ الوان نے جدّہ میں الوانیہ سلسلہ قائم کیا اور بیشمار آدمی اس سے منسلک ہو گئے۔ دوسری صدی ہجری میں حضرت رابعہ عدویہ کی شخصیت ابھری۔ انہوں نے زہد میں محبت کی آمیزش کی۔ وہ بہت بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ انکا نظریہ یہ تھا کہ خوفِ جہنم اور طمعِ جنّت سے بے نیاز ہو کر خدا کو صرف اس لئے یاد کیا جائے کہ وہ خدا ہے۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تصوف کا دائرہ مزید وسیع ہوا اور صوفیا کا حلقہ بصرہ اور کوفہ تک محدود نہیں رہا بلکہ بغداد، شام اور جزیرۃ العرب تک پھیل گیا۔ اس دور کے صوفیا میں حضرت ابوالحسن سری سقطی، حضرت معروف کرخی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت بایزید بسطامی، حضرت ابوبکر شبلی اور حسین بن منصور حلّاج سرِفہرست نظر آتے ہیں۔

اسی دور میں صوفیا کی گروہ بندی ہوتی ہے اور ان کے طریقے اور مسلک جُدا جُدا طور پر مدون ہوتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری نے جو مشہور فقیہہ مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) کے شاگرد تھے سب سے پہلے تصوف کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کیا۔ ان کی تعلیمات کو حضرت جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ) نے منضبط کیا۔ ان تعلیمات کو حضرت ابوبکر شبلی خراسانی (متوفی ۳۳۱ھ) نے

آگے بڑھایا۔ پھر یہی تعلیمات ابو النصر السراج (متوفی ۳۷۸ھ) نے اپنی کتاب اللمع میں اور ابو القاسم القشیری (متوفی ۴۶۷ھ) نے اپنے رسائل میں درج کیں۔ ان کے بعد امام غزالی (۴۵۰ھ تا ۵۰۵ھ) کا زمانہ آتا ہے۔ انہوں نے دینیات میں تصوّف کو جگہ دی اور اس طرح تصوّف جو اسلام کے ساتھ ابتدا سے وابستہ چلا آتا تھا اسلام کا ایک جزو بن گیا۔

حقیقت میں دین محمدیؐ کی دو حیثیتیں روز اول سے مسلّم ہیں۔ جنہیں ظاہری اور باطنی کا نام دیا جاتا ہے۔ جہاں تک دین کی ظاہری حیثیت کا تعلق ہے یہ فرد اور جماعت کی خارجی زندگی کی تشکیل کرتی ہے اور باطنی زندگی کا تعلق نیکی اور طاعت سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے دین کی ان دو حیثیتوں کے محافظوں کا تعین اس طرح کیا ہے۔

"وہ بزرگ جنکو خدا تعالیٰ کی طرف سے شریعت کی حفاظت کی استعداد ملی تھی وہ دین کی ظاہری حیثیت کے محافظ بنے۔ یہ فقہا۔ محدثین، غازیوں اور قاریوں کی جماعت ہے۔ دین کے محافظوں کا دوسرا گروہ وہ ہے۔ جسے خدا تعالیٰ نے باطنِ دین کی حفاظت کی استعداد عطا فرمائی ہے۔ ہر زمانہ میں اس گروہ کے بزرگ عوام الناس کے مرجع رہے ہیں۔ ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں اُن کی رفعتِ شان کا عام چرچا ہوتا ہے"۔[1]

دین کے محافظین کے آخر الذکر گروہ نے باطن کی تہذیب اور اس کی اصلاح کے لئے مختلف اوراد و اشغال کو ترتیب دیا اور اپنے فیوض و برکات سے ایک عالم کو مستفید کیا۔ حضرت مخدوم علی الہجویریؒ "کشف المحجوبؒ" میں فرماتے ہیں۔

"حق سبحانہٗ تعالیٰ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ نے دُنیا کو اپنے

---

[1] ہمعات اردو ترجمہ "تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ تاریخ" صفحہ ۴۵-۴۴

دوست سے خالی نہیں چھوڑا۔ اور اُمّتِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو وجودِ اولیاءؑ
سے محروم نہیں رکھا۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ آپ کی امت چہل تن سے کبھی خالی نہیں رہیگی اور وہ چہل تن ہمیشہ آپکی امت میں پیدا ہوتے رہیں گے جنکی خصلت ابراہیم علیہ السلام کی خصلت کے موافق ہوگی۔

مفاتیح الاعجاز میں لکھا ہے۔

"الولی ھو العارف باللہ وصفاتہ بحیث ما
یمکن المواظب علی الطاعنہ المجتنب من
المعاصی المعرض عن الانھماک فی الذات
والشھوات۔"

یعنی ولی وہ ہے جو ذاتِ الٰہی اور اس کی صفات کی پہچان رکھتا ہو۔ عبادت میں مداومت کرتا ہو۔ گناہوں سے بچا ہُوا ہو۔ اور لذات وشہوات کے دریا میں ڈوبنے سے اجتناب کرتا ہو۔

علامہ حسین کاشفیؒ "الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا یحزنون" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ولی وہ ہے کہ لقا اسکی بموجب یادِ الٰہی ہو۔ جو دشمن
ہو اپنے نفس کا۔ وہ عنوانِ شریعت اور برہانِ حقیقت
ہے۔ اس کا ظاہر احکامِ شرع سے آراستہ اور باطن
انوارِ فقر سے پیراستہ ہو۔"

حدیث شریف ہے "ھم الذین اذا راؤا ذکر اللہ" یعنی اولیاء اللہ وہ ہیں جنکو دیکھنے سے خدا یاد آئے۔

ایک اور حدیث شریف ہے۔ "ھم جلساء اللہ۔ نیز" ھم القوم

لا یشقی جلیسھم"۔ یعنی اولیاءُ اللہ خُدا کے جلیس ہیں
اور ان کا ہم جلیس و ہم صحبت بدبخت نہیں ہوتا۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی نے نفحات الانس میں طالبانِ آخرت کے چار طائفے گنوائے ہیں ــــ زہاد ۔ فقرا ۔ خدام ۔ عباد ــــ زہاد نورِ ایمان وتیقنِ جمال سے آخرت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دنیائے فانی کو قبیح جانتے ہیں فقرا کا مدار رجا۔ تخفیف حساب یا خوفِ عتاب پر ہے ۔ خدّام فقرا اور طالبانِ حق کی خدمت گذاری کرتے ہیں ۔ عباد ہمیشہ وظائف اور عبادات میں مشغول رہتے ہیں ۔

صوفی گو ان طائفوں سے الگ ہے لیکن ان چاروں کی صفات بھی موجود ہیں اور اسکی اپنی انفرادی خصوصیات بھی ہیں ۔

صوفیا نے تصوف کے چار درجے مقرر کئے ہیں : شریعت ، طریقت ۔ حقیقت اور معرفت ۔ امام غزالی نے ان درجات کو اخروٹ سے تشبیہ دی ہے ۔ اول درجہ شریعت کو پوست اخروٹ سے ۔ دوسرے درجہ طریقت کو استخوان سے تیسرے درجہ حقیقت کو مغز سے اور چوتھے درجہ معرفت کو روغن سے ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل تصوف پابندی شریعت کا نام ہے ۔

تصوف کی اصطلاح میں روحانی زندگی ایک طرح کا سفر ہوتا ہے اور جو روح طالب حق ہوتی ہے "سالک" کہلاتی ہے ۔ گویا اسکی منزلِ مقصود "معرفت" اور راستہ "طریقت" ہے ۔ امام غزالی مشکوٰۃ الانوار میں لکھتے ہیں کہ "خداوند تعالیٰ روشنی اور تاریکی کے ستّر ہزار پردوں میں ہے جن میں سے نصف اندرونی نور کے اور نصف بیرونی تاریکی کے ہیں وصال کی جویا روح پہلے سات منازل سے گذرتی ہے اور ہر منزل طے کرنے پر دس ہزار پردے دور ہوجاتے ہیں ۔ آخر میں جب روح انتہائی منزل پر پہنچتی ہے تو سارے حجابات دور ہوجاتے ہیں اور طالب و مطلوب ایک دوسرے کے روبرو ہوجاتے ہیں ۔

ان منازل کو طے کرنے کیلئے عبودیت ۔عشق ۔زہد۔ معرفت ۔ وجد ، حقیقت اور شریعت لازمی امور ہیں۔ ان کے لئے صوفیا ریاضتیں ۔مجاہدے اور تزکیہ نفس کے دیگر اشغال بجالاتے ہیں ۔صوفیا کشف کے بھی قائل ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ ہر انسان خُدا تک پہنچنے اور اسکو جاننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس میں ایک ایسی قوت پوشیدہ ہوتی ہے جس کو بیدار کرنے کیلئے عبادت ، ریاضت اور مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

بہرحال روحانی نشوونما کیلئے انسان کو ان تمام منازل سے گذرنا پڑتا ہے اور راہ کی مشکلات کو دُور کرنے کیلئے اُسے کسی کامل کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ مرشد اپنے مرید کے افعال و اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے ۔ وہ اسے ذکر و شغل کے طریقے بتاتا ہے ۔ اخلاقی کوتاہیوں ،نفس کی لغزشوں اور خیالات کی کمزوریوں پر نظر رکھتا ہے اور انکی اصلاح کرتا ہے۔

صوفیا کے رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ تصوف کے دَور اول سے قائم چلا آتا ہے ۔صوفیا نے بغیر کسی لالچ یا طمع کے عامہ خلائق کی اصلاح کیلئے اپنی زندگیاں وقف کئے رکھی ہیں ، خود کو خاک میں ملا دیا لیکن دوسرے کی بگڑی بنادی ۔ ہمارے سامنے حضرت ابراہیم بن ادھم کی مثال موجود ہے جنہوں نے تاج و تخت چھوڑ کر فقیری اختیار کی ۔ ایسے جلیل القدر صوفیا کی بھی کمی نہیں رہی جو اپنی وجاہت علمی کے سبب بڑے بڑے دنیاوی مناصب حاصل کرسکتے تھے ۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے کبھی شخصی حکومتوں میں کوئی عہدہ قبول کیا اور نہ کسی صاحب جاہ و ثروت کی خوشامد کی ۔ البتہ عام لوگوں کی اصلاح کیسا تھ ساتھ انہوں نے سلاطین اور امرا کی اصلاح کا بھی فریضہ ادا کیا ۔

صوفیا نے اخلاقیات اور روحانیات کا ہی درس نہیں دیا بلد و جہد اور عمل کی طرف بھی پوری توجہ دی ہے ، اور اس سلسلے میں صرف تلقین و وعظ تک ہی بات محدود نہیں رہی بلکہ عملی طور پر خود کو ان تعلیمات کا نمونہ بنا کر

پیش کیا ہے۔ خاص طور پر اسلام کے تحفظ و بقا اور فروغ کیلئے انہوں نے اسلامی لشکروں میں شریک ہوکر کفار سے جنگ کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا

جو لوگ تاریخ سے بے خبر ہیں وہ برّصغیر پاک و ہند میں اسلام کے فروغ کو مسلم شہنشاہوں کا کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت الامر یہ ہے کہ اگر مسلم حملہ آوروں کے جلو میں روحانیت کے یہ علمبردار نہ ہوتے اور مسلم بادشاہوں کو ان نفوسِ قدسی کی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی تو نہ انکی حکومت کو وہ استحکام میسر آتا جو ہزار سالہ دورِ حکمرانی میں انہیں حاصل ہوا اور نہ اتنی بھاری تعداد میں یہاں کی اقوام حلقہ بگوشِ اسلام ہوتیں۔ یہ صوفیا ہی تھے جن کی تعلیمات نے غیر مسلموں کو متاثر کیا اور وہ اسلام کی حقانیت کے قائل ہوئے۔

بعض نام نہاد صوفیا نے جن کو نہ شریعت کا پاس ہے اور نہ طریقت کے رموز سے آگاہ تصوف کے متعلق بڑے غلط تاثرات پیدا کر دیئے ہیں ورنہ جہاں تک صوفی اور تصوف کی فضیلت و عظمت کا تعلق ہے وہ اہلِ علم کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ صاحب تفسیر کشّاف نے لکھا ہے کہ ایک قوم کے افراد نے جو رؤسائے کفّار میں سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان پشمینہ پوشش بے قدروں (صوفیا) کو جیسے صہیب رضؓ۔ بلالؓ۔ عمارؓ ہیں جن کے لباس اور خرقوں کی بدبو ہمیں تکلیف پہنچاتی ہے ہٹا دو تاکہ ہم آپ کے پاس آکر بیٹھیں اس وقت ایک آیت نازل ہوئی جو ان خستہ حال فقیروں کی تعریف و توصیف میں تھی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں میں شامل ہونے کی دعا مانگی۔ دعا یہ ہے :-

"اَللّٰھُمَّ احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین"۔

یعنی الٰہی مجھ کو مسکین زندہ رکھ اور مسکین مار اور میرا حشر گروہ مسکین میں کر۔ یہاں فقیر و مسکین سے مراد آج کل کے پیشہ ور بھک منگے۔ گداگر۔ طامع اور حریص دنیا اور فقیرِ بے معرفت نہیں بلکہ وہ مراد ہیں جو صاحب معرفت ہیں

اور جن کے سینے انوارِ الٰہی سے معمور ہیں۔

حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا دار مولویوں اور طامع و حریص فقیروں کی صحبت میں بیٹھنے سے منع فرمایا ہے اور علمائے حق کی صحبت کے فوائد اور انکی شناخت بھی بتائی ہے۔ ارشادِ گرامی ہے۔

لا تجلسوا عند کل عالم الا عالمًا یدعوکم من خمسٍ الی خمسٍ من الشرک الی الیقینِ ومن الریا والی الاخلاص ومن الرغبة الی الزھد ومن الکبر والی التواضع ومن العداوة الی النصیحة۔

یعنی ہر ایک عالم کے پاس مت بیٹھو بلکہ اس عالم کے پاس بیٹھو جو پانچ چیزوں سے دوسری پانچ چیزوں کی طرف بلائے۔ اول شک سے یقین کی طرف۔ دوسرے ریا سے اخلاص کی طرف۔ تیسرے دنیا کی خواہش سے زہد کی خواہش سے زہد کی طرف۔ چوتھے "تکبر" سے تواضع کی طرف اور پانچویں عداوت سے خیر کی طرف۔

خود اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جن صفات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ علمائے ظواہر میں نہیں اہلِ معرفت اور ان صوفیا میں ہوتی ہیں جو دنیا سے بے نیاز رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے مولانا رومؒ نے فرمایا ہے۔

یک زمانہ صحبتے با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یہ صحیح ہے کہ فی زمانہ اولیائے کاملین ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن ان کی تصانیف۔ ان کے احوال اور ملفوظات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

امام یوسف ہمدانیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ جب زمانہ ایسا آجائے کہ اولیا اللہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہوجائیں تو ہمکو کیا کرنا چاہیئے تاکہ ہمارا ایمان سلامت رہے آپ نے فرمایا کہ "بزرگوں کے ملفوظات اور ارشادات کے آٹھ ورق ہر روز پڑھ لیا کرو۔

اسی طرح حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں فرماتے ھیں :

"بزرگوں کے تذکرے اور ملفوظات کا پڑھنا ایسا
ہی ہے جیسا کہ انکی صحبت میں رہ کر انکی زبان سے
سُننا اور ان سے استفادہ کرنا ......"

حضرت شیخ فریدالدین عطار نے "تذکرۃ الاولیاء" کے دیباچہ میں اس مقولہ کو حدیث سے تعبیر کیا ہے ۔

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة

یعنی صالحین کے "تذکرے کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے ۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ نے منازل امیرالمومنین کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

"تذکرہ اولیا عبادت ہے اور ذکر کرنے والے کے نامۂ
اعمال میں عبادت کا ثواب درج کیا جاتا ہے ۔"

اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے حالات کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان کا تعلق کن سلاسل تصوف سے ہے اور ان سلاسل میں کون کون سے بزرگ منسلک ہیں ، یوں تو تصوف کے بیشمار سلسلے ہیں لیکن ان میں یہ سولہ خانوادے خاص ہیں :

۱ ۔ زیدیہ بانی عبد الوحید بن زید (متوفی ۱۷۷ھ)
۲ ۔ عیاریہ بانی فضل بن عیار (متوفی ۱۷۸ھ)
۳ ۔ ادھمیہ بانی ابراہیم بن ادھم (متوفی ۱۶۱ھ)
۴ ۔ عجمیہ بانی حبیب عجمی (متوفی ۱۵۶ھ)
۵ ۔ کرخیہ بانی معروف کرخی (متوفی ۲۰۰ھ)
۶ ۔ سقطیہ بانی سری سقطی (متوفی ۲۵۳ھ)

۷— طیفوریہ — بانی — بایزید بسطامی (متوفی ۲۶۰ھ)
۸— جُنیدیہ — بانی — جنید بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ)
۹— جُبیریہ — بانی — جبیر البصری (متوفی ۲۸۷ھ)
۱۰— چشتیہ — بانی — خواجہ علو دینوری (متوفی ۲۹۹ھ)
۱۱— گازرونیہ — بانی — ابو اسحاق کازرونی (متوفی ۴۲۶ھ)
۱۲— طوسیہ — بانی — علاؤالدین طوسی (متوفی ۵۶۰ھ)
۱۳— سہروردیہ — بانی — ابونجیب سہروردی (متوفی ۵۶۳ھ)
۱۴— فردوسیہ — بانی — نجم الدین کبریٰ (متوفی ۶۱۸ھ)
۱۵— قادریہ — بانی — شیخ عبدالقادر جیلانی (متوفی ۵۶۱ھ)
۱۶— نقشبندیہ — بانی — خواجہ بہاؤالدین نقشبند (متوفی ۱۳۳۹ھ)

ہم آئندہ صفحات میں سرزمین بہاولپور سے تعلق رکھنے والے جن بزرگوں کے حالات قلمبند کرنے والے ہیں وہ چونکہ چشتی۔ قادری۔ سہروردی۔ اویسی اور گازروحانی سلاسل سے منسلک تھے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختصر تعارف پہلے یہاں کرا دیا جائے۔

خانوادۂ چشتیہ

یہ خانوادہ حضرت ابو اسحاق چشتیؒ سے منسوب ہے۔ جو حضرت خواجہ ممشاد دینوری کے مرید و خلیفہ تھے۔

چشت ایران کا ایک قریہ ہے جہاں سے حضرت خواجہ ابو اسحاق حضرت خواجہ ممشاد دینوری کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے تھے۔

برصغیر پاک و ہند میں اس خانوادے کے سرخیل حضرت خواجہ معین الدین

چشتی اجمیری ہیں جن کا سلسلۂ طریقت چھ واسطوں سے حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتی سے ملتا ہے۔

خواجہ اجمیری حضرت شیخ عثمان ہارونی کے خلیفہ تھے۔ پاک و ہند میں اس خانوادے کے دیگر جلیل القدر مشائخ میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ۔ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ۔ حضرت خواجہ علاؤالدین احمد صابر کلیریؒ۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی اور حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاںؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بلادِ ہند میں اس خانوادے سے دو مزید خانوادے نظامیہ اور صابریہ نکلے۔ اول الذکر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے اور موخر الذکر حضرت شیخ علاؤ الدین صابر کلیریؒ سے منسوب ہے۔ یہ اسی منبع خواجگان کے دو گہر ہائے آبدار ہیں جن کی تابانی سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہوا۔ ان میں سے ہر بزرگ تصوف کا ایک ادارہ اور عرفان و آگہی کا ایک بحرِ مواج تھا جس سے ایک دنیا سیراب ہوئی اور ہزاروں مردانِ خدا کو دولتِ ولایت میسر آئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے:۔

حضرت خواجہ ابو اسحاقؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ ابو احمد چشتیؒ۔ ان کے خواجہ ابو محمد چشتیؒ۔ ان کے ابو یوسف زندنیؒ۔ ان کے شیخ عثمان ہارونیؒ اور ان کے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔

خانوادۂ سُہروردیہ

سہرورد عراق عجم میں زنجان کا ایک مقام ہے۔ جہاں اس خانوادے کے بانی حضرت خواجہ ابونجیب سہروردیؒ رہائش رکھتے تھے۔ ان کا سلسلہ نو واسطوں سے حضرت حبیب عجمی تک پہنچتا ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی اور علاؤالدین طوسی دو بھائی تھے اور دونوں شیخ طریقت کی تلاش میں تھے، اسی تجسس میں جب یہ دونوں بھائی شیخ ضیاءالدین ابونجیب سُہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے جو بڑے مرتاض بزرگ تھے تو انہوں نے فرمایا کہ پیر کامل کی تلاش میں تو میں بھی بوڑھا ہوگیا ہوں، سُنا ہے کہ شیخ وجیہ الدین ابوحفص عمر بن محمد عمویہ طوسی شیخ کامل ہیں، چلو ان سے بیعت کریں گے۔ چنانچہ یہ تینوں بزرگ حضرت شیخ طوسیؒ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے ابونجیب اور علاؤالدین کو مرید کرلیا اور نجم الدین کبریٰ کا ہاتھ حضرت ابونجیب کے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اس کا حصہ تمہارے پاس ہے۔ تم اس کو مرید کرو اور خلافت دو۔ تمہارا نام اس سے روشن ہوگا۔ غرض ابونجیب نے انکو مرید کیا اور ساتویں روز خرقۂ خلافت عنایت کردیا۔ اس خانوادے کو شیخ ضیاءالدین ابونجیب اور ان کے بھتیجے اور مرید خاص حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے فروغ حاصل ہوا۔ انہی کے خلفاء نے جن میں حضرت مخدوم نوح بھکریؒ حضرت قاضی حمیدالدین ناگوریؒ۔ حضرت شیخ نورالدین مبارک غزنویؒ اور حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں برصغیر پاک و ہند میں سلسلہ سہروردیہ کو شہرتِ دوام اور مقبولیت عام عطا کی۔

فارسی زبان کے مایۂ ناز شاعر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کو بھی حضرت

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ہی شرف بیعت حاصل تھا۔

خانوادۂ قادریہ

خانوادۂ قادریہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔ آپ کو روحانی نعمت حضرت شیخ احمد اسود دینوریؒ سے۔ ان کو حضرت شیخ علو ممشاد دینوری سے اور ان کو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے ملی اور خرقۂ خلافت حضرت مصلح الدین ابو سعید المبارک المخزومی سے ملا۔ ان کو حضرت شیخ ابوالحسن علی قریشی الہنکاری سے، انکو حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسی سے۔ ان کو حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز یمینی سے اور انکو حضرت خواجہ جنید بغدادی سے حاصل ہوا۔ آپ کا شجرۂ نسب بچند واسطہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ملتا ہے۔

حضرت غوث اعظمؒ کے علوِ مرتبت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ارشادِ گرامی ملاحظہ ہو[1]

حضرت علی کے بعد اولیائے کرام اور اصحاب طرق میں سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو بہ احسن وجوہ طے کرکے نسبت اویسی کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے قدم رکھا وہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات ہے۔ اسی بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔"

---

[1] ہمعات اردو ترجمہ "تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ"، صفحہ ۱۲۷

حضرت شاہ ولی اللہ آپ کے فیض باطنی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں[۱]

"اگر ان امور کے پیش نظر سالک کو کسی خاص روح سے مناسبت ہو جائے اور وہاں سے اسے فیض پہنچے تو اس واقعہ کی اصل حقیقت غالباً یہ ہوگی کہ اسے یہ فیض یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے حاصل ہوا یا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی نسبت سے یا اسے یہ فیض حضرت غوث اعظمؒ کی نسبت سے ملا۔"

اس خانوادے کو برصغیر پاک و ہند میں جن بزرگوں سے فروغ حاصل ہوا ان میں حضرت شیخ کے فرزند ارجمند حضرت شیخ عیسٰی شرف الدین قتال کا اسم گرامی سر فہرست ہے جنہوں نے سندھ کے مشہور تاریخی شہر ہالہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ حضرت ہی کی اولاد میں سے کچھ بزرگ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پہنچنے کے علاوہ بہاولپور کے مشہور قصبہ اوچ میں بھی اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ جن میں حضرت بندگی سید محمد غوثؒ کو اولیت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب سات واسطوں سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔

خانوادۂ اویسیہ

یہ خانوادۂ عالیہ طاؤس یمنی حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے۔ آپ حضور کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور حضورؐ کے نادیدہ عاشق تھے۔ آپ پر وجد و حال کا اس قدر غلبہ تھا کہ ملاقات جسمانی میسر نہ آسکی۔ آپکو خیر التابعین کہا جاتا ہے۔

---

[۱] ہمعات اردو ترجمہ "تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفۂ تاریخ" صفحہ ۱۲۷

اصطلاحِ صوفیا میں صاحبِ قبر سے بغیر ملاقات کے نسبت حاصل کرنے کو نسبت اویسیہ کہا جاتا ہے اور یہ نسبت حاصل کرنے والا خواب یا مراقبہ میں مشاہدہ کرتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نسبت اویسیہ کی تشریح یوں فرمائی ہے[1]

"نسبت اویسیہ کی تفصیل یہ ہے کہ انسان میں ایک نفسِ ناطقہ ہے جو بمنزلہ ایک آیئنے کے ہے جس میں انسان کی روحانی کیفیات کا بھی عکس پڑتا ہے اور اس کے جسمانی احوال سے ہر کیفیت اور ہر حالت میں قدرت نے ایک استعداد رکھی ہے۔ چنانچہ اسکی وہ استعداد جس کا تعلق جسمانی احوال سے ہے اور وہ استعداد جو اس کی روحانی کیفیات سے متعلق ہیں ان دونوں میں کلّی تنافر اور اختلاف ہے، روحانی کیفیات میں سے ایک کیفیت یہ ہے کہ سالکینِ راہِ طریقت جب عالمِ ناسوت کی پستی سے نکل کر عالمِ ملکوت کی بلندی پر فائز ہوتے ہیں اور خسیس و ناپاک اعتبارات کو کلیتہً ترک کر دیتے ہیں تو اسی حالت میں وہ لطیف اور خوشگوار کیفیات میں اس طرح سرشار ہو جاتے ہیں۔ گویا ان کے نفوس ان کیفیات میں ڈوب کے بالکل فنا ہو گئے۔ چنانچہ اس مقام میں سالکوں کی حالت اس مشک کی سی ہو جاتی ہے جس میں پوری قوت سے ہوا بھر دی گئی ہو اور اس کی وجہ سے وہ اس طرح پھول گئی ہے کہ خواہ اسے پانی میں ڈال دیں وہ کسی طرح تہہ آب نہیں ہوتی۔"

---

[1] ہمعات اردو ترجمہ "حقیقت تصوف اور اس کا فلسفۂ تاریخ" صفحہ ۱۲۰-۱۱۹

خانوادۂ گاذرونیہ

یہ خانوادہ حضرت ابو اسحاق گاذرونی قدس سرہ سے منسوب ہے۔
آپ حسین ابن علی الاکار کے خلیفہ تھے۔ وہ حضرت ممشاد علو دینوری کے اور وہ حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہٗ کے دیکھنے والے تھے۔ آپ کو عبد اللہ حنیف سے بھی نعمت روحانی ملی تھی۔ طبل و علم رکھنے اور ہیرق لگانے کی روش آپ سے ہی نکلی ہے۔ ہندوستان میں آنے والے اولیاء اللہ میں سلسلۂ گازرونیہ کے ہی بزرگ حضرت صفی الدین گاذرونی کو شرفِ اولیّت حاصل ہے۔ جن کا مزار اوچ شریف (ضلع بہاولپور) میں آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔

خانوادۂ نقشبندیہ

یہ خانوادۂ حضرت خواجہ بہاؤالحق والدین محمد شاہ نقشبند سے منسوب ہے
آپ حضرت سید خواجہ امیر کلاں کے خلیفہ تھے۔ جن کا سلسلۂ ارادت حضرت جنید بغدادی تک پہنچتا ہے۔ برصغیر ہند و پاک میں خانوادۂ نقشبندیہ کا فروغ حضرت خواجہ عبد الباقی باقی باللہ اور ان کے خلیفہ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ۔ حضرت شاہ عبد العزیز۔ حضرت شاہ رفیع الدین اور پنجاب میں حضرت خواجہ خاوند محمود لاہوری حضرت شیخ محمد طاہر قادری نقشبندی۔ حضرت خواجہ نور محمد معروف بہ بابا جی تیراہی۔ حضرت غلام محی الدین قصوری اس سلسلے کے مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آخری دور کے نقشبندی بزرگوں میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوری کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔

قبرستان اور خانقاہیں

سرزمین بہاولپور کم و بیش ہزار برس سے اولیائے حق اور اہل اللہ کی عظمتوں کی امین ہے۔ میکلوڈ گنج سے تحصیل صادق آباد کے آخری سرے تک ایسے بے شمار قبرستانوں اور خانقاہوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے جنمیں بعض بڑے جلیل القدر علما و صلحا محو خواب استراحت ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے صاحب جبروت امرآ و روسا بھی ان قبرستانوں میں مدفون ہیں۔ مرور ایام کے ہاتھوں اگرچہ بہت سی قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں اور اب ٹھیک ٹھیک ان کا پتہ چلانا بہت مشکل ہوگیا ہے تاہم یہ شہر خموشاں اپنی عظمت رفتہ کی داستان زبان حال سے سُنا رہے ہیں۔ کون گمان کرسکتا ہے کہ جن صاحب عظمت و شان ہستیوں کا کبھی دُنیا میں ڈنکا بجتا تھا ان کے مزارات عبرت سرائے ہستی کی داتا گونیوں کا نقشہ پیش کریں گے۔ جو مزارات زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہ گئے ہیں ان کی بے رونقی اور زبوں حالی بھی کل من علیہا فان کا درس دے رہی ہے۔

خانقاہوں اور درگاہوں کی کیفیت بھی کچھ اس سے مختلف نہیں۔ بہ استثنائے چند اکثر خانقاہیں ان کے متولیوں کی بے توجہی کا شکار ہیں۔ البتہ عوام نے اپنا دامن عقیدت جن خانقاہوں سے وابستہ کر رکھا ہے وہاں اب بھی میلے کا سا سماں رہتا ہے اور جویائے حق یہاں آکر طمانیت قلب اور تسکین خاطر کا سامان حاصل کرتے ہیں۔

حدودِ بہاولپور میں جتنے قبرستان واقع ہیں وہ کسی باکمال بزرگ یا صاحب ثروت شخصیت کے نام سے موسوم ہیں، جن میں پہلے ان کے

مدفن بنے اور بعد میں ان کے اقارب اور دوسرے لوگوں نے بھی اسے اپنی آخری آرام گاہ کے لئے منتخب کرلیا۔ بعض بستیوں کے نام بھی انہی قبرستانوں کے نام پر مشہور ہوگئے ہیں اور اب یہ آبادیاں ویرانوں کے آغوش میں عجب سامانِ تضاد پیدا کر رہی ہیں۔

شاخِ گُل کے سلسلے میں دیکھے ہیں ویرانے بہت

ضلع بہاولنگر

ضلع بہاولنگر میں تحصیل چشتیاں مزاراتِ اولیاء اللہ کی وجہ سے بہت زیادہ مشہور ہے اور یہ فخر اسی تحصیل کو حاصل ہے کہ یہاں فریدِملّت حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی اولاد محوِخواب ہے اور چونکہ یہ سرزمین خانوادۂ چشتیہ کے اہل اللہ کا مسکن و مدفن ہے اس لئے اسی رعایت سے اس علاقے کا نام چشتیاں پڑ گیا ہے، اس میں دیگر متعدد قبرستانوں کے علاوہ قریہ تاج سرور کا قبرستان اپنی وسعت و اہمیت میں سب پر فوقیت رکھتا ہے۔

یہ قبرستان چشتیاں ریلوے اسٹیشن کے شمالی جانب واقع ہے اس میں شیخ تاج الدین نبیرۂ حضرت بابا گنج شکرؒ کا مزار ہے جو روضہ تاج سرور کے نام سے مشہور ہے، اس کا گنبد دُور سے دکھائی دیتا ہے۔ اسی مزار کے نام پر بستی کا نام قریہ تاج سرور پڑ گیا ہے اور قبرستان بھی اسی نام سے شہرت رکھتا ہے[1]۔ یہیں فخرِ سلسلۂ چشتیہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ

---

[1] اس بستی میں حضرت بابا گنج شکرؒ کی اولاد کثرت سے ملتی ہے یہیں اس خانوادے کے ایک مشہور بزرگ حضرت مخدوم محمد معروف خوشابی پیدا ہوئے تھے ان کا سلسلۂ نسب پانچ واسطوں سے حضرت بابا علیہ الرحمۃ سے ملتا ہے۔ ان کے والد شیخ حضرت شیخ تاج الدین سرور کے پوتے تھے۔ انہوں نے خوشاب ضلع سرگودھا میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہیں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔ انکی تاریخ وفات ۱۰ محرم سنہ ۹۸۷ھ ہے۔

نور محمد مہاروی" کا مزار پُر انوار ہے دوسری بزرگ ہستیوں میں جن کے یہاں مزارات ہیں حضرت خواجہ اجمیری کے بھانجے سید چراغ شاہ کا اسم مبارک سر فہرست ہے۔

اس عظیم الشان قبرستان کے علاوہ تحصیل چشتیاں میں ہی کئی اور وسیع قبرستان ہیں جنمیں زیادہ تر حضرت بابا علیہ الرحمۃ کے متوسلین یا خانوادۂ چشتیہ کے بعض بزرگوں کے مزارات ہیں۔ چشتیاں کے قریب ہی ریگستان کی جانب ایک قبرستان رسول سر کے نام سے موسوم ہے جس میں کئی کاملین آسودہ ہیں۔ حضرت شیخ رکن الدین چشتی جو حضرت بابا" کی اولاد میں سے تھے، نیز حضرت شیخ فتح دیوان نبیرۂ حضرت بابا" اور حضرت شیخ امام الدین چشتی، حضرت سید کمال شاہ جو حضرت حسن دریا اوچوی کی اولاد میں سے تھے اور حضرت شیخ چاکر جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے یہاں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

رسول سر کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کے زمانہ میں ایک بزرگ یہاں تشریف لائے اور انہوں نے اس ریگستان میں رفاہِ عام کیلئے ایک تالاب کھدوایا اور یہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ تالاب کی کھدائی کے وقت آپ مزدوروں کو ہر کہی کی پہلی چوٹ پر ایک پیسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کا "ٹپہ" لگا دو۔ اسی وجہ سے اس "تالاب" کا نام رسول سر مشہور ہو گیا۔

ایک اور روایت یہ مشہور ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کو جنہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مزار یہاں تعمیر کرایا تھا اس مقام پر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس مقام کا نام رسول سر پڑ گیا۔

ف ذکر کرام مولفہ مولوی حفیظ الرحمن، صفحہ ۳۲

ایک اور روایت یہ مشہور ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کو جنہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مزار یہاں تعمیر کرایا تھا اس مقام پر خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی جسکی وجہ سے اس مقام کا نام رسول پور پڑ گیا۔

خانقاہ تاج سرور سے متصل ایک وسیع قبرستان میں چار کھنڈ کی ایک بغیر مسقف عمارت ہے جو کھوکھروں کی چوکھنڈی کہلاتی ہے۔ اس میں کھوکھرا قوم کے امرا کی قبریں ہیں۔ جویہ قوم کے بعض بزرگ بھی اس قبرستان میں مدفون تحصیل چشتیاں کے موضع خیسے میں ایک بہت بڑا قبرستان ہے جسمیں دیگر قبور کے علاوہ ایک قبہ والی عمارت ہے۔ جہاں بڑے شاہ نامی ایک بزرگ محوِ خواب ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر سگ گزیدہ اس خانقاہ پر چالیس دن چلہ کھینچے تو وہ صاحب مزار کی کرامت سے تندرست ہو جاتا ہے۔

بہاولنگر اور اس کے نواح میں بھی متعدد قبرستان اور خانقاہیں ہیں۔ چنانچہ ریلوے اسٹیشن تخت محل کی شمالی جانب نہر کے کنارے ایک قبرستان ہے جس میں سلسلۂ چشتیہ کے دیگر بزرگوں کے علاوہ حضرت بابا گنج شکرؒ کی اولاد میں سے بھی کچھ حضرات کے مزارات ہیں۔ یہاں کسی برگزیدہ عورت کی بھی قبر ہے جس سے اس علاقے کی عورتوں کو بڑی عقیدت ہے۔ اس قبر کی وجہ سے ملحقہ قصبہ کا نام مائی دی مومن آباد پڑ گیا ہے۔

بہاولنگر سے تیرہ میل کے فاصلے پر شمال مشرق کی طرف فورڈ واہ کے کنارے ایک وسیع قبرستان عبدالہادی سید رسول کے نام سے مشہور ہے۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ حضرت قلندر شاہ کا مزار بھی یہیں ہے۔ یہ صاحب کرامت اور برگزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ ان کی اولاد لوٹہ قلندر شاہ اور فتح کوٹ میں رہائش رکھتی ہے اور نہایت خوشحال ہے۔ باشندگانِ علاقہ انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں[۲]۔

---

[۱] ذکر کرام صفحہ ۳۴ [۲] سید رفیق شاہ ایم اے ایل ایل بی اسی خاندان کے صاحب اقبال فرد ہیں۔

بہاولنگر کے نواح میں پیر سید شاہ۔ بودلہ پیر۔ظاہر پیر اور خواجہ غلام رسول طبغری کے مزارات ہیں جن کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں تاہم ان کے مرجع خلائق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

بہاولنگر کی تحصیل منچن آباد میں موضع کالوکا۔موضع لالہ ہرسنگھ۔ ہیبل خالصانہ بہاول گڑھ۔ جچوکا۔ موضع مونیاں دالا۔ چاویکا روڈ۔ موضع قاسم کا[1] اور غوث پور میں کافی بڑے بڑے قبرستان ہیں جنمیں بعض نامعلوم بزرگوں کی خانقاہیں بھی ہیں جن سے عوام نے اپنا رشتۂ عقیدت وابستہ کر رکھا ہے اور وہاں جاکر منتیں اور مُرادیں مانتے ہیں۔ان کے علاوہ ریلوے اسٹیشن منچن آباد سے چھ سات کوس کے فاصلے پر مغربی جانب پیر خالص ولی کی ایک خانقاہ ہے۔ ان بزرگ کے متعلق کہا جاتا[2] ہے کہ یہ حضرت بابا فریدالدین شکر گنج رح کے ہمعصر اور زبیت یافتہ تھے آپ کے ہی ارشاد کے مطابق انہوں نے یہاں اقامت اختیار کی تھی۔ بڑے عابد زاہد اور مرتاض بزرگوں میں سے تھے۔خلصانہ زمیندار جو اس علاقے میں آباد ہیں آپکی اولاد یا آپ کے عقیدتمندوں میں شمار ہوتے ہیں۔

ضلع بہاولنگر کی تحصیل چشتیاں میں شہر فرید ایک وسیع علاقے پر مشتمل ہے جس میں متعدد بستیاں ہیں۔ یہ علاقہ اسی نام سے مشہور ہے۔اس علاقے میں بھی متعدد اہل اللہ کی خانقاہیں ہیں بخشن خاں میں حضرت خواجہ پیر عبدالخالق رح کی خانقاہ زبردست مرجعیت کی حامل ہے۔آپ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی رح کے مرشد اور عم زاد بھائی تھے۔ماڑی شوق شاہ میں حضرت شوق الٰہی کی خانقاہ کافی شہرت کی مالک ہے۔ آپ حضرت جمال شاہ قادری ملتانی کے مرید تھے۔ مہاراجہ

---

[1] یہاں ایک بلوچ بزرگ پیر محمد کا مزار ہے۔ ان کے متعلق گزٹیئر میں لکھا ہے کہ جب شاہ شجاع افغانستان پر حملہ کرنے جا رہا تھا تو اس نے ان سے اپنی کامیابی کیلئے دعا کرائی تھی یعنی یہ بزرگ اس وقت زندہ تھے۔ آپ حضرت دائم کھرل کے مرید تھے جن کا مزار ساہیوال میں ہے۔ [2] ذکر کرام صفحہ ١٨

صورت سنگھ والئ بیکانیر آپ سے عقیدت رکھتا تھا۔[۱]

ان کے علاوہ شہر فرید میں حضرت شیخ بدرالدین[۲] چشتی کا مزار ہے۔

چشتیاں کے قریب خانقاہ محمد پناہ کے نام سے ایک ریلوے اسٹیشن ہے جو ٹوانہ قوم کے ایک بزرگ حضرت میاں محمد پناہ کے نام سے موسوم ہے۔ آپ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے ہمعصر اور صاحب ریاضت و مجاہدہ بزرگ تھے۔[۳] روسائے لڈن کو آپ سے بیحد عقیدت ہے۔ اس خاندان کے ایک رئیس غلام محمد خاں دولتانہ نے بیس ہزار روپے کی لاگت سے آپکی خانقاہ، مجلس خانہ اور مسجد تعمیر کرائی تھی۔

خزینۃ التاریخ میں آپکے متعلق یہ تحریر ملتی ہے۔

"حضرت غلام محمد پناہ ٹوانہ از قریہ مٹھا ٹوانہ دریں جا کہ مزار اقدس واقع

---

[۱] تاریخ راولپنڈی مصنفہ سید غلام مصطفےٰ شاہ گیلانی میں لکھا ہے کہ آپ سید چراغ شاہ قادری کے مرید تھے۔ جن کا مزار اسلام آباد میں اسمبلی ہال کے عقب میں ہے۔ سید چراغ شاہ حضرت امام عبداللطیف برّی قادری کے خلیفہ تھے ـــ دربار رقاری کیتھل شریف (حال مقیم ڈیرہ غازیخاں) کے سجادہ نشین جناب سید مقبول محی الدین گیلانی آپ کا اسم گرامی سید شوق علی شاہ بتاتے ہیں۔ انکی تحقیق کے مطابق آپ حضرت شاہ محمد بالا ماہ کے خلیفہ تھے اور کیتھل سے یہاں تشریف لائے تھے کیتھل دہلی (بھارت) سے ۱۲۴ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب ہے۔ اس کے مشرق میں تھانیسر کرنال اور پانی پت ہے۔ [۲] شہر فرید کی اساس آپ کے ہی دست مبارک سے رکھی گئی تھی۔ آپ نے اس شہر کو آباد کیا۔ یہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور شریعت و طریقت سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ آپ حضرت بابا فرید شکر گنجؒ کی ساتویں پشت میں سے تھے آپ کے ہاتھ پر بیشمار ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی تاریخ وصال ۲۱ ذوالحجہ ۱۰۱۷ھ ہے [۳] میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کسی علاقے کے با اثر اور با اقتدار زمیندار رہیں۔

[۴]۔ خزینۃ التاریخ (قلمی) مملوکہ مولوی اللہ بخش انصاری (جہانیاں منڈی) صفحہ [illegible]

است تشریف میفرمود۔ صاحب شریعت وعلو مرتبت بود۔ ہزارہا ہزار اشخاص از حضرت فیضیاب شد۔ در عہد نوجوانی شرف دست بیعت حضرت مخدوم پیر عبد اللہ صاحب بدایونی قادری حاصل کرد من بعد از حضرت قبلۂ عالم فیض حاصل فرمود۔ تاریخ وفات ۱۷ محرم الحرام ۱۲۰۱ھ است۔"

ضلع بہاولپور

ضلع بہاولپور کی حدود حاصل پور سے شروع ہو کر تحصیل احمد پور شرقیہ تک چلی گئی ہیں۔ ان حدود میں لیسے بیشمار قبرستان اور خانقاہیں ہیں جہاں بڑے بڑے صاحب فیض اور باکمال بزرگ آسودۂ خاک ہیں

حاصلپور ریلوے اسٹیشن کے جنوب میں ایک سفید قبہ والی خانقاہ دور سے نظر آتی ہے۔ صاحب خانقاہ پیر محمد شاہ زنگیلے تھے، قرب وجوار کے لوگ بڑی عقیدت سے آپکے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں۔ ہر سال ۱۸ جون کو باقاعدگی سے عرس ہوتا ہے جس میں سماع کی محفل بھی منعقد ہوتی ہے۔

خیرپور میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ مرجع خلائق خانقاہ حضرت خواجہ خدابخش علیہ الرحمۃ کی ہے۔ آپ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفۂ اعظم حضرت حافظ محمد جمال ملتانی کے مرید خاص اور اپنے علم وفضل اور نیکی وتقویٰ کی وجہ سے حضرت قبلۂ عالم کے بھی منظور نظر تھے۔

خیرپور اور اس کے نواح میں بعض دیگر بزرگوں کے مزارات بھی رجوع خلق کا مرکز ہیں۔ چنانچہ خیرپور کے شرقی جانب تین میل کے فاصلے پر مخدوم[1] سید غریب حسن شاہ

---

[1] مخدوم سید غریب حسن شاہ بخاری حضرت سید نور شاہ بخاری کے والد ماجد تھے جن کا مزار بہاولپور میں ہے۔ آپ کے ہی مزار کی وجہ سے بہاولپور کا قبرستان نور شاہ بخاری مشہور ہے۔

بخاری کا مزار ہے۔ یہ بڑے عابد زاہد اور صاحب تصرف بزرگ تھے۔ یہیں ایک وسیع قبرستان میں سادات ہمدانی کے مدفن ہیں۔ ہمدانی سادات میں سے جس بزرگ نے پہلے پہل خیرپور میں توطن اختیار کیا وہ سید ہاشم شاہ تھے جن کا سلسلۂ نسب مشہور روحانی پیشوا امیر کبیر سید علی ہمدانی سے ملتا ہے۔

خیرپور کے قریب چیلا داہن کی بستی بھی بزرگانِ کرام کا مسکن رہی ہے خاص طور پر حضرت قبلۂ عالمؒ کے مرید خاص حافظ غلام حسنؒ کے مسکن کی وجہ سے اس بستی کو بڑی شہرت حاصل رہی ہے۔ آپ نہایت نیک نفس اور عابد و زاہد تھے۔ قربتِ خاص کی وجہ سے آپ کی تدفین حضرت قبلۂ عالمؒ کی خانقاہ کے احاطہ میں ہوئی۔

خیرپور کے غربی جانب سرکاری بنگلے کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں مُلا جیون نامی ایک بزرگ کا مزار ہے۔ یہ حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے ہمعصر اور بڑے کامل بزرگوں میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب آپکا وصال ہوا تو حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ اور حضرت خواجہ خدا بخشؒ آپ کے پاس موجود تھے۔

قائم پور میں خانقاہ بدر دیوان کے نام سے ایک پرانی خانقاہ ہے جس کی سجادگی کا سلسلہ سادات قائم پور میں چلا آتا ہے یہیں مشہور صوفی شیخ چاولی[1] کی اولاد میں سے بھی بعض حضرات کے مزارات ہیں۔

قائم پور کے نزدیک شیخواہن کے نام کا ایک قصبہ ہے جو حضرت شیخ عبداللہ جہانیاں کے مزار مبارک کی وجہ سے مشہور ہے۔ شیخواہن میں خانقاہ لعل

---

[1] شیخ چاولی کا مزار بوریوالہ ضلع ملتان سے گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ شیخ چاولی خود لاولد تھے البتہ ان کے دوسرے رشتہ داروں کی اولاد ہے۔ ابوالعرفان حکیم عبدالرشید مرحوم کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ احمد غزالی حکیم صاحب مرحوم کے لائق اور ہونہار فرزند ہیں۔

شہباز کی بھی کافی شہرت ہے۔ یہ بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ؒ کے ہمعصر تھے۔

حاصلپور سے بہاولپور آتے ہوئے لعل سوہانرا نام کا ایک ریلوے اسٹیشن آتا ہے جو قریشی النسل ایک بزرگ حضرت لعل سوہانرا کے نام سے موسوم ہے۔ ان بزرگ کے متعلق ذکرکرام میں بہاولپور گزٹیئر کے حوالہ سے لکھا ہے[1]۔

آپ شیخ حاکم صاحب ؒ مبارک کے عزیزوں میں سے تھے اور خواجہ نور محمد مہاروی ؒ شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی ؒ کے خلیفہ تھے۔

یہ روایت خلاف عقل ہے۔ خواجہ نور محمد مہاروی ؒ اور شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی ؒ کے عہد میں پورے چھ سو سال کا فصل ہے۔ لہذا کوئی شخص بیک وقت ان دونوں بزرگوں سے کیسے خلافت حاصل کرسکتا ہے۔ البتہ شیخ حاکم ؒ سے عزیز داری کی روایت قرین قیاس ہے اگرچہ اس کے متعلق بھی کوئی تحقیقی ثبوت موجود نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ[2] حضرت لعل سوہانرا کو سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ آپ دوران سیاحت ٹھٹھ (سندھ) میں مقیم تھے کہ ہندو آپ کے درپے آزار ہوگئے اور انہوں نے حالت نماز میں آپکو شہید کردیا۔ آپ کے مرید آپ کی لاش وہاں سے اٹھا لائے پہلے جہاں آپ کا مزار بنایا گیا تھا وہ مقام گذشتہ صدی کے آخری سالوں میں دریا کی طغیانی کی وجہ سے غرقاب ہوگیا تھا۔ لہذا آپ کا تابوت وہاں سے نکال کر موجودہ مقام پر دفن کیا گیا۔ اس مزار پر سالانہ میلہ لگتا ہے اور گردو نواح کے لوگ کثیر تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔

---

[1] ذکرکرام صفحہ ١٥

[2] خزینۃ التاریخ (قلمی) مملوکہ جناب مولوی اللہ بخش انصاری جہانیاں منڈی۔ صفحہ ٤٠٩

شہر بہاولپور

بہاولپور شہر بھی بعض قدیم العہد قبرستانوں اور خانقاہوں کی وجہ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ان میں قبرستان ملوک شاہ اپنی وسعت و قدامت کی وجہ سے سب سے زیادہ اہم ہے۔ یہاں بانئ شہر بہاولپور نواب بہاول خاں عباسی اول اور کچھ دیگر روسا و شہزادگان کے مزارات کے علاوہ بیشمار علما و صلحا اور اصحاب باطن آسودۂ خاک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں بعض تابعین کی قبریں بھی ہیں۔ اس قبرستان میں ایک قدیم مسجد بھی موجود ہے جس میں حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے چلہ کشی فرمائی تھی۔ چنانچہ خزینۃ التاریخ میں یہ عبارت درج ہے [1]

"دریں جا یکے مسجد کہنہ است دراں مسجد شریف حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر و حضرت مخدوم غوث بہاوالحق ذکریا ملتانی و حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت و دیگر اولیائے عظام مجاہدہ و چلہ کشی می کردند و عظیم فوائد روحانیہ یافتند۔"

حضرت ملوک شاہ [2] بھی جن کے نام سے اس قبرستان کو شہرت

---

[1] خزینۃ التاریخ قلمی۔ صفحہ ۱۱۴

[2] حضرت ملوک شاہ سلسلۂ قادریہ کے نامور بزرگ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپکے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سید ناصرالدین ثانی تھا آپکی ولادت باسعادت دہلی میں ہوئی مدرسہ نظامیہ دہلی میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ مخدوم عبداللہ شاہ قادری کرمانیؒ کے دست مبارک پر شرف بیعت حاصل کیا اور انہی سے خرقۂ خلافت لیا۔ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے مہار شریف میں حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے پاس پہنچے اور دو سال ان کے ہاں مقیم رہے۔ وہاں سے آپ موجودہ گورستان (ملوک شاہ)

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

شہرت حاصل ہوئی یہیں مدفون ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ الاسلام قاضی محمود الدین[۳]، سید غلام محی الدین شاہ گیلانی[۴]، مولوی جمیل الدین، مولوی غلام رسول چینڑ، مولوی شمس الدین[۵] علوی، مولوی محمد اعظم قریشی، مولوی[۶] محمد صادق اور مولوی عبید اللہ[۷] کی آخری آرام گاہ بھی یہیں ہے۔

ہیں جہاں آپ کو نورانیت اور تجلیات ربانی کی جھلک دکھائی دی مستقل استقامت اختیار کی یہاں ایک گھنے درخت کے نیچے آپ کا ڈیرہ تھا جہاں ہر وقت ذکر الہٰی میں مشغول رہتے تھے۔ آخر عمر میں آپ پر ذوق و مستی اور جذب کا عالم طاری ہو گیا حضرت قبلۂ عالم اور حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی سے آپ کے روابط اور تعلقات مودت ہمیشہ قائم رہے۔ آپ کا وصال ۱۷ رجب المرجب ۱۱۶۴ھ میں ہوا (خزینۃ التاریخ صفحہ) نواب محمد بہاول خاں عباسی اول آپ کے معتقدوں میں شامل تھے اور اکثر آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ (ذکر کرام صفحہ ۵۶)

مشہور ہے کہ شہر بہاولپور کی آبادی کے لئے نواب صاحب نے آپ سے دعا کرائی تھی اور یہ آپ کی دعاؤں کا ہی اثر ہے کہ اس شہر کی آبادی اور رونق بڑھتی ہی جاتی ہے۔

دربار قادری مصنفہ محمود علی مائل کرنالی میں آپ کو محمد علی شاہ زندولی نبیرہ حضرت شاہ سکندری قادری کا خلیفہ بتایا ہے۔ اس کتاب میں آپ کا نام بھی حضرت ملوک شاہ غازی درج ہے (دربار قادری صفحہ ۲۹۳)

(۳) آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے استاد تھے۔ ۱۷ ربیع الثانی ۷۷۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

[۴] آپ کے والد ماجد مخدوم سید ناصر الدین شاہ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ہرات سے اچ شریف لائے تھے۔ وہیں آپ نے وفات پائی۔ مخدوم سید غلام محی الدین شاہ نے مدرسہ بخاریہ میں تعلیم حاصل کی۔ اپنے والد سے سلسلہ اربعہ یعنی چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ میں خلافت و اجازت بیعت حاصل کی اور گورستان ملوک شاہ کی ملحقہ بستی مسیناں میں اقامت گزیں ہو گئے اور یہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ کی بہت سی کرامات میں سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

ملوک شاہ کے بعد بہاولپور کا دوسرا بڑا قبرستان نور شاہ بخاری ہے۔ جو حضرت مخدوم نور شاہ بخاری کی خانقاہ کی وجہ سے اس نام سے شہرت رکھتا ہے۔ یہ قبرستان شہر کے مغربی جانب ملتان روڈ کے ساتھ کافی دُور تک چلا گیا ہے شہر کے جنازے زیادہ تر اسی قبرستان میں لائے جاتے ہیں۔

مخدوم سید نور شاہ بخاریؒ صاحب کشف و کرامت اور علامۂ دہر تھے ہفتے کے ہفتے ملا بخش کی مسجد میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ شاہجہاں کے عہد میں اوچ سے بہاولپور تشریف لائے۔ یہاں آپ نے ایک مسجد اور مدرسہ کی بنا ڈالی۔ آپ کے درس سے شہر اور مضافات کے بیشمار لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ شرع کی پابندی میں شدّت کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب آپ وعظ فرماتے تو ایک ننگی تلوار ہاتھ میں رہتی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ کفّار کے ساتھ جہاد لازمی ہے آپ نے رمضان المبارک میں ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

ملتانی دروازے کے باہر بجانب موری دروازہ ایک اور گنجان قبرستان ہے جس میں پیر حامدؒ کی خانقاہ ہے۔ اسی خانقاہ کے نام پر یہ قبرستان مشہور ہے کہتے ہیں کہ پیر حامد حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے خلفا میں سے تھے

ایک کرامت یہ مشہور ہے کہ جو شخص تین روز تک مسلسل آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا اسکو حضور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل ہو جاتی تھی۔ آپ کا وصال ۱۷ جمادی الاول ۱۰۲۷ھ میں ہوا۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار صفحہ ۶۷ و مفتاح التاریخ (قلمی) صفحہ ۴۱

۵ بہاولپور کے قاضی القضاۃ تھے۔ ۶ صاحب باطن اور پرہیزگار علما میں سے تھے۔ آپ کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا۔ ۷ بہاولپور کے جج تھے۔ ۸ تاریخ جوہر عباسیہ کے مصنف تھے۔ ۹ دور آخر کی علمی شخصیتوں میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور کے روح رواں تھے۔ ناظم امور مذہبیہ کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ بہاولپور میں جامعہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تو اسکی نصاب کمیٹی کے رکن اور مشیران خاص میں شامل رہے۔ اردو اکیڈمی بہاولپور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ریاست جیسلمیر سے آپ کا تعلق تھا۔ کافی دن مہار شریف میں حضرت قبلہ عالم کی خدمت میں رہے۔ آپ قبلۂ عالم کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھنے پیدل مہار شریف سے پاکپتن جایا کرتے تھے اور عصر کی نماز سے قبل واپس مہار شریف پہنچ جایا کرتے تھے۔ آپ عمر بھر مجرد رہے۔ ۱۲ ربیع ۱۲۱۷ھ کو انتقال فرمایا۔

بہاولپور شہر کے جنوب میں میڈیکل کالونی کو جانے والی سڑک کے سرے پر ایک خانقاہ واقع ہے۔ صاحب خانقاہ لغوچی والے پیر کے نام سے مشہور ہیں۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہاں پہلے ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس میں آپ نے رہائش اختیار کی تھی، چنانچہ اسی رعایت سے آپ "لغوچی والے پیر" مشہور ہو گئے۔

لغوچی والے پیر جن کا نام سید محمد شاہ تھا سوات کے رہنے والے تھے اوائل عمر میں فوج میں ملازم رہے تھے۔ اس کے بعد طبیعت دنیا سے اچاٹ ہو گئی اور تلاش حق میں سرگرداں رہنے لگے۔ اسی دوران آپ بہاولپور پہنچے اور باغیچے کے موجودہ مقام کو اپنے مناسب حال پا کر یہاں اقامت گزیں ہو گئے۔ یہ بات چودھویں صدی ہجری کے اوائل کی ہے۔ اس زمانے میں شہر نہایت محدود تھا۔ آبادی ابھی باہر کی طرف نہیں پھیلی تھی۔ اسی وجہ سے یہ جگہ آپکو ریاضت و عبادت کیلئے موزوں معلوم ہوئی۔ یہاں آپ کا سارا وقت یاد الٰہی میں گذرتا۔ دنیا اور اہل دنیا سے قطعی بے تعلق اور طمع و حرص سے بالکل بے نیاز تھے آپکی عزلت پسندی اور محویت مشاغل کا یہ عالم تھا کہ تقریباً چالیس سال اس

(بقیہ حاشیہ) کے بھی اعزازی رکن تھے۔ آپکا انتقال یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء میں ہوا۔ [۲] بے انتہا مرنجاں مرنج، صاف باطن اور بے ریو دریا بزرگ تھے، جامعہ عباسیہ بہاولپور کے نائب شیخ الجامعہ اور شیخ الفقہ کے عہدوں پر متمکن رہے۔ آپکا انتقال ۱۳ شوال ۱۳۸۶ھ میں ہوا۔

---

[۱] ذکر کرام صفحہ ۶۴ و خزینۃ التاریخ (قلمی) صفحہ ۱۹۴ [۲] ذکر کرام صفحہ ۶۳ و خزینۃ التاریخ (قلمی) صفحہ ۱۹۴

[۳] ذکر کرام صفحہ ۵۵۔

باغیچے میں رہنے کے باوجود آپ نے اندرونِ شہر کا کبھی رُخ نہیں کیا۔ تاہم جب آپ کے زہد و اتقا کا حال یہاں کے لوگوں کو معلوم ہوا تو عقیدت مندوں کا ایک حلقہ قائم ہو گیا۔ شیخ حسین بخش مرحوم ناظم ریاست بہاولپور بھی آپ کے عقیدت مندوں میں شامل تھے۔ موجودہ خانقاہ آپ نے ہی تعمیر کرائی تھی۔ ذوالحجہ کے مہینے میں آپ کا عرس ہوتا ہے جس کا اہتمام شیخ صاحب مرحوم کے افرادِ خاندان کے سپرد ہے۔ سید محمد شاہ لغوچی والے پیر کا سلسلۂ طریقت خانوادہ نقشبندیہ سے منسلک تھا۔ آپ کے عرس پر ختم قرآن کے علاوہ نعت خوانی کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ شرکائے عرس میں کھانا تقسیم ہوتا ہے۔

بہاولپور کا محلہ گنج شریف سادات حسنی و حسینی کا مسکن و مدفن ہونے کی وجہ سے خاصی شہرت رکھتا ہے۔ یہاں پہلے پہل حضرت مخدوم سید نور اللہ شاہ قادریؒ جو قطب الاقطاب حضرت ابو محمد شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اٹھارھویں پشت میں سے تھے تیمور شاہ خراسانی کے عہد میں داغدار (خراسان) سے آکر آباد ہوئے تھے۔ آپ کے متعلق حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار میں لکھا ہے[۲]

"نقل است کہ حضرت نور اللہ شاہ در تجرید و تفرید فرید العصر
و در زہد و تقویٰ وحید الدہر در خوارق و کرامات بحرے بود کہ
از تحریر قلم و زمان زاید۔"

---

[۱] شیخ صاحب ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ آپ کا خاندان کافی عرصہ سے سابق ریاست بہاولپور میں آباد ہے اور جلیل القدر عہدوں پر فائز رہا ہے۔ شیخ احمد حسن بیرسٹر آپ ہی کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے صاحبزادوں میں بریگیڈیر صفدر اور میجر آصف قابلِ ذکر ہیں آج کل حضرت لغوچی والے پیر کے عرس کا انتظام موخر الذکر کے ذمہ ہے۔

[۲] حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (مطبوعہ ملتان) صفحہ ۶۴

آپ کا سلسلۂ ارادت حضرت مخدوم سید حامد گنج بخش گیلانی قادری اوچیؒ کے دامن سے وابستہ تھا۔ آپ نے بہاولپور، ملتان، ڈیرہ غازی خاں اور دیگر قرب و جوار کے علاقوں میں قابلِ قدر دینی و روحانی خدمات انجام دیں۔ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد آپ کے دستِ حق پرست پر نعمتِ اسلام سے مشرف ہوئی۔ آپ میوہ جات کی تجارت کرتے تھے اور ساتھ ساتھ تبلیغ اسلام کا شغل بھی جاری تھا۔ آپ ہر سال بہاولپور، ملتان اور ڈیرہ غازی خاں اسی تجارت کے سلسلے میں آیا کرتے تھے۔ بہاولپور کے دورانِ قیام آپکی بعض خوارق عادات کی شہرت ہوئی تو نواب بہاولپور بھی آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے اور آپ سے بہاولپور میں مستقل قیام کرنے کی استدعا کی۔ بعد میں یہ محلہ جس میں آپ نے قیام فرمایا تھا نواب صاحب نے شاہ صاحب کے خاندان کے نام وقف کر دیا۔

محلہ گنج کے نام کے محلے ملتان اور ڈیرہ غازیخاں میں بھی ہیں۔ دراصل آپ کا دستور تھا کہ جس جگہ قیام فرماتے اسے گنج سادات کے نام سے موسوم کر دیا کرتے تھے۔ آپ کا وصال ۶ ذوالحجہ ۱۲۱۶ھ کو اپنے وطن میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے البتہ آپکے صاحبزادے مخدوم سید شمس الدینؒ کا مزار اسی محلے میں ہے۔ آپ اپنے والد گرامی کے ہمراہ دانغد سے بہاولپور تشریف لائے تھے۔ ہمعصر علماء میں آپ کا مقام منفرد تھا۔ آپ سے خوارق عادات بھی بہت مشہور تھیں، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ بہاولپور سے ڈیرہ غازیخاں تشریف لے گئے۔ جب آپ حضرت مخدوم سید منھوال شاہ کے مزار کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہاں کے ایک ملحقہ محلے میں ایک لوہار لوہا گرم کر کے ہتھوڑے کی ضرب کے ساتھ ساتھ اللہ اللہ کی ضرب لگا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر آپنے بھی ذکر بالجہر شروع کر دیا۔ اس ذکر کا ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ سارا محلہ اللہ اللہ کی صداؤں سے گونج اٹھا اور لوگ جوق در جوق آ کر آپ سے بیعت ہونے لگے۔

حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار میں درج ہے۔[1]

"صدہا مردم بہ تلقین و تعلیم آں حضرت از چاہ ضلالت براہ راست آمدند ـــــ نقل است کہ اول مرتبہ حضرت سید شمس الدین ابن سید نور اللہ کہ مردے کامل و اکمل در کمالات یگانۂ روزگار بودند"

ذکر کرام میں آپکی تاریخ وفات ۲۸ ذیقعد ۱۲۱۲ھ درج ہے جبکہ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار میں بتاریخ بیست ہشتم ماہ ذیقعد بسال دوازدہ سالم سال دورے صد سیزدہم (۲۹ ذیقعد ۱۲۰۰ھ) لکھی ہے۔ یعنی اپنے والد گرامی کے حین حیات میں آپ فوت ہوئے۔ مخدوم شمس الدین کے فرزند سید امام الدین شاہ بھی اپنے والد کی زندگی میں ہی فوت ہوئے تھے۔

مخدوم سید نور اللہ شاہ کے ایک اور فرزند سید جلال الدین شاہ بھی صاحب رشد و ہدایت تھے، آپ کا مزار بھی محلہ گنج میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ حضرت سید نور اللہ شاہ کے دیگر فرزند حضرت سید کمال الدین اور دوسرے اہل خاندان کے مزارات ڈیرہ غازیخاں میں ہیں۔

متفرق مزارات

متذکرہ مزارات کے علاوہ شہر بہاولپور اور اس کے نواح میں کئی اور ایسے مزارات بھی ہیں جن کے متعلق اگرچہ تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن کسی نہ کسی نوع سے انہیں مرجعیت عوام کا فخر حاصل ہے۔ انہیں میں ایک مزار بستی حماتیاں کے قریب ظاہر پیر کا ہے جہاں باقاعدگی سے میلہ لگتا ہے اور قرب و جوار سے کافی تعداد میں لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں۔ اس میلے

---

[1] حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار صفحہ ۶۵۔

کی ایک خصوصیت اونٹوں کی کشتی ہے جس کا اس موقع پر بڑا اہتمام کیا جاتا ہے
کہتے ہیں کہ اس بستی کے رہنے والے ایک شخص اللہ بخش کو اس مزار کا حال
خواب میں معلوم ہوا جس نے بعد میں زمین کھود کر اسے ظاہر کیا۔ اس وجہ سے
صاحب مزار ظاہر پیر کے نام سے مشہور ہوئے۔

ظاہر پیر کے نام کا ایک مزار محلہ عام خاص میں بھی ہے۔ اس کے متعلق ذکر
کرام میں درج ہے[1]

"یہاں سے ایک ہندو شیر فروش کھیماں نامی اکثر دودھ لیکر اپنی
دوکان پر جایا کرتا تھا۔ ایک رات جب وہ دودھ لیکر وہاں سے گذرا
تو حسب تقاضا اس غیر آباد مقام پر بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔ اس حرکت
کے بعد اس پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ گونگا ہو گیا اور دودھ بھی وہیں
گر گیا۔ بمشکل گھر پہنچا۔ اس کے بعد اس نے مزار کو پختہ بنوایا
اور اس پر چراغ روشن کرنے کا اہتمام کیا۔"

محلہ عام خاص میں ہی بوہڑ دروازہ کے اندر فقیر اللہ شاہ بخاری نام کے
کسی بزرگ کا مزار ہے۔ محرم الحرام کے دنوں میں اس مزار پر عزاداری کا خاص
اہتمام ہوتا ہے۔ یہاں سے تعزیہ بھی نکلتا ہے۔ اس مزار کے پاس ہی موسیٰ ٹھٹھار
مجذوب کی قبر ہے۔

محلہ خلیل خاں میں ایک کارخانہ کی مشہور عمارت ہے جس میں سید چمن شاہ
نامی کسی بزرگ کا مزار ہے کہتے ہیں کہ عنفوانِ شباب میں آپ ریشم بافی کا کام
کرتے تھے۔ انہی دنوں کسی عورت کے عشق کا جادو آپ پر چل گیا اور آپ گھربار
اور کاروبار ترک کرکے فنا فی العشق ہو گئے۔ تمام عمر کیف و مستی کا عالم طاری رہا۔
۲۳ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ کو انتقال ہوا۔ اہلِ محلہ اکثر جمعرات کے جمعرات یہاں
آکر خیرات کرتے ہیں۔

---

[1] ذکر کرام صفحہ ۵۴

موری دروازے میں محلہ حکیم رحیم بخش کے پاس مولوی عبداللہ جامی کا مزار ہے۔ آپ گذشتہ صدی کے جید علماء میں سے تھے۔ فقہ کی مشہور عربی کتاب قدوری کی شرح آپنے لکھی تھی جو عام فہم ہونے کی وجہ سے بڑی مقبول ہے۔ آپ نہایت پاکباز اور پابند اسوۂ حسنہ تھے۔ آپکو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ آپکی اولاد میں مولوی عاشق محمد، مولوی شاکر محمد اور مولوی صادق محمد اپنی تبحر علمی کی وجہ سے بہاولپور کیلئے سرمایۂ افتخار رہے ہیں۔

ملتانی دروازہ کے باہر سڑک کے کنارے مخدوم احمد شاہ گیلانی کا قبرستان ہے۔ آپکی اولاد میں سید محمد نواز شاہ جج ریاست اور دیگر لواحقین کے مزارات بھی اس قبرستان میں ہیں۔ مزارات پر ختم و فاتحہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

فرید گیٹ کے باہر گورنمنٹ ٹیکنیکل ہائی اسکول کے قریب گلن لوہار نامی کسی مجذوب کا مزار ہے کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ گلیم بردوش رہتے تھے سڑک پر بازار میں چکر لگا کر خیرات جمع کرتے تھے اور پھر اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے خوش عقیدہ لوگ جمعرات کو یہاں جمع ہوتے ہیں اور سماع کی محفل بھی برپا کرتے ہیں۔

شہر کے علاوہ مضافات میں بھی بعض مزارات عوام کی توجہ کا مرکز ہیں اور ان پر مختلف مہینوں میں میلے لگتے ہیں، مثلاً موضع گڈن میں غریب شاہ موضع سہلاں میں صابو شہید موضع چکلہ میں کھگا صاحب سیف پور میں مرزا محمد مسلم، موضع داؤد پوتہ میں چھتن لعل اور ڈیرہ بکھا میں سبیل شاہ کے مزارات ہیں جہاں تیل بتی اور خیرات کا انتظام علاقے کے لوگوں کی طرف سے ہے۔

بہاولپور شہر کے غربی جانب تقریباً نصف میل کے فاصلے پر دیوان کی بستی ہے۔ اس بستی میں ایک مزار چار دیواری کے اندر ہے جو خاصا مرجع خلائق ہے۔

صاحب مزار رکن پیر کے نام سے مشہور ہیں بستی کی عورتیں اس مزار سے خاص عقیدت رکھتی ہیں اور یہاں چڑھاوے چڑھاتی ہیں۔

تحصیل بہاولپور کے موضع گوٹھ مہرو میں جو سمہ سٹہ کے قریب ہے ایک خانقاہ پیر روشن شاہ کے نام سے مشہور ہے اس مزار پر سالانہ عرس ہوتا ہے اور لوگ عقیدت و احترام سے اس میں شرکت کرتے ہیں۔

سمہ سٹہ کے ہی قریب بہلی راجن کے نام کی بستی میں ایک وسیع قبرستان ہے جس میں خاندانِ سادات کے بعض بزرگوں کی قبریں ہیں جن سے اس بستی کے لوگوں کو بڑی عقیدت ہے۔

بہاولپور سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ڈیرہ نواب روڈ سے متصل حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی علیہ الرحمۃ کی خانقاہ ہے۔ اس خانقاہ مبارک کی وجہ سے بستی کا نام بھی خانقاہ مبارک پڑ گیا ہے۔ یہاں حضرت سیرانی صاحب کے مزار مبارک کے علاوہ ان کے متعلقین اور بعض دیگر اہلِ خاندان کے مزارات بھی ھیں۔

احمد پور شرقیہ

یہ بہاولپور کا تاریخی شہر ہے۔ نوابانِ ریاست کے مسکن کی وجہ سے یہاں مختلف اوقات میں اہلِ کمال کی بود و باش رہی ہے اہل اللہ میں جن بزرگوں کے مسکن و مدفن ہونے کا شرف اس شہر کو حاصل ہے ان میں پیر مخدوم آخر بہاؤالدین قریشی، حضرت خواجہ حکیم گل محمد چشتی اور حضرت نور شاہ بخاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مخدوم آخر بہاؤالدین قریشی حضرت شیخ بہاوالدین ذکریا ملتانی ؒ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت خواجہ حکیم گل محمد چشتی حضرت خواجہ عاقل محمد کے خلفاء میں سے تھے اور حضرت نور شاہ بخاری حضرت سید جلال بخاری اوچیؒ کی اولاد میں سے

تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید باغ شاہ تھا۔ نواب بہاول خاں کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ چولستان میں آپکی مریدی کا سلسلہ کافی وسیع تھا۔

چولستان (چنن پیر)

شہروں اور قصبات کے علاوہ بہاولپور کا لق و دق صحرا بھی جو چولستان کے نام سے مشہور ہے صاحب باطن اور اہلِ حق کے فیوض و برکات سے خالی نہیں رہا۔ چنانچہ بہاولپور سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر ریت کے ٹیلوں کے درمیان چار دیواری سے ڈھکا ہوا ایک ٹیلہ نمایاں دکھائی دیتا ہے جو چولستانیوں کے لفظوں میں "ڈیل پیر" کا مزار ہے۔ یہ "ڈیل پیر" چنن پیر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔

کہتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں حضرت مخدوم جلال الدین سرخ بخاریؒ کا گذر جیسلمیر کے علاقے سے ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی مسلمان بھی رہتا ہے؟ اس سوال کا جواب نفی میں ملا۔ لیکن ساتھ ہی جب آپ کے علم میں یہ آیا کہ راجہ کے ہاں بچے کی ولادت ہونے والی ہے تو آپ نے پیشین گوئی کی کہ وہ بچہ مسلمان ہو گا۔ حضرت مخدوم کی پیشین گوئی کی خبر راجہ تک بھی پہنچ گئی۔ چنانچہ جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس نے اس پیشین گوئی کے سچ ہونے کے ڈر سے اپنے نوزائیدہ بچے کو ریگستان میں پھنکوانے کا فیصلہ کیا۔ رانی کی مامتا اگرچہ راجہ کے ارادے کی راہ میں مزاحم نہ ہو سکی تاہم اسکی خواہش پر چندن (صندل) کی لکڑی کا پنگوڑہ بنوایا گیا اور اس میں اس بچے کو لٹا کر ریگستان کے ایک ٹیلے پر رکھوا دیا گیا۔ راجہ کا خیال تھا کہ اس طرح بچہ دو ایک روز میں خود بخود مر جائیگا اور وہ اس کے مسلمان ہونے کی تہمت سے بچ جائے گا۔ لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا۔ بچہ اس پنگوڑے میں زندہ رہا اور غیبی طور پر اس کی پرورش کا انتظام ہو گیا۔

یہ بچہ بڑا ہو کر حضرت مخدوم جلال الدین سُرخ بخاریؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوا اور تاحیات اسی مقام پر اپنے روحانی فیوض و برکات کے ساتھ مقیم رہا۔ آس پاس کے کافی لوگ چنن پیر کی روحانی تعلیمات کی بدولت مشرف بہ اسلام ہوئے۔

چنن پیر کے متعلق ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ راجہ نے جس کا نام رائے سد ہیرن تھا اپنی حاملہ بیوی کے ہمراہ اس ٹیلے پر قیام کیا اور جب بچہ پیدا ہوا تو اسے صندل کے ایک گھوارہ میں ڈال کر یہاں چھوڑ آئے۔ چند دن بعد بچے کے متعلق دریافت حالات کے لئے کچھ لوگوں کو ریگستان میں بھیجا تو اُسے یہ جان کر سخت غصہ آیا کہ بچہ ہنوز زندہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ جا کر بچے کا کام تمام کر آئیں۔ سپاہی اس ارادے سے وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پنگوڑہ خود بخود زمین میں دھنس کر نظروں سے غائب ہو گیا ہے کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ریگستانی علاقے کے مسلمان باشندوں نے اس مقام پر قبر کا نشان بنا دیا تھا۔ چنانچہ آج مٹی کے ڈھیر کی شکل میں جو ٹیلہ نظر آتا ہے وہ اسی بچے کا مزار ہے جسے لوگ چندن کی لکڑی کے پنگوڑے کی رعایت سے چنن پیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مارچ کے مہینے میں یہاں ایک بڑا بھاری میلہ لگتا ہے۔ دُور دُور سے لوگ اس میں شرکت کے لئے آتے ہیں اور چنن پیر کے مزار پر آ کر منتیں مانتے ہیں شادی بیاہ کی منتوں اور بچوں کی حفاظت کیلئے یہ مزار بہت مشہور ہے مارچ کے مہینے کی ہر جمعرات کو لوگ قافلے بنا کر اس مقام پر پہنچتے ہیں۔ بنے سجے اونٹوں کی قطاریں چولستان کے اس مقام کی جانب رواں دواں نظر آتی ہیں۔ ان دنوں میں یہ ویران و غیر آباد جگہ صحیح معنی میں جنگل میں منگل کا سماں پیش کرتی ہے۔

اوچ شریف[1]

برصغیر پاک و ہند میں علم و عرفان کا یہ سب

[1] مفصل حالات کے لئے راقم الحروف کی کتاب "خطہ پاک اوچ" ملاحظہ ہو۔

سے قدیم مرکز ہے۔ احمد پور شرقیہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر پنجند کے مغربی ساحل کے ساتھ آباد اس قدیم العہد بستی نے تاریخ کے بڑے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں، پانچویں صدی ہجری سے یہاں اسلام کی برگزیدہ ہستیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت صفی الدین گازرونی پہلے مرد حق آگاہ ہیں جنہوں نے اس سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور اس جگہ باقاعدہ تبلیغ و اشاعت اسلام کا آغاز کیا۔ اوچ ہیں انکی آمد دوسرے بزرگان دین اور علمائے کرام کی آمد کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور مشہور علمی شخصیتوں کو یہاں کی علمی و دینی سرگرمیوں نے اپنی طرف کھینچا۔ چنانچہ مدت مدید تک یہ خطہ پاک علم دین اور معرفت کا گہوارہ رہا اور بڑے بڑے جلیل القدر بزرگ یہاں سکونت پذیر بھی رہے اور انکی آخری آرامگاہ بھی یہی سرزمین بنی۔

اس خطہ کے متعلق یہ بات مشہور رہے کہ یہاں سوا لاکھ بزرگوں کے مزارات ہیں۔ صحیح النسب سادات حسنی و حسینی کا مولد و مدفن ہونے کی وجہ سے اسے خصوصی تقدس حاصل رہا ہے۔ خانوادۂ سہروردیہ بخاریہ و خانوادۂ قادریہ گیلانیہ کے عظیم المرتبت بزرگوں کی خانقاہوں کے علاوہ بعض دوسری اہم تاریخی و علمی شخصیتوں کے بھی یہاں مزارات ہیں۔ منجملہ دیگر بزرگوں کے ان میں علی بن حامد بن ابی بکر کوفی مؤلف چچ نامہ، علامہ قاضی[1]۔ بہاؤ الدین (بہاول حلیم)[2] سید علاؤ الدین ابو عبداللہ بن سعد بن اشرف دہلوی مرتب جامع العلوم[3]۔ ابو حنیفہ[4] شیخ رضی الدین گنج علم۔ گامن شہید، پیر شتیاں اور جہانگیر سرمست کے مزارات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

[1] حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے استاد تھے۔ [2] حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے ملفوظات کا مجموعہ ہے [3] یہ بھکر میں قاضی شہر تھے۔ [4] شیخ جمال الدین خنداں رو کے بیٹے اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح کے استاد تھے علم و فضل میں غیر معمولی دستگاہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

فقیروں کے اس جنگل میں بعض بزرگوں کے مزارات اس طرح گڈ مڈ ہو گئے ہیں کہ ان کی صحیح صحیح نشاندہی کرنی آسان نہیں رہی، تاہم مقبرہ بہاول حلیم اور مقبرہ بی بی[۷] جیوندی کے گنبد اب بھی نمایاں طور پر ایستادہ ہیں۔ یہ مقبرے جو حسنِ صناعت کا بہترین نمونہ تھے دریا کی طغیانی کی نذر ہو چکے ہیں۔ البتہ ان کے باقیات اب بھی جذب و کشش کا خاص سامان رکھتے ہیں۔

ان مقابر کے علاوہ حضرت صفی الدین گازرونیؒ، حضرت مخدوم جلال الدین سرخ بخاریؒ، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ حضرت مخدوم راجن قتالؒ، حضرت شیخ بندگی محمد غوثؒ، حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ اور ان کے سجادہ نشینوں کے مزارات محفوظ و مامون بھی ہیں اور مرجع خلائق بھی۔

ضلع رحیم یار خاں

اضلاع بہاولنگر اور بہاولپور کی طرح ضلع رحیم یار خاں بھی اولیائے صلحا کی آماجگاہ رہا ہے۔ اس علاقے میں ابتدائے ظہور اسلام سے ہی بزرگانِ دین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری سے آٹھویں

رکھتے تھے جس کی وجہ سے گنج علم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ [۶] ڈیرہ غازیخاں کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑے ظریف الطبع تھے اور اپنی حق گوئی کی وجہ سے گالمن سچار کے نام سے شہرت پائی۔ [۵] اصل نام شیخ صالح محمد تھا۔ اپنی صلح کل طبیعت کی وجہ سے پیر میاں کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت سید جلال سرخ بخاری کے خلفا میں سے تھے۔ [۵] حضرت مخدوم جلال سرخ بخاریؒ کے آستانہ عالیہ سے منسلک تھے۔ ان کا مزار ایک تکیہ کی صورت میں ہے جو مجاذیب کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔

[۷] ان کا اصل نام بی بی جندوڈی تھا۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی اولاد میں سے تھیں۔ بڑی مستجاب الدعوات تھیں خراساں کے بادشاہ محمد دلشاد نے ۹۰۰ھ میں ان کا مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔

صدی ہجری تک یہاں بالخصوص ایسے باکمال اور صاحبِ باطن بزرگوں کی آمد کا پتہ چلتا ہے جن کی ذات سے اس علاقے میں اسلام کو کافی فروغ ہوا ۔ چنانچہ سید ابوالخیر احمد بلوری جو حسینی سادات میں سے تھے چوتھی صدی ہجری میں مشہد سے سندھ میں آئے اور پھر وہاں سے جن پور میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اس زمانے میں اس قصبے کا نام حیدر پور تھا ۔ یہ قصبہ دریا برد ہوگیا تو آپ نے جنت پور کے نام سے اس قصبے کو دوبارہ آباد کیا ۔ جنت پور بعد میں جن پور ہوگیا ۔

سید ابوالخیر احمد بلوری بڑی روحانی طاقت کے مالک تھے ۔ بےشمار ہندوؤں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ۔ اس خاندان کو اس علاقے میں نسلاً بعد نسلاً بڑی عزت و توقیر حاصل رہی ہے ۔ جن پور کے قریب دجوار میں اس خاندان کے افراد کے مزارات آج بھی عوام کی توجہ کا مرکز ہیں ۔

چھٹی صدی ہجری میں ایک اور بلوری بزرگ جن کا نام پیر احمد شاہ تھا تحصیل رحیم یار خاں کے قصبہ امین گڑھ میں آئے اور یہاں اپنی تبلیغ سے نہ صرف عوام الناس بلکہ علاقے کے راجہ کو بھی مسلمان کیا ۔ امین گڑھ میں آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے ۔ سالانہ عرس بھی ہوتا ہے ۔

مین ریلوے لائن پر خانپور کے قریب جیٹھہ بھٹہ نام کا ایک ریلوے اسٹیشن ہے ۔ اب تو یہ اسٹیشن شوگر مل کی وجہ سے بھی خاصا مشہور ہوگیا ہے ۔ پہلے اس کی شہرت کا باعث ایک مقبرہ تھا جس میں تین سگے بھائی دفن تھے ۔ ان کے نام جیٹھہ، بھٹہ اور غلام محی الدین تھے ۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی غریب عورت نے ان سے فریاد کی کہ ڈاکو اس کا مال لوٹ کر لے گئے ہیں ۔ اس کی مدد کریں ۔ تینوں بھائیوں نے ڈاکوؤں کا تعاقب کیا ۔ ڈاکوؤں سے مقابلہ ہوا تینوں بھائی اس مقابلے میں شہید ہوگئے ۔

کہا جاتا ہے کہ یہ شیخ شمرا کی اولاد میں سے تھے اور انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا زمانہ پایا تھا ۔

لہ ذکر کرام صفحہ ۹۵

جیٹھہ بھٹہ اور غلام محی الدین کے بعد ان کے بڑے بھائی پیر ٹھڑا صاحب سجادہ ہوئے۔ ان کی خانقاہ بھی خانپور شہر کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔ خانقاہ کے قریب چھوٹے چھوٹے چند مینار بنے ہوئے ہیں جو شہدا کی یادگار ہیں۔ چیت کے مہینے کے پہلے منگل اتوار یہاں میلے کیلئے وقف ہیں جس میں لوگ بڑی عقیدت سے شرکت کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس دور کے بزرگوں کے مفصل حالات کہیں نہیں ملتے در اصل یہ دور یہاں قرامطہ کے عروج کا تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی کسی قابلِ ذکر شخصیت کو نہ پنپنے دیا اور نہ کسی پرانے بزرگ کے کارناموں کی کوئی یادگار باقی چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس عہد کے کچھ بزرگوں کے نام و مقام کا پتہ چلتا ہے بھی تو ان کے حالاتِ زندگی تشنۂ معلومات ہی رہتے ہیں۔

قصبہ سنجرپور (ضلع رحیم یار خاں) سے ایک میل کے فاصلے پر جنوب مشرق کی طرف وسیع قبرستان ہے جس میں ایک مسقف خانقاہ ہے۔ یہاں حاجی محمد عراقی نام کے ایک بزرگ محوِ خواب استراحت ہیں۔ ان کا نام محمد شاہ تھا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے چچا زاد یا خالہ زاد بھائی تھے۔ آپ بڑے پایہ کے عالم اور شاعر بھی تھے۔ یہاں کفار آپ کے درپئے آزار ہوئے۔ بالآخر ان سے جنگ آزما ہو کر شہید ہوگئے۔ اکثر اہل اللہ اس مزار پر آکر مراقبہ اور چلّہ کشی کرتے رہے ہیں۔ علاقے کے لوگوں کا دامنِ عقیدت اس مزار سے وابستہ ہے۔

ٹبہ سرواہی کے شمال مغربی جانب ایک قبہ والا مزار ہے جس میں پیر موسیٰ نواب محوِ استراحت ابدی ہیں۔ آپ کیچ مکران کے فرمانروا کے پوتے اور حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانی رح کے خلفا میں سے تھے۔ آپ نے اس علاقے میں اسلام کی تبلیغ کی اور متعدد مقامی اقوام کو مسلمان کیا۔ ان میں اندھر اور جھک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

تحصیل رحیم یار خاں میں نرنڈہ سے شمالی جانب تقریباً چار میل کے فاصلے پر راجہ ساہسی دوم کا بنایا ہوا ٹیلہ ہے، یہ ٹیلہ پچاس فٹ بلند ہے۔ اس پر شیخ حمید الدین حاکم کا مزار پُرانوار ہے۔ یہ جگہ مؤمبارک کے نام سے مشہور ہے۔

شیخ حاکمؒ ساتویں صدی ہجری کے بڑے صاحب اثر بزرگ تھے آپ نے طویل عمر پائی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ، شیخ صدرالدین عارف اور شیخ رکن الدین رکن عالم سے فیضِ باطنی حاصل کیا۔[1]

حضرت شیخ حاکمؒ کے پوتے حضرت مغل شاہ کا مزار بھی مؤمبارک میں ہے۔ آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے۔

ججہ عباسیاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک وسیع قبرستان میں شیخ جنید نامی ایک بزرگ کا مزار ہے۔ یہ مزار[2] سات سو سال سے یہاں موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں۔ شعبان کے مہینے میں آپ کا عرس ہوتا ہے۔ سجادگان نے خانقاہ کے ساتھ دینیات کا ایک مدرسہ بھی جاری کیا ہوا ہے۔

ججہ عباسیاں کے ہی نزدیک ایک اور مزار جان شہید کا ہے۔ یہ بھی چھ سات سو سال پرانا ہے۔ بزرگ موصوف کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ آپ کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

گڑھی اختیار خاں (ضلع رحیم یار خاں) سے تھوڑے فاصلے پر ایک خستہ چھپر والی خانقاہ ہے جو ساتویں صدی ہجری کے بزرگ شیخ عبدالستار شہید کی ہے۔ آپ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے مرید تھے۔ آپ سہوان (سیستان)

---

[1] ذکر کرام صفحہ ۱۰۳
[2] ذکر کرام صفحہ ۹۹

کے رہنے والے اور قوم کے بھوٹہر تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ اپنے پیر کی خانقاہ پر فاتحہ کیلئے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک غریب و بیکس عورت نے فریاد کی کہ جیسلمیر اور بیکانیر کے ڈاکوؤں نے اس کی بستی پر حملہ کرکے اس کا سارا مال اسباب لوٹ لیا۔ آپ نے اس عورت کی مدد کی خاطر ڈاکوؤں کا مقابلہ کیا اور شہید ہوگئے

اللہ آباد (ضلع رحیم یار خاں) کے موضع نزنڈہ گورگیج میں ایک بستی حیدر شاہ کے نام سے ہے۔ یہاں پیر صدر الدین کی خانقاہ مرجع خلائق ہے۔ یہ بزرگ علم وفضل کے مالک اور صاحب رشد و ہدایت تھے، علاوہ ازیں آپ کا نام آپکے لائق فرزند حضرت حسن کبیر نے بھی روشن کیا جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے

پیر صدر الدین کا مولد فرخ آباد (انڈیا) ہے۔ ۱۴ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے آپ کے والد سید شہاب الدین کا انتقال آپکی صغر سنی میں ہوگیا تھا۔ اس لئے ابتدا سے ہی اپنے زور بازو پر بھروسہ کرنا پڑا۔ ۷۱۶ھ میں آپ مختلف ممالک کی سیر کرتے ہوئے اوچ پہنچے اور آخر عمر تک یہیں رہے۔ آپنے اسلام کی تبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سندھ کے خوجے خاص طور پر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ وفات کے بعد آپکو بستی حیدر شاہ موضع نزنڈہ گورگیج میں سپرد خاک کیا گیا۔ کسی نے یہ تاریخ وفات لکھی ہے۔

ہفدہم ماہ محرم یوم دوشنبہ کہ بود

عارف حق شاہ صدرالدین ولی رحلت نمود

رحلت نمود سے سن وفات برآمد کیا ہے جو ۷۳۸ھ ہے۔

آپ کے پانچ فرزند حسن کبیر الدین، ظہیر الدین، غیاث الدین، رکن الدین اور تاج الدین تھے۔ جنمیں سے حسن کبیر الدین المشہور بہ حسن دریا نے بہت شہرت پائی۔

سید ابو الخیر احمد بلوری کے فرزند سید فتح اللہ شاہ کا مزار بھی جن پور کے

۷۔ ذکر کرام صفحہ ۹۵۴

قریب ہے۔ یہ شاہ فتوحل کے نام سے مشہور تھے۔

خان بیلہ میں مولوی سلطان محمود کی خانقاہ بہت مشہور ہے۔ یہ حضرت خواجہ عاقل محمد کے تربیت یافتہ اور انہیں کے خلفا میں سے تھے۔ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ نواب بہاولپور اکثر مہمات میں آپ سے دعا کرایا کرتے تھے۔ ۳ ربیع الثانی ۱۲۳۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ نواب بہاول خاں ثالث نے مزار تعمیر کرایا۔

خان بیلہ میں ہی خواجہ حکم گل محمد کے خلیفہ میاں محمد شریف کا مزار ہے آپ نے حضرت خواجہ عاقل محمد کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ خانقاہ کے متولی شدانی والے ہیں۔

بستی چوہان تحصیل الہ آباد میں حافظ مولوی حاجی محمد عثمان کا مزار عوام کی عقیدت کا مرکز ہے۔ آپ حضرت خواجہ خدابخش علیہ الرحمۃ خیرپوری کے مرید تھے۔ دو سال تک بغداد میں رہے پھر حضرت سلطان باہو کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔ کئی بار حج پر گئے۔ آخری عمر میں حالت جذب طاری ہو گئی اور اسی عالم میں ۱۸ ربیع الاول ۱۳۶۸ھ میں وفات پائی۔

چاچڑاں۔ شدانی اور گڑھی اختیار خاں میں حضرت خواجہ عاقل محمد اور ان کے اہل خاندان کی رہائش رہی ہے جس کی وجہ سے یہ مقامات باعث برکت دمین سمجھے جاتے رہے ہیں۔ خواجہ عاقل محمد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ اور بڑے صاحب اثر و فیض تھے ان کے خاندان میں تواتر کے ساتھ بڑے بڑے صاحب باطن بزرگ پیدا ہوئے ہیں۔ اس خاندان کے تمام بزرگوں کے مدفن کوٹ مٹھن ضلع ڈیرہ غازی میں ہیں۔

موضع بدلی تحصیل رحیم یارخاں کے جنوب میں ڈیڑھ میل کے فاصلے پر پیر ولی محمد سلطان کی خانقاہ ہے۔ ذکر کرام[1] میں انہیں پیر عبدالخالق بخش

---

[1] ذکر کرام صفحہ ۱۱۲

خاں والے کا بھائی لکھا ہے جو غلط ہے۔ یہ غالباً حضرت سلطان باہو ؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذکر کرام میں انکی ذات اوانؒ درج ہے۔ لہذا اس تحقیق کی بنا پر بھی ان کا پیر عبدالخالق کا بھائی ہونا غلط ہوجاتا ہے کیونکہ حضرت پیر عبدالخالق قوم کے کھرل تھے۔ بہرحال آپ صاحب ولایت بزرگ تھے۔ سرخ لباس زیب تن رہتا تھا اور تیر دکمان سے ہمیشہ مسلح رہا کرتے تھے۔ ۲۷ رمضان ۱۱۶۳ھ کو آپکا انتقال ہوا۔ آپ کا سالانہ عرس چیت کے مہینے میں ہوتا ہے۔ کافی لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں۔

قصبہ محمد پور میں مولوی غلام حسین کا مزار عوام کی عقیدت کا مرکز ہے۔ ان کی حق گوئی کی وجہ سے نواب بہاول خاں حضوری ان سے بیحد متاثر تھے تقریباً ستر سال کی عمر میں آپنے وفات پائی۔

بھٹہ واہن سے دو میل کے فاصلے پر شرقی جانب میاں سیدی سلطانؒ کا مزار ایک وسیع قبرستان میں واقع ہے یہ پیر ولی محمد سلطان (بدلی والے) کے ہمعصر تھے اور ان سے قدرے چشمک رکھتے تھے۔ پیر ولی محمد سلطان کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کنواری لڑکیوں سے ٹانگیں دبواتے ہیں۔ میاں سیدی سلطان نے اس قابلِ اعتراض فعل کی حقیقت معلوم کرنے کے خیال سے ایک دن اس کنواری لڑکی کے ہاتھ جو پیر ولی محمد سلطان کی خدمت کیا کرتی تھی کچے گھڑے میں پانی بھر کر بطور تحفہ بھجوایا۔ پیر ولی محمد سلطان فقیر کے اس اشارے کو سمجھ گئے اور انہوں نے اسی لڑکے کے ہاتھ کپاس کی ایک لوکری میں دھکتے ہوئے انگاروں کا ایک تھال رکھ کر ان کی خدمت میں بھجوایا۔ خدا کی قدرت کہ نہ کچا گھڑا پانی سے ٹوٹا اور نہ کپاس کا ٹوکرا انگاروں سے جلا۔

اس واقعہ کے بعد سیدی سلطان کے دل میں پیر ولی محمد سلطان کی طرف سے

---

۲ ذکر کرام صفحہ ۱۱۲ ۳ بھونگ کے رئیس غازی محمد مرحوم آپ ہی کی اولاد میں سے تھے۔

جو شبہات تھے وہ دور ہوگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ پیر ولی محمد سلطان کا دامن ہر آلودگی سے پاک ہے۔

قصبہ سنجر پور تحصیل صادق آباد کے قریب ایک میل جانب شمال مشرق پیر محمد شاہ گیلانی کا مزار ہے۔ آپکے مورث اعلیٰ سید محمد مکی علیہ الرحمۃ جو حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے پہلے پہل وارد ہند ہوئے تھے۔ ان کے ایک فرزند حسین کا انتقال دہلی میں ہوا اور لال قلعے کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے دو فرزند جمال شاہ اور مبارک شاہ تھے۔ پیر محمد شاہ انہیں کی اولاد میں سے تھے۔ آپ علوم متداولہ کے ماہر اور جفر و نجوم میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ روحانیت میں بھی آپ کا مرتبہ کافی بلند تھا۔[۱]

جمال دین والی تحصیل صادق آباد کا مشہور قصبہ ہے۔ اس قصبے کو ملک گیر شہرت تو مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اور ان کے فرزند مخدوم زادہ سید حسن محمود کی وجہ سے ہوئی ہے۔ لیکن روحانی مرتبہ و مقام کا ورثہ اوچ شریف سے اس کے حصے میں آیا ہے۔ یہاں عالیشان کوٹھیوں کے قریب ہی ایک نہایت نفیس خانقاہ بھی ہے جس میں تین مزارات نمایاں ہیں۔ ان کا تعلق اوچ شریف کے خانوادۂ گیلانیہ قادریہ سے ہے جن کا سلسلۂ نسب پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اس خانقاہ عالیہ کے سجادہ نشین ہیں۔

مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ اوچ گیلانی کے بزرگ مخدوم شمس الدین ابن سید عبدالقادر ثالثؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ مخدوم شمس الدین کی اولاد کی ایک شاخ اوچ شریف میں رہی اور یکے بعد دیگرے وہاں کی سجادگی پر متمکن رہی اور دوسری شاخ کے سرخیل سید محمد زمان کلاں تھے جس نے اوچ کو

---

[۱] مشہور ادیب سید انیس شاہ گیلانی اسی خاندان کے نامور فرزند ہیں اور اپنے نادر و نایاب ذخیرۂ کتب کی وجہ سے علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

خیر باد کہہ کر دوسرے مقامات کا رُخ کیا۔ سید محمد زمان کلاں کے پوتے سید محمد زمان ثانی کی اولاد ضلع رحیم یارخاں کے مشہور قصبہ جمال الدین والی میں اقامت گزیں ہوئی۔ سید محمد زمان ثانی کے پڑپوتے اور مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ کے پردادا سید اشرف الدین ان کے صاحبزادے سید جیون شاہ رابع اور سید شرف الدین (والد مخدوم الملک) کے مزارات جمال الدین والی میں ہیں۔ یہ تینوں مزارات ایک نہایت خوبصورت مقبرہ میں ہیں۔

خانوادہ گیلانی اوچ شریف کو ہر دور میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے اور امراء و سلاطین اس خانوادے کے بزرگوں کی کشف برداری کو اپنے لئے باعث سعادت تصور کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ جن بزرگوں نے جمال الدین والی میں سکونت اختیار کرلی تھی ان کے روایتی اعزاز و اکرام میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔ تاجداران بہاولپور ان بے تاج بادشاہوں کی تابعداری اور انکی خوشنودی کو اپنا فرض سمجھتے تھے اور قدر و منزلت کا یہ سلسلہ آخری فرمانروائے بہاولپور نواب صادق محمد خاں خامس تک قائم رہا۔ دیکھیے ایک خط میں موجودہ سجادہ نشین کو ان القاب سے مخاطب کیا ہے۔

"جناب فیض مآب مہر سپہر ولایت قطب فلک صفوت و ہدایت مطلع انوار ربانی منبع اسرار یزدانی حضرت مخدوم سید غلام میراں شاہ صاحب سجادہ نشین جمال دین والی مدظلہٗ"

ضلع رحیم یارخاں کے بعض قصبے آج تک اولیا و صلحا کا گہوارہ ہیں اور اس صدی تک میں ایسے باکمال اور صاحب باطن بزرگوں کا وجود باقی رہا ہے جو اسلام کے زبردست داعی اور ملت اسلامیہ کے صحیح معنی میں ہمدرد و غمخوار تھے۔

صحابہ، شہدا اور تابعین کے مزارات

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا جا چکا ہے سرزمین بہاولپور ظہور اسلام کے آغاز سے مسلمان مبلغین کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ یہاں ایسے متعدد آثار موجود ہیں جو اس خیال کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، شہدائے اسلام، تابعین اور تبع تابعین نے اس دھرتی پر اس وقت قدم رکھے جب کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے یہاں چھائے ہوئے تھے اور کوئی اسلام کا نام لیوا نہ تھا۔ ان نفوس قدسیہ نے جان جوکھوں میں ڈال کر توحید و رسالت کا علم بلند کیا اور اُن نورانی تعلیمات سے اس خطے کے باشندوں کو روشناس کیا۔ جنکی تابانی سے خود ان کے سینے معمور تھے۔ ذیل میں ان اولین مجاہدین اسلام کا حال درج کیا جاتا ہے۔

چانڈہ کھانڈہ

یہاں ان اولین مجاہدین و مبلغین اسلام کی آمد کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے چھٹے سال سے شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے جس جماعتِ مبلغین کی یہاں آمد کا پتہ چلتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار صحابیوں پر مشتمل تھی۔ یہ چاروں صحابی بہاولپور کے مشہور قلعہ ڈیراور[1] کے پاس چانڈہ

[1] یہ قبل از مسیح کا ایک قدیم قلعہ ہے۔ شروع شروع میں والیانِ ریاست بہاولپور نے اسی قلعے میں رہائش رکھی تھی اور بطور دارالحکومت اسے استعمال کیا تھا۔

کھانڈہ[1] کے مقام پر کفّار سے نبرد آزما ہوئے اور جام شہادت پی کر یہیں مدفون ہوئے ۔ ان چاروں صحابیوں کے مزارات قلعے کے پاس ایک چہاردیواری میں ہیں جن پر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت کندہ ہے ۔ کہا[2] جاتا ہے کہ آغاز اشاعت اسلام کے وقت (سنہ ۱۳ء) اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جماعت تبلیغ اسلام اور تجارت کی غرض سے سندھ آئی اور یہاں سے جنوبی ہند میں ہندوؤں کے مراکز بنارس وغیرہ میں جاکر اپنے اخلاقی اور معاشرتی نمونے عملی طور پر پیش کر کے اس ملک کے باشندوں بالخصوص پوہلا قوم کے لوگوں کو مذہب اسلام کی ترغیب دی ۔ اس جماعت صحابہ کرام کے کچھ افراد ایک آبادی میں پہنچے جہاں ایک قلعہ بھی موجود تھا جس کو چانڈا کھانڈہ کہتے تھے ۔ یہ قلعہ شکستہ حالت میں قلعہ ڈیراور کے قریب تھا ۔ یہاں ان لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی ۔ اس علاقہ کے راجہ نے انکی مزاحمت کی اور لڑائی ہوئی ۔ چار صحابی اس جنگ میں شہید ہوئے اور یہیں سپرد خاک ہوگئے ۔

احمد پور شرقیہ

احمد پور شرقیہ سے ۵ میل شمال کی طرف ایک بلند و بالا فصیل دار قلعے کے آثار ہیں ۔ اسی قلعے کی اونچی سطح پر ایک قبر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور کفّار سے مقابلے میں شہید ہوئے ۔ ان[3] قبروں کی لمبائی ۹ گز کے قریب ہے ۔ صاحب قبر محمود شہید کے نام سے مشہور ہیں ۔

---

[1] یہ مقام دریائے ہکڑہ کے کنارے پر تھا ، ایک روایت کے مطابق سکندر اعظم اور اس کا لشکر یہاں سے گذرا تھا ۔ [2] تاریخ ڈیراور مصنفہ مولوی عزیز الرحمن ، صفحہ ۲۰-۱۹ ۔

[3] ۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جن قبروں کو صحابیوں کی قبریں بتایا جاتا ہے وہ عام قبروں سے کافی لمبی ہیں ۔ گویا صحابیوں کے قد عام انسانی قدوں سے غیر معمولی طور پر بڑے ہوتے تھے ۔ یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے ۔

مسافر خانہ تحصیل بہاولپور کے تھانہ مسافر خانہ کی حدود میں سات قبریں علی صحاب کے نام سے ایک ہی مقام پر ملتی ہیں جو لمبائی میں زیادہ سے زیادہ نوگز اور کم سے کم تین گز ہیں۔ اس علاقے میں ان کے متعلق عام شہرت یہ ہے کہ یہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبریں ہیں۔ جو تبلیغ اسلام کے لئے یہاں آئے تھے۔ کفّار ان کے درپے آزار ہوئے۔ آخر مجادلے کی نوبت آئی اور انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔

قائم پور ضلع بہاولپور کے قصبہ قائم پور سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ایک نوگزی قبر ہے جو نور صحاب کی قبر کہلاتی ہے اس کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ یہاں پہلے جنگل تھا اور لوگ لکڑیاں چننے یہاں آیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ لکڑیاں چن رہے تھے کہ انہیں ایک سربریدہ لاش دکھائی دی جس سے ڈر کر وہ لوگ وہاں سے بھاگ گئے۔ بعد میں کسی کو خواب میں بشارت ہوئی کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی کی لاش ہے۔ چنانچہ اگلے دن اُس نے قبر تیار کرائی اور وہاں ایک چبوترہ بھی بنوا دیا۔

خیر پور خیر پور کے قصبہ احمد سیکھی میں ایک نوگزی قبر ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ صحابیٔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تبلیغ اسلام کیلئے یہاں آئے اور کافروں کے ہاتھوں شہید ہوئے

اسلام گڑھ ضلع رحیم یار خاں میں خانپور سے جنوب مشرق کی جانب تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر اسلام گڑھ کے نام کا ایک پرانا قلعہ ہے۔ اس کے مغربی جانب ایک وسیع و عریض قبرستان ہے جس میں چند غیر معمولی لمبی قبریں ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ صحابیوں کی قبریں ہیں

آدم صحابہ ضلع رحیم یار خاں میں مین ریلوے لائن پر اس نام کا ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ اسٹیشن سے شمال مغرب کی طرف

دو میل کے فاصلے پر ایک لمبی قبر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کی قبر ہے جو کفار سے جنگ کے دوران شہید ہو گئے تھے۔

مبارک پور ضلع بہاولپور میں مین ریلوے لائن پر مبارک پور اور ٹبی عزت کے درمیان ایک وسیع قبرستان ہے جو ریلوے لائن کے دونوں جانب پھیلا ہوا ہے۔ اس قبرستان میں کسی شہید کا مزار بھی ہے جو طبل شہید یا تیر شہید کے نام سے مشہور ہیں۔ خیال ہے کہ یہ بزرگ بھی کفّار سے جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ البتہ یہ نہیں معلوم کہ یہ صحابیٔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم تھے یا تابعین میں سے تھے۔

کلاچوالہ کلانچوالہ ریلوے اسٹیشن کے مشرق میں دو تین فرلانگ کے فاصلے پر ایک قدیم قبرستان ہے جو بدر شہید کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بزرگ غالباً محمد بن قاسم کے ساتھیوں میں سے تھے جو ہندوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[1]

یہاں علی صحاب کے نام سے بھی ایک قدیم قبرستان ہے جس میں تیس تیس چالیس چالیس فٹ لمبی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصحاب واحباب تھے جو تبلیغ وتجارت کے سلسلے میں ادھر آنکلے اور کفّار سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

ملوک شاہ بہاولپور شہر کے جنوب میں نور محل کے قریب ایک وسیع قبرستان اس نام سے مشہور ہے، جس میں یوں تو متعدد اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی قبریں ہیں لیکن ان میں دو قبریں خاص طور پر عوام وخواص کے لئے جذب وکشش کا سامان رکھتی ہیں ان میں سے ایک قبر تو

---

[1] کلانچوالہ کے آثار قدیمہ از پروفیسر دلشاد کلانچوی مطبوعہ سہ ماہی الزبیر شمارہ (۱۹۷۵ء)

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے سعد بن عبداللہ کی اور دوسری حضرت امام حسین علیہ السلام کے اتالیق سعید بن محمد کی بتائی جاتی ہے کہتے ہیں کہ یہ حضرات سیاحت و تجارت کی غرض سے یہاں آئے تھے۔ دوران سفر بیمار پڑے اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق بہت سے تابعین اور تبع تابعین بھی یہاں مدفون ہیں۔ محمد بن قاسم کے بعض ساتھیوں کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اس قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں

فورٹ مروٹ ضلع بہاولنگر میں واقع یہ ایک قدیم العہد قلعہ ہے اس میں بعض شہیدوں کے مزارات ہیں جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ کفار سے جنگ میں انہیں شہادت نصیب ہوئی۔ اسی قلعے میں ایک مقام کو بیٹھک مولا علی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک پتھر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدم مبارک کا نشان ہے جو لوگوں کی عقیدت کا خاص طور پر مرکز ہے۔

اس قلعے کی اہمیت ایک تاریخی مسجد سے بھی بڑھ گئی ہے جو شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔

بھٹہ واہن[1] اس قدیم تاریخی قصبہ میں جو تحصیل احمد پور لمہ ضلع رحیم یارخاں میں واقع ہے ایک پرانا اور وسیع قبرستان ہے جسمیں گنج شہیداں اور پنج شہید کے نام سے الگ الگ مزارات ہیں جو مقامی روایات کے مطابق ان شہیدوں کے ہیں جو تبلیغ اسلام کے سلسلے میں یہاں آئے اور پھر کافروں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

سیوراہی سنجر پور (ضلع رحیم یارخاں) کے قریب ایک ٹیلہ جو سرواہی یا سیوراہی کے نام سے موسوم ہے ہندوؤں

---

[1] یہ قصبہ سسی کی جنم بھومی بتایا جاتا ہے۔ یہیں قریب ہی وہ موقع (ڈھنڈ لڑھونی) بھی ہے جہاں سے سسی کو دریا میں بہایا گیا تھا۔

کی حکمرانی کے دَور کی ایک نشانی ہے ۔ رائے ساہسی دوم نے جو چھ قلعے اپنے علاقے میں تعمیر کرائے تھے ان میں سے ایک یہ ہے ۔ یہاں چھٹی صدی عیسوی میں جب عرب سے سندھ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہُوا تو ان آنے والوں کو جدال و قتال سے بھی سابقہ پڑا ۔ چنانچہ یہاں جو شہیدوں کے مزارات ملتے ہیں وہ اسی عہد کی یادگار ہیں ۔
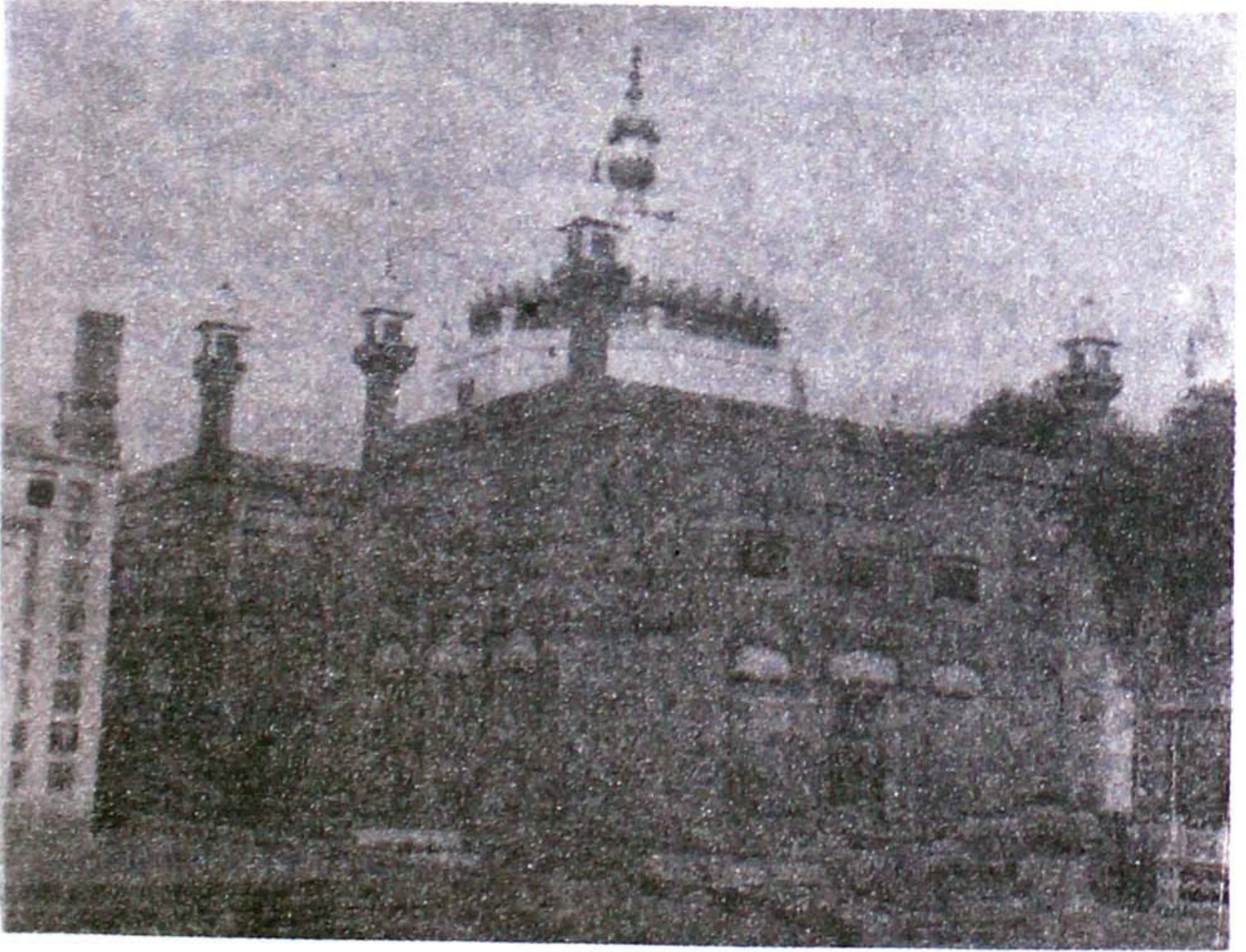
مزار حضرت پیر محمد شاہ گیلانی رحمہ سبزپور تحصیل صادق آباد

خانوادۂ چشتیہ

خانوادۂ چشتیہ تصوف کے مقبول ترین خانوادوں میں سے ہے۔ جس طرح برصغیر پاک و ہند کے دوسرے خطوں میں اس کا اثر و نفوذ پھیلا اسی طرح بہاولپور کی سرزمین میں بھی یہ خوب پھلا پھولا۔ یہ اس خانوادے کی کمال مقبولیت کا ثبوت ہے کہ دوسرے خانوادوں کے بعض جلیل القدر بزرگوں نے بھی چشتی بزرگوں کے ساتھ اپنا دامنِ عقیدت وابستہ کرنے پر فخر کیا۔ چنانچہ سہروردیہ بخاریہ سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے بھی خلافت حاصل کی۔ اس خانوادے کے جن بزرگوں نے یہاں تصوف و روحانیت کی شمعیں روشن کی تھیں انکی ضیاباریوں کے اثرات اس خطے میں آج بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

ذیل میں خانوادۂ چشتیہ سے تعلق رکھنے والے چیدہ چیدہ بزرگوں کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

شیخ تاج الدین تاج سرورؒ

چشتیاں ضلع بہاولنگر میں قریہ تاج سرور کے نام سے جو بستی آباد ہے اور جس میں سلسلۂ چشتیہ کے نامور بزرگ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کا مزار مبارک بھی ہے، اسی بزرگ ہستی کے نام سے موسوم ہے۔ آپ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے۔ آپکے والد حضرت خواجہ بدرالدین بابا صاحب کی وفات کے بعد مسندِ سجادگی پر فروکش ہوئے تھے۔ آپکی اولاد جن میں شیخ تاج الدین بھی شامل تھے اس علاقے میں آباد تھی۔

بہاولپور گزیٹیر میں لکھا ہے کہ [1]

"آپ کثیر الاولاد تھے۔ سر آسماں جاہ بہادر وزیر حیدر آباد دکن آپ کی اولاد میں سے تھے۔"

آپ کے دست مبارک پر ریگستان بیکانیر و جیسلمیر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ جوئیے اور لکھویرے خاص طور پر آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بھی بڑی باقاعدگی سے آپ کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اپنے آخری ایام میں جب

---

[1] بہاولپور گزیٹیر۔

ضعفِ پیری کی وجہ سے پاک پٹن شریف جانا دشوار ہوگیا تھا تو آپ جمعہ کی نماز یہیں آکر پڑھا کرتے تھے۔

شیخ تاج سرور مجاہدے اور ریاضت میں کافی مبالغہ کرتے تھے۔ آپ کے مزار کے قریب لکڑی کا ایک خربوزہ لٹکا ہوا ہے جس پر دانتوں کے نشان بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ اکثر بے خورد خواب چلّے کھینچتے تھے اور جب روزہ کھولنے کی خواہش ہوتی تھی تو لکڑی کے خربوزے پر اصلی خربوزہ سمجھ کر منھ مار لیتے تھے۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے[۱]

"شیخ تاج الدین سرور علیہ الرحمۃ کامل بزرگ اور خدا رسیدہ ولی تھے مگر صاحبِ ارشاد نہ تھے۔"

بایں ہمہ آپ کا حلقۂ اثر بیکانیر و جیسلمیر تک پھیلا ہوا تھا اور آپ اسلام کی تبلیغ کیلئے اکثر ان مقامات پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہی تبلیغی مساعی آپکی جان لیوا ثابت ہوئیں۔ راجپوت جنہیں آپکی تبلیغی سرگرمیاں قطعی پسند نہ تھیں آپ کے درپۓ آزار ہوگئے اور ایک دن انھوں نے موقع پاکر آپکو شہید کردیا۔[۱]

علاقے کے لوگوں کا عقیدہ ہے کہ قحط سالی کی صورت میں اگر خانقاہ تاج سرور میں آکر نمازِ استسقا ادا کی جائے تو بارش ہوجاتی ہے۔ لوگ یہاں بچوں کی منتیں مانتے ہیں اور صحتِ امراض کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں۔

---

[۱] شعاع نور صفحہ ۲۵۔
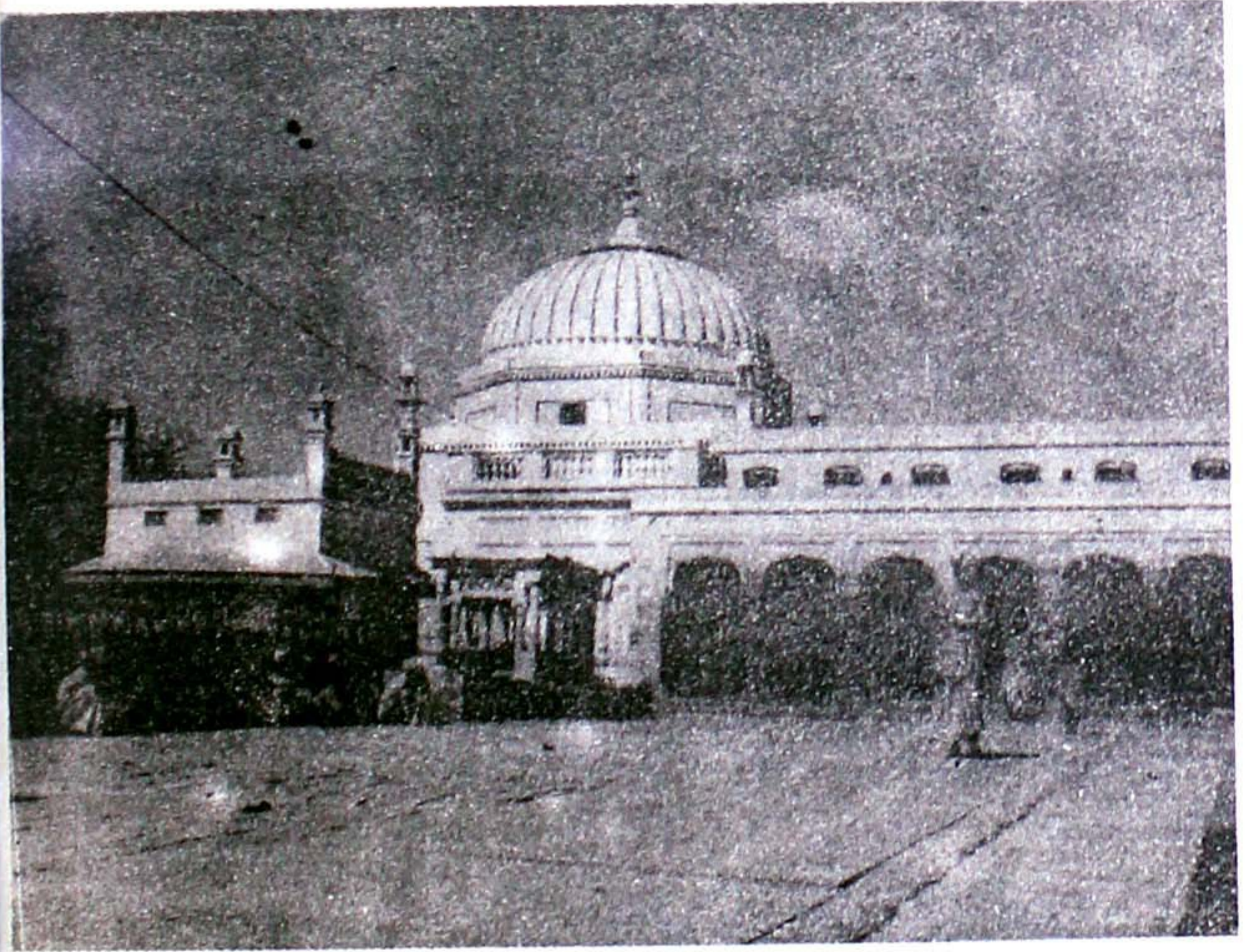
مزار حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ (چشتیاں)

سیّد چراغ الدّین شاہ ہراتیؒ

شیخ تاج الدّین سرورؒ کے ہم عہد بزرگ سید چراغ الدین شاہ ہراتی بھی قریہ تاج سرور میں محوِ خواب ابدی ہیں۔ ان کا مزار ایک مسقف حجرے میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سلطان الہند غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے بھانجے تھے۔ آپ کے والد کا نام سید ناصر الدین تھا۔ آپ ہرات سے اجمیر آئے اور وہاں سترہ سال تک اپنے ماموں کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیضِ روحانی کرتے رہے۔ پھر حضرت خواجہ کے ارشادِ گرامی کے مطابق اجمیر سے رخصت ہو کر اس مقام پر جہاں اب آپ کا مزار ہے قیام پذیر ہوئے۔ یہ جگہ اس زمانے میں بالکل غیر آباد تھی۔ آپ نے یہاں رہ کر عبادت و ریاضت میں اپنا وقت صرف کیا۔ ۸۰ سال کی عمر میں آپ کا یہیں انتقال ہوا۔

---

[۱] ذکرِ کرام صفحہ ۳۰

[۲] متعدد تذکروں اور کتب سیر کے مطالعہ کے باوجود ان بزرگ کے حالات کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے۔ مقامی طور پر اس مزار کے متعلق جو سنا گیا ہے وہ یہاں درج کر دیا ہے ویسے روحانی رشتوں کی ہمہ گیری کے پیشِ نظر ان روایات کو خالی از حقیقت بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ایک خیال یہ ہے کہ آپ کے دوستانہ روابط حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے پوتے حضرت شیخ تاج الدین تاج سرورؒ کے ساتھ تھے۔ حضرت تاج سرور اس زمانے میں یہیں رہتے تھے۔ ان کے پاس ہی آپ نے قیام فرمایا اور تاحیات وہیں رہے۔ چنانچہ آپ کا مزار بھی حضرت شیخ تاج سرورؒ کے مزار سے بالکل متصل ہے۔

قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ

بہاولپور میں خانوادہ چشتیہ کے فروغ کا باعث حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد اور ان کے متوسلین رہے ہیں۔ لیکن بعد کے ادوار میں اس سلسلے کے بزرگوں نے ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی طرف زیادہ توجہ دی اور اس طرح یہاں سہروردی اور قادریہ سلسلوں کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا البتہ بارھویں صدی ہجری میں ایک بار پھر چشتی بزرگوں کی روحانی عظمت کا یہاں غلغلہ بلند ہوا اس دور میں خانوادۂ چشتیہ کے جس بزرگ نے چار سو سالہ پرانی روایات کو از سرِ نو زندہ کیا اور اپنے فیوض و برکات سے نہ صرف اس سرزمین بلکہ پورے پنجاب کو نوازا وہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کی ذات با برکات تھی۔ حقیقت میں حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر علیہ الرحمۃ کے بعد اس خطے کی ولایت آپکے ہی سپرد تھی۔ اس وقت پنجاب میں جتنی چشتی خانقاہیں ہیں ان کے رشتہ ارادت کی ڈور آپ کے توسط سے ہی اپنے مرکزی سرے تک پہنچتی ہے

حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ ۱۴ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ میں کھرل[ا] قوم کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد ہند دال جو محمود کھرل کے پڑپوتے تھے علاقہ شہر فرید کی ایک بستی چوٹالہ[۲] میں رہائش رکھتے

[ا] کھرل راجپوتوں کی ایک شاخ ہے جس کا سلسلۂ نسب چندر بنسی خاندان کے مشہور راجہ کرم چندر

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

جنکی گذر اوقات کھیتی باڑی پر تھی ، چنانچہ مناقب المحبوبین میں درج ہے کہ جب حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی قدس سرہٗ نے آپ سے آپ کے خاندانی وسائل معاش کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ نے بتایا کہ :

"زراعت میکردند و مواشی می چرانیدند و میدوشیدند و بر مال مرداں میدیدند"

یعنی وہ زراعت پیشہ تھے ، مویشی چراتے تھے ، دودھ دوہتے تھے اور لوگوں کے مال کی رکھوالی کرتے تھے ۔

مناقب المحبوبین میں آپ کا جو نسب نامہ دیا گیا ہے ، اس میں چھٹی پشت کے بعد آپ کے بزرگوں کے نام ہندوانی طرز کے نظر آتے ہیں ۔ خود آپ کا اسم گرامی بھیل تھا جس کو آپ کے مرشد حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں دہلوی نے نور محمد سے بدل دیا ۔ آپکی والدہ ماجدہ کا نام عاقل بی بی تھا جو قوم چھڈ کے ایک زمیندار کمال کی صاحبزادی تھیں ۔ کمال کی رہائش قصبہ چھولڑہ میں تھی جو مہار سے جنوب کی جانب تقریباً چالیس کوس کے فاصلے پر واقع تھا ۔ پیدائش سے قبل ہی بعض بزرگوں نے آپ کے والدین کو ان کے ہاں ایک ولی اللہ کی پیدائش کی بشارت دی تھی ۔ ایک روایت کے مطابق ابھی

سے جو ہستنا پور کا حکمران تھا ملتا ہے (پنجاب چیفس از سر لیپل گریفن)

مناقب المحبوبین میں کھرل کو پنوار کی ایک شاخ بتایا ہے ۔ گلشن ابرار مصنفہ امام بخش میں درج ہے کہ "آپ کا سلسلہ نسب بہ اتفاق راویاں نوشیرواں عادل سے ملتا ہے" ۔ تکملہ سیرالاولیا میں مولوی خواجہ گل محمد احمد پوری لکھتے ہیں " قوم آنحضرت عاشقاں اند با دفا و جواں مرداں اند ذی سخا و نیک بر در اند پُر حیا یعنی کہرل کہ عاشق صادق مرزا نیز ازیں قوم برخواستہ"

۲ ۔ یہ بستی مہار شریف سے چار کوس مشرق کی طرف ہے اور مہار شریف پاک پٹن سے ۳۵ کوس مغرب کی طرف ہے ۔

آپکی والدہ عاقل خاتون عالم عہد میں تھیں کہ ایک بزرگ نے جن کا نام فتح[1] دریا تھا انہیں دیکھ کر کہا کہ میں اس بچی کے پہلو میں ایک ایسا لعل بے بہا کا دیدار کر رہا ہوں جو اپنے وقت کا قطب ہوگا۔ ایک اور روایت کے مطابق شیخ احمد[2] نامی ایک بزرگ جو ساوے چیرے والے پیر کے نام سے مشہور تھے ایک دن قصبہ بجوٹالہ میں تشریف لائے۔ انکی بزرگی اور کمالات کی شہرت سن کر قصبے کے مرد وزن ان کے گرد جمع ہوگئے۔ ان میں آپکی والدہ بھی تھیں جن کی شادی کو ابھی تھوڑے دن ہی ہوئے تھے۔ جونہی شیخ احمد کی نظر ان پر پڑی تو وہ سرد قد تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے ادب واحترام کے اس قرینے پر تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں دراصل اس بی بی کی عزت وتکریم نہیں کر رہا بلکہ اس ہستی کا احترام کر رہا ہوں جو اس کے بطن میں پوشیدہ ہے اور جس کے ظہور سے ایک عالم منور و درخشاں ہوگا۔

سرتا بہ قدم زہوشمندی　　　　می تافت ستارہ بلندی

بزرگوں کی ان پیشین گوئیوں کا اس وقت کس نے اعتبار کیا ہوگا۔ چنانچہ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ جب چار سال کی عمر کو پہنچے اور آپکو بستی کے ایک مولوی میاں مسعود کے پاس قرآن شریف پڑھنے بٹھایا گیا تو دوران تعلیم ایک بار دوبارہ شیخ احمد کا وہاں سے گذر ہوا اور انہوں نے آپکو دیکھ کر کہا کہ سبحان اللہ! اس بچے کی پیشانی پر سعادت وانوار کے ایسے آثار نظر آرہے ہیں جو اسے بہت جلد مرتبۂ ولایت پر پہنچادیں گے اور بڑے بڑے سلاطین اس کے آستانے پر جبیں سائی کیا کریں گے۔

---

[1] شیخ فتح دریا نیلوکارہ حضرت شیخ عبداللہ جہانیاں کی اولاد میں سے تھے، جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مرید وخلیفہ تھے۔ آپ کا مزار شیخ واہن میں ہے۔

[2] یہ بزرگ دوڑے والے پیر کے نام سے بھی مشہور تھے، دودکوٹ کمالیہ کے نواح میں ایک قصبہ ہے جو دریائے راوی کے کنارے واقع ہے ان کے سر پر سبز رنگ کی دستار رہتی تھی اس لئے ساوے چیرے والے پیر کے لقب سے بھی یاد کئے جاتے تھے۔ (مناقب محبوبین صفحہ ۵۵)

شیخ احمد کے اس انکشاف کا سب سے زیادہ مذاق آپ کے استاد مولوی میاں مسعود نے اڑایا، اور بڑے طنز کے ساتھ کہا کہ سبحان اللہ! اب ایسے اولیاء اللہ رہ گئے ہیں کہ ہندال جٹ کے بیٹے کے متعلق جس کے سر پر گنج بھی ہے کہتے ہیں کہ بادشاہ اس کے دروازے پر جھکیں گے۔ لیکن پھر انہوں نے خود دیکھا کہ بزرگوں کی پیشین گوئی کتنی سچی تھی جسے وہ ہندال جٹ کے گنجے لڑکے کا طعنہ دیکر بزرگوں کی پیشین گوئی کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ واقعی دیکھتے ہی دیکھتے روحانیت کے ایسے بلند منصب پر فائز ہوا کہ سلاطین و امرا بھی اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے پر فخر کرنے لگے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

حفظ قرآن کے بعد آپ کو مزید علوم کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا۔ اس غرض کیلئے آپ نے کچھ عرصہ مہار شریف میں قیام کیا۔ وہاں سے ڈیرہ غازی خاں تشریف لے گئے اور جب تشنگیٔ علم کو بجھانے کا سامان پوری طرح یہاں بھی میسر نہ آیا تو آپ نے لاہور کا رخ کیا۔ ان دنوں خواجہ محکم الدین سیرانیؒ بھی طلب علم میں سرگرداں تھے۔ جب انھیں خواجہ نور محمد مہاروی کے عزم لاہور کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ بھی ان کے ہمراہ ہوگئے۔ ان دونوں بزرگوں میں بچپن سے دوستی و یگانگت تھی اور دونوں طلب علم کے معاملے میں جذب صادق اور شوق بے حد کے حامل تھے۔ لہٰذا دونوں ایک ساتھ لاہور پہنچے اور ایک ساتھ کسی عالم کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے۔ تعلیم کے دوران دونوں کیلئے یہ امر موجب تشویش تھا کہ قطعی تہی دستی کی وجہ سے ان کے آذوقۂ حیات کا کوئی انتظام نہ تھا اور کوئی ہوتا تو شاید حالات کی اس نا مساعدت کی وجہ سے تعلیم کو ترک کر دیتا اور وطن واپس لوٹ جاتا لیکن انہوں نے بالکل ہمت نہ ہاری اور تحصیل علم کے ساتھ آذوقۂ حیات کی فراہمی کی یہ صورت نکالی کہ دن کا سارا وقت مکتب میں

گذارتے اور شام ڈھلتے ہی فقیروں کا بھیس بدل کر تماشائے اہلِ کرم دیکھتے۔

شوقِ علم نے آپکو گداگری پر مجبور تو کر دیا لیکن یہ فعل افتادِ طبع اور خودداری کے منافی تھا اس لئے آپ کی طبیعت ہمیشہ اس سے ابا کرتی تھی۔ ایک[1] دفعہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دونوں ہمدرس گداگری کے لئے گھر سے باہر نکلے ہی تھے کہ موسلا دھار بارش نے آن لیا۔ کالی رات تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ گلی کوچوں میں جگہ جگہ کیچڑ تھی۔ ابھی چند قدم ہی آگے نکلے ہوں گے کہ یکایک آپ کا پاؤں پھسلا اور کیچڑ میں لت پت ہوگئے۔ اس حادثے سے آپ بیحد غمگین ہوئے اور حضورِ باری تعالیٰ دست بدعا ہوئے کہ "اے رب العزت گداگری کی لعنت سے نجات دے"۔

اس کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے جو ہمیشہ سے علما و صلحا کا بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس گئے گذرے دور میں بھی جبکہ یہ خطہ علم و آگہی سیاسی طور پر پراگندگی و زبوں حالی کا شکار تھا یہاں جگہ جگہ ایسی درسگاہیں قائم تھیں جو تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے میں اہم کردار ادا کر رہی تھیں۔ انہی میں نواب غازی الدین کا مدرسہ بھی شامل تھا جو قابل اساتذہ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا تھا۔ اسی مدرسے میں حضرت خواجہ نور محمد نے داخلہ لیا اور حافظ برخوردارجی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا جو ایک بلند پایہ عالم ہونے کے علاوہ خانوادۂ چشتیہ سے تعلق رکھنے والے صاحبِ نسبت بزرگ تھے۔

دہلی میں کھانے پینے کی فکر سے بھی آپکو نجات مل گئی۔ جب تک مدرسہ نواب غازی الدین میں پڑھتے رہے شفیق استاد اپنے کھانے

---

[1] گلشنِ ابرار ترجمہ حدیقۃ الاخیار صفحہ ۱۲۔

میں سے آپکو بھی عنایت کر دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دربار دہلی سے وابستہ ایک صاحب میاں فتح محمد جنہیں یک گونہ آپ سے تعلق پیدا ہوگیا تھا آپ کا خیال رکھتے تھے۔ وہ جمعرات کی جمعرات اپنے مکان پر درود شریف کا ختم کرایا کرتے تھے اور یہ کام انہوں نے آپ کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ اکثر آپکو اپنے ہاں مدعو کرتے اور طعام و شیرینی آپ کی خدمت میں پیش کرتے۔

کچھ عرصہ بعد مدرسہ غازی الدین میں آپکی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا کیونکہ استاد اپنے وطن چلے گئے۔ یہ صورتِ حالات آپ کے لئے بڑی پریشانی کا موجب تھی۔ چنانچہ خلاصۃ الفوائد[1] میں درج ہے۔

"میں ان ایّام میں بہت متفکر اور پریشان رہنے لگا۔ کبھی تو دکن جانے کا ارادہ کرتا اور کبھی حاجیوں کے ہمراہ مدینہ منوّرہ جانے کا عزم کرتا تھا۔ ایک رات حافظ[2] مذکور نے دریافت کیا کہ تم کیوں اندوہگیں ہو۔ میں نے کہا کہ مشفق و مہربان استاد وطن چلے گئے ہیں تحصیل علم پوری نہیں ہو رہی۔ اس وجہ سے اضطراب میں ہوں۔ حافظ صاحب موصوف نے کہا کہ چند روز ہوئے یہاں دہلی میں ایک عالم بزرگ پیرزادہ دکن سے تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس کسی کو کبھی علم پڑھا ہو میرے ہاں چلا آئے میں نے یہ بات دل میں رکھ لی قلندر بخش نامی شخص جو ہمیشہ میرے پاس آکر کتاب کافیہ کی تکرار کرتا تھا

---

[1] حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے مرید قاضی حکیم محمد عمر نے ۱۲۰۸ھ میں مرتب کیا تھا اور جس کا اردو ترجمہ مولانا محمد بشیر اختر نے ۱۹۶۱ء میں کیا ہے۔

[2] حافظ محمد صلح ساکن بھیرہ (خوشاب) جو حضرت خواجہ کے ہمدرس تھے۔

اس سے مَیں نے پوچھا کہ تمہارے نان نفقہ کی کیا صورت ہے تو اس نے بتایا کہ ایک فاضل پیرزادہ دکن سے یہاں تشریف لایا ہے اس کے ہاں جا کر کھانا کھا لیتا ہوں"۔

یہ سُن کر آپ کے دل میں دکن کے پیرزادے سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہُوا۔ دکن کے یہ پیرزادے محبِّ نبیؐ مولانا فخرالدین فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ تھے جو ایک عالمِ بے دل ہونے کے علاوہ فقر و درویشی میں بھی بے مثل تھے۔ بادشاہ دہلی اکبر شاہ ثانی اور ابوظفر بہادر شاہ آپ کے مریدوں میں شامل تھے۔ آپ سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی ایک اور شاخ فخریہ جاری ہوئی[1] غرض دوسرے دن حضرت خواجہ نور محمد طلبِ علم کے شوق میں قلندر بخش کے ہمراہ حضرت مولانا فخر جہاں کی قیام گاہ پر پہنچے، لیکن اس وقت حضرت مولانا دولتکدے پر موجود نہیں تھے۔ اگلے روز آپ تنہا وہاں گئے اور شرفِ ملاقات حاصل کیا۔ اس ملاقات کا حال آپ کے ملفوظات میں اس طرح درج ہے:-

"دوسرے روز ظہر کے وقت تنہا مولانا کی خدمت میں روانہ ہُوا۔ جب حویلی شریف کے دروازے پر پہنچا تو ایک دربان کو بیٹھا ہُوا پایا چونکہ وہ میرا ناواقف تھا اس لئے پہلے اندر جانے کی ہمت نہ پڑی لیکن جب بہت سے لوگوں کو اندر آتے جاتے دیکھا تو مَیں بھی اندر چلا گیا"[2]

حویلی کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

"حویلی کے اندرونی حصہ میں ایک دروازہ تھا۔ اس کے

---

[1] خزینۃ الاصفیا میں آپکا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"مولانا فخرالدین فخر جہاں شاہجہاں آبادی چشتی رحمۃ اللہ علیہ از علمائے اہلِ عظمائے مشائخ و کبرائے خلفائے شیخ نظام الدین اورنگ آبادی پدر خود ہست عالم علوم شریعت و واقفِ رموزِ طریقت محرم اسرارِ حقیقت جامعِ کمالاتِ ظاہری و باطنی بود۔"

[2] خلاصۃ الفوائد، صفحہ ۱۰۲

مقابل میں ایک دالان تھا۔ اس دالان میں تخت بچھا ہوا
تھا۔ اس پر سفید چاندنی اور ایک بڑا تکیہ تھا جس پر
حضرت مولانا جلوہ آرا تھے۔[1]

آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں چونکہ پریشان خستہ حال دریدہ لباس اور پراگندہ
تھا اس لئے اندیشہ ہوا کہ مجھ پریشان پر کسی کی نظر کرم
نہو۔ مگر جونہی حضرت کی نگاہ کیمیا اثر مجھ پر پڑی اپنے پاس
بلا لیا۔ جب میں قریب پہنچا تو تخت سے نیچے اتر کر مجھ سے
ایسے بغلگیر ہوئے جیسے مدت کے بچھڑے ہوئے دو دوست
ملتے ہیں، اور پھر تخت پر اپنے نزدیک بٹھا کر دریافت
کیا کہ تمہارا وطن کہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ نواح پاکپٹن
کا رہنے والا ہوں، فرمایا کیا بابا صاحب کی اولاد میں سے
ہو، عرض کیا، نہیں۔ لیکن پاک پٹن کا نام سن کر آپ بہت
ہی مسرور خاطر ہوئے اور فرمایا یہاں آنے کی غرض و غایت
کیا ہے، عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ حضور درس و
تدریس سے لوگوں کو نوازتے ہیں۔ میں بھی یہی تمنا
لے کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے کہاں پڑھتے رہے
ہو۔ میں نے مولوی برخوردار جی کا نام لیا۔ ارشاد ہوا کہ
عرصہ سے میں نے پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا ہے، فی الحال
ان ہی سے سبق لیتے رہو اور یہاں آ کر اس کا اعادہ
کر لیا کرو۔ میں نے عرض کی کہ حضرت ان کے اور آپ کے

---

[1] خلاصۃ الفوائد۔ صفحہ ۲۱۔

مکان کے درمیان بہت سا فاصلہ ہے آنے جانے میں وقت
ضائع ہوگا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور یہ شعر پڑھا[1]

ما برائے وصل کردن آمدیم ... نے برائے فصل کردن آمدیم"

حضرت مولانا فخر جہاںؒ کے ہاں اس طرح باریابی کے بعد آپکی تعلیم کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ حضرت مولانا نے آپ پر بڑی شفقت فرمائی اور اپنے گنج گرانمایہ سے آپکو وہ سب کچھ عطا کیا جو دینی و دنیوی سرفرازی کے لئے ضروری ہوتا ہے اس کے بعد حضرت مولانا نے آپکو علم ظاہری کی مزید تحصیل کو ترک کر کے علوم باطنی کے حصول کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ خلاصۃ الفوائد میں درج ہے[2]۔

"قبلۂ عالم سے حضرت مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم اپنا وقت علم ظاہری میں مت ضائع کرو۔ تمہارے لئے یہی کافی ہے۔ جس علم کے تم لائق ہو اس میں مشغول ہو جاؤ۔"

اس ارشاد کے بعد آپ نے حضرت مولانا کے دست حق پرست پر باقاعدہ بیعت کی۔ اس بیعت کا حال خلاصۃ الفوائد میں اس طرح بیان ہوا ہے[3]۔

"جب بیعت کی استدعا کی تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ پہلے درود شریف پڑھ کر استخارہ کرلو۔ جو کچھ اشارہ میں تمہیں معلوم ہوگا اس پر عمل کیا جائیگا۔ کیونکہ یہی ہمارا دستور ہے۔ فرمان کے مطابق رات کے وقت درود پڑھ کر سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نے پکا ہوا طشت میرے ہاتھ میں دیا اور قبلۂ عالم کا جبہ میری گردن میں ڈال کر آگے چلنے لگا اور میں اس کے پیچھے۔ صبح کو جب

---

[1] خلاصۃ الفوائد صفحہ ۲۱-۲۲ ۔ [2] خلاصۃ الفوائد صفحہ ۲۸ ۔ [3] خلاصۃ الفوائد صفحہ ۲۵

میں حضرت مولوی صاحب کی زیارت کے لئے گیا تو آپ نے
فرمایا کہ رات کے استخارے کی حقیقت سناؤ۔ جو کچھ
معلوم ہوا تھا عرض کیا گیا۔ چند روز کلمہ استغفار پڑھنے
کا امر فرمایا۔ اس کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ[1] صاحب
کے مزار کے قریب ایک اور قبر پر لیجاکر خلعتِ بیعت
سے سرفراز فرمایا۔ الحمد للہ علی ذالک۔"

یہ سنہ ۱۱۶۵ھ[2] کا واقعہ ہے اور آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے دہلی
میں حضرت فخر جہاںؒ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ خلاصۃ الفوائد میں
لکھا ہے[3]۔

"ایک روز ایک شخص نے قبلۂ عالم کے حضور میں عرض
کیا کہ آپ دہلی میں حضرت مولانا کی خدمت میں کس
وقت مشرف ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب پہلے
مولوی صاحب کو دہلی میں تشریف فرما ہوئے تقریباً
چھ ماہ کا عرصہ گذرا ہوگا۔ دو ماہ رمضان شریف سے
قبل حضرت سلطان التارکین کے عرس کے دن میں
خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوا اور شرفِ بیعت حاصل
کیا۔"

بیعت کے بعد آپ کم و بیش ستائیس اٹھائیس سال تک
حضرت مولانا کی خدمت میں رہے۔ مولانا کی بھی آپ پر ایسی توجہ تھی کہ

---

[1] ۔ مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] ۔ خزینۃ الاصفیا میں سالِ بیعت یک ہزار و یکصد و پنجاہ ہجری درج ہے (صفحہ ۵۰۰ جلد اول)

[3] خلاصۃ الفوائد صفحہ ۲۳۔

دوسرے ارادتمند رشک کرتے تھے۔ مناقب فخریہ میں آپکو حضرت مولانا
کا انیس روز و شبانہ ہمدم و محرم راز لکھا ہے۔ آپ سفر حضر میں ہر وقت
حضرت مولانا کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ نے حضرت مولانا کی معیت میں
پہلا سفر پاک پٹن شریف کا کیا۔ پاک پٹن میں حاضری کے بعد حضرت مولانا
فخر نے آپ کو حکم دیا کہ مہار شریف جاکر اپنی والدہ کی قدمبوسی کی سعادت
حاصل کریں، مرشد کے حکم کی تعمیل میں آپ اپنے وطن پہنچے۔ تقریباً ۱۶ سال
بعد آپ نے مراجعت فرمائی تھی، ہیئت اور حلیہ تک تبدیل ہو چکا تھا۔
اہلِ وطن آپکو دیکھ کر سمجھے کہ کوئی درویش دہلی سے آیا ہے۔ آپ سب سے پہلے
اپنے استاد حافظ میاں مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن وہ آپکو نہ پہچان
سکے۔ اسی اثنا میں آپکی والدہ ماجدہ جو بیٹے کی جُدائی میں نہایت غمگین
وافسردہ رہتی تھیں یہ جان کر کہ دہلی سے کوئی درویش آیا ہے اپنے بیٹے کی
خیریت معلوم کرنے وہاں پہنچیں اور حافظ محمد مسعود کو مخاطب کرکے بولیں
کہ کیا دہلی سے آئے ہوئے ان صاحب کو میرے بیٹے کی بھی کچھ خبر ہے، حافظ
صاحب جنہیں اب حقیقتِ حال معلوم ہو چکی تھی اس استفسار پر بے اختیار
ہنس پڑے۔ سعادت مند بیٹے کو بھی اب تابِ دوری نہیں رہی تھی۔ وہ
وہ اپنی والدہ ماجدہ کے اس تجسس کو دیکھ کر بے قرار ہو گئے اور دوڑ کر ان
کے قدموں سے لپٹ گئے۔ بوڑھی ماں اپنے بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر
بہت حیران ہوئیں اور پھر آپکو اپنے ساتھ گھر لے گئیں۔ آپ جتنے دن مہار
میں رہے آپ کا کوئی لمحہ عبادت سے خالی نہیں گذرا۔ ایک دن آپ اپنی
گلی میں سے گذر رہے تھے کہ آپ کے استاد کے دوست حافظ شرف الدین
نے دریافت کیا "میاں صاحبزادے اتنے دن دہلی میں رہے، کچھ حاصل بھی کیا
یا یُونہی چلے آئے" آپنے فرمایا دکن کے ایک پیرزادے آج کل دہلی میں آئے
ہوئے ہیں۔ بس ان کی خدمت کرتا ہوں اور دیگیاں چاٹتا ہوں"۔ حافظ

شرف الدین نے یہ سن کر بڑے تاسف کیساتھ کہا "تم نے عمر دیگچیاں چاٹتے گذار دی حالانکہ دوسرے لوگ جو دہلی گئے تھے وہاں سے عالم بن کر واپس آئے ہیں"۔ خواجہ صاحب نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی کے ساتھ گھر آ گئے۔

آٹھ دن اپنے وطن میں قیام کرنے کے بعد خواجہ نور محمدؒ دوبارہ اپنے مرشد کی خدمت میں پاک پٹن حاضر ہوئے۔ یہاں حضرت مولانا نے برج نظامی میں آپکو عبادت کرنے حکم دیا۔ اس دوران آپ کا یہ معمول تھا کہ جو بھی آپکی خدمت میں بیعت کے لئے آتا آپ اسے خواجہ صاحب کے پاس بھجوا دیتے اس طرح بہت سے لوگ پاک پٹن میں آپکے مرید ہو گئے۔

حضرت مولانا فخر جہاںؒ پاک پٹن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے عرس سے پہلے تشریف لائے تھے۔ اور عرس کے بعد دو ماہ مزید وہاں مقیم رہے تھے۔ اس عرصہ میں خواجہ صاحب اپنے مرشد کے حکم کی تعمیل میں دوبار اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں مہار شریف گئے اور تقریباً دو ماہ وہاں رہے۔ اب کے مہار شریف میں آپکے قیام کے دوران لوگوں کو خواجہ صاحب کے مراتب بلند کا کسی قدر اندازہ ہوا۔ چنانچہ جب مہار شریف سے واپس پاک پٹن جانے لگے تو یہاں سے بہت سے لوگ آپ کے ساتھ پاک پتن گئے۔ ان میں منجملہ دیگر صاحبان کے آپکے بھائی ملک سلطان برہان۔ آپ کے چچا لکھمیر اور آپ کے بچپن کے استاد حافظ محمد مسعود بھی شامل تھے۔ ان سب کو حضرت مولانا نے خواجہ صاحب کی سفارش پر مشرف بہ بیعت کیا۔

کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا فخر جہاں اور خواجہ نور محمد نے مراجعت دہلی فرمائی۔ اب آپکا یہ حال تھا کہ چھ ماہ دہلی میں قیام فرماتے اور چھ ماہ مہار شریف میں۔ حضرت مولانا کو آپ سے بیحد تعلق خاطر تھا۔ ایک دن حضرت مولانا نے آپکو دیکھ کر فرمایا کہ "اے نور محمد سبحان اللہ! کجا دکن کجا پاک پٹن۔ قدرت

پرورد گار کو دیکھنا چاہیے کہ مجھ کو دکن سے اور تمکو پاک پٹن سے لایا اور یہ سنجوگ جوڑا۔"

اس غیر معمولی التفات نے آپ کے حاسد پیدا کر دیئے۔ جو پیر بھائی مدت تک حضرت مولانا کی خدمت میں رہنے کے باوجود ایسی عنایت و مہربانی کے مستحق نہیں گردانے گئے تھے وہ آپکے ساتھ مرشد کی بے پایاں محبت اور عزت و احترام کا انداز دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ ایک دن ایسے ہی کسی حاسد نے حضرت مولانا سے کہا کہ :۔

"حضرت! آپ نے جو پنجابی مرید کیا ہے کھرل قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس قوم کے ایک شخص نے جس کا نام مرزا تھا سیال قوم کی ایک خوبصورت لڑکی صاحباں کو اپنے جال میں پھنسا لیا تھا جس کی پاداش میں سیالوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ لہٰذا نور محمد کا یہاں رہنا درست نہیں۔

حضرت مولانا اس داستان پر متبسم ہوئے اور فرمایا کہ مرزا کھرل نے تو سیالوں کی ایک عورت صاحباں کو اپنا دالا و شیدا بنایا تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمارا یہ پنجابی کھرل ایک دنیا کو اپنا گرویدہ بنائیگا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے دیوانہ وار پھریں گے۔

مولانا مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا میں لکھتے ہیں[1]:

"حضرت مولانا را انچہ عنایت بے غایت و الطاف بے قیاس وے مصروف بود بحال احدے از خلفائے خود بنود"۔

یعنی حضرت مولانا شاہ فخرالدین کی جو عنایت بے غایت اور الطاف بے قیاس آپ پر تھا وہ اپنے خلفاؤں میں سے کسی پر نہ تھا۔

شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ نور محمد نے تمام عمر میری مرضی کے

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۵۱۶

خلاف کوئی کام کیا اور نہ کبھی کوئی تکلیف پہنچائی۔

ایک دن حضرت مولانا فخر جہاں نے آپ سے فرمایا کہ:۔

"اے نور محمد خدا کی مخلوق کو تم سے بہت سے کام پڑنے والے ہیں"

خزینۃ الاصفیا میں مناقب فخریہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

دے متعجب شد و در دل تصور ید کہ من بندۂ کمترین پنجابی

ام بایں رتبۂ عظیم کہ آں حضرت بآں بشارت میدہند"

یعنی خواجہ صاحب یہ سُن کر متعجب ہوئے اور سوچنے لگے کہ میں ایک

پنجابی ہوں کسی کے کیا کام آسکوں گا۔

کچھ دن بعد حضرت مولانا نے آپکو خرقۂ خلافت عطا فرما کر حکم دیا کہ اپنے

وطن مہار میں جاکر رشد و ہدایت کا چراغ روشن کرو۔ اس حکم کی تعمیل میں

آپ مہار تشریف لے آئے اور پھر مستقل یہیں سکونت پذیر ہوگئے۔

آنے کو تو حضرت خواجہ مہار تشریف لے آئے اور مولانا نے بھی آپکو

دہلی سے رخصت فرما دیا لیکن یہ جُدائی جہاں مرید کو بہت شاق گذری وہاں

مرشد کے دل میں بھی ہمیشہ اسکی کسک محسوس ہوتی رہی۔ چنانچہ آپ اکثر

اپنے مرید کو یاد کر کے یہ دوہا پڑھا کرتے تھے۔

تن مٹکے مت بھید نا سرت ملول ہار

مکھن لے گیا پنجابی چھاچھ پیو سنسار

مہار شریف میں حضرت خواجہ صاحب نے رشد و ہدایت کا سلسلہ

شروع کیا تو بہت جلد رجوعِ خلق آپکی طرف اتنا ہوا کہ دور دور سے

جویائے حق اس شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے۔ نافع السالکین میں

ہے کہ ہزاروں لوگ جوق در جوق آپکی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپکی زیارت

سے مشرف ہوتے۔

اس کیفیت کا حال خواجہ صاحب نے ایک شخص کے ذریعہ

حضرت مولانا کی خدمت میں دہلی کہلوا بھیجا اور اس شخص سے کہا تم دہلی جاکر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہونا اور سلام کے بعد عرض کرنا کہ حضور کی توجہ سے یہاں روشنی خوب دیکھی۔ وہ شخص دہلی پہنچکر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی زبان میں یوں گویا ہوا

"حضرت جی پیّاں پڑیو اور کہیو اساں روشنی اچھی ڈٹھی"

اس فقرے نے مولانا پر ایک عجیب کیفیت طاری کردی۔ بار بار اس فقرے کو دہراتے اور فرماتے کہ

"میاں نور محمد خوب آدمی ہیں اور انہوں نے ہم سے بہت اچھی نسبت بہم پہنچائی ہے۔"

حضرت مولانا فخر فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ پنجابی میرے پاس نہ آتا تو میں دل میں حسرت لیکر اس دُنیا سے جاتا۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی زبان میں غضب کی تاثیر تھی۔ آپ کے مرید خاص حضرت خواجہ سلیمان تونسوی فرماتے تھے کہ قدرت نے آپ کو ایسی تاثیر عطا فرمائی تھی کہ جو کوئی آپ کا ہاتھ پکڑتا وہ کامیاب ہوکر جاتا۔ ایک دفعہ آپ نے اپنی محفل میں فرمایا کہ جو کسی سے ناراض ہو اسے راضی کرنا چاہیئے۔ یہ الفاظ زبانِ مبارک سے نکلے ہی تھے کہ آپکے مرید حافظ محمد جمال اُٹھے اور اپنے دشمن کے قدموں پر اسے راضی کرنے کیلئے گر پڑے۔

حضرت خواجہ نور محمد کے متعلق تمام تذکرہ نگاروں نے بڑی عقیدت کا اظہار کیا ہے اور نہایت فراخ دلی کے ساتھ آپکے اوصاف و کمالات پر روشنی ڈالی ہے۔

مناقبِ فخریہ میں آپ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"و مظہر اتم و مرید مراداں حضرت و مقبول حضرت اللہ و محب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرشد آفاق ہادیٔ اقوام و

مامور از حضرت رسالت بتربیت خلائق مشغول بحق، فارغ از علائق، مخدومنا و مولانا حضرت نور محمد ست مدظلہ العالی کہ چندیں ہزار کس نعمت از خوانِ او دریافتہ ولذت از مائدہ او چشیدہ"

فخر الطالبین میں آپ کے متعلق یوں گوہر فشانی کی گئی ہے۔

"افتخار درویشاں، مرہم دل ریشاں، سرآمد اتقیا، جامع علوم حیا، صفائے چہرۂ محبوباں، کہربائے دل معشوقاں، مسندِ نشین مسکنت و دانائے سرِ حلقۂ درمندانِ الٰہی۔"

حسین بخش فخری فرماتے ہیں۔

"حضرت مولانا صاحب آں مخصوص خود را خلافت داده طرف سرزمینِ پاک پٹن روانہ نمود، ہرگاہے کہ میاں نور محمد آں جارفتہ سکونت ورزید، مردمانِ آں نواحی از خاص و عام ہزار درہزار از میاں نور محمد تولاّ نمودند و مرید شدند و اکثر از آنہا خلافت نمود و فیض رسانِ خاص و عام گشتند"

واقعہ یہ[1] ہے کہ سرزمینِ پنجاب میں حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے سلسلۂ چشتیہ کی جو داغ بیل ڈالی تھی اسکی سرسبزی و شادابی کا حق حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے ادا کیا اور اپنی تبلیغی کوششوں سے اس خطۂ ارضی میں ایسے ایسے گوہر بے بہا پیدا کئے کہ انکی آب و تاب سے آج تک یہاں کا گوشہ گوشہ جگ مگ جگ مگ کر رہا ہے یہ آپ ہی کے چشمۂ فیض کا نتیجہ ہے کہ آج تونسہ شریف، مکھڈ، گولڑہ، جلال پور، ملتان، چاچڑاں کوٹ مٹھن اور احمد پور کی خانقاہیں مرجعِ خلائق ہیں اور ہزاروں تشنگانِ

---

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو۔

معرفت ان سرچشموں سے سیراب ہو رہے ہیں مناقب المحبوبین میں اس حقیقت کا اظہار یوں کیا گیا ہے۔

"پس اول کسیکہ بعد از حضرت گنج شکر و اولاد و خلفا ایشاں سکہ بریں ملک مذکور زد حضرت خواجہ نور محمد مہاروی بود کہ چنداں فیض ازیں جناب در ملک پنجاب و سندھ وغیرہ انتشار یافت کہ در ہر قریہ و شہر و بلدہ درویشان غلامان آں حضرت و غلامان غلام آں حضرت صاحب ذوق و وجد و سماع و صاحب خانقاہ موجود اند و جوق درجوق گروہ علما ربقہ اطاعت و غلامی آنجناب باعتقاد تمام در گردن خود انداختہ داخل سلسلہ چشتیہ نظامیہ شدند"

حاشیہ بابت صفحہ ۹۵ تحفۃ الابرار جدول ثانی کے صفحہ ۱۱۷ پر حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے اثر و نفوذ کے متعلق یہ نوٹ بطور خاص درج ہے۔

"واضح ہو کہ آپکے یعنی حضرت مولانا نور محمد صاحب کے دہلی سے تشریف لانے کے ماقبل ملک سندھ و مہار شریف و بہاولپور و ملتان وغیرہ گرد و نواح میں سلسلہ قادریہ و سہروردیہ کا بڑا زور تھا۔ بعد حضرت گنج شکر اور ان کے خلفا کے سلسلۂ چشتیہ کا چنداں فروغ نہیں رہا تھا بلکہ اکثر علما اس خاندان کے منکر تھے اور سماع و سرود اور حالت وجد کے حد سے زیادہ منکر تھے اور ذوق و شوق کی نعمت سے محروم تھے۔ پس اول جس نے بعد حضرت گنج شکر اور ان کے خلفا و اولاد کے اس ملک پر سکہ بٹھایا وہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی ہی تھے اور اس آفتاب جہانتاب کے فیض سے ہزارہا ذرہ مثال شمس تاباں ہوئے اور کسی کو انکار سماع اور وجد نہ رہا۔ اور جوق درجوق گروہ علما نے آنکر حلقۂ اطاعت و غلامی آپ کا گردن میں ڈال کر داخل سلسلۂ چشتیہ نظامیہ ہوئے۔"

حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں دہلوی سے خرقۂ خلافت حاصل کر کے جب آپ مہار شریف کیلئے روانہ ہونے لگے تو مرشد نے آپکو یہ پانچ نصیحتیں کی تھیں۔

۱۔ آپ اپنے وطن جا رہے ہیں۔ اگر راستہ میں کوئی افواہ ہماری نسبت مشہور ہو تو راستہ سے واپسی کا قصد نہ کرنا اور پہلے وطن جانا۔

۲۔ اپنے وطن میں ہندوستانی لباس نہ پہننا بلکہ اپنے ملک کا لباس استعمال کرنا

۳۔ اگر کوئی شخص تکلیف دے تو اس کا انتقام نہ لینا بلکہ بھی احسان کرنا۔

۴۔ علما و صلحا کا عموماً اور حضرت گنج شکرؒ کی اولاد کا خصوصاً ادب ملحوظ رکھنا۔

۵۔ آپ کے دامن سے ایک رئیس متوسل ہوگا۔ اس کے لئے ہر وقت دعائے خیر کرتے رہنا کیونکہ ایک والئ ملک کی صحت و سلامتی سے اس کی تمام رعایا کی جو مخلوق خدا ہے بہبودی وابستہ ہوتی ہے۔

آپ نے اپنے مرشد کی نصیحتوں پر دل وجان سے عمل کیا اور تمام مخلوقِ خدا کی خدمت میں خواہ وہ امیر تھا یا غریب کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حضرت شاہ فخر جہاں کی پیشین گوئی کے مطابق نواب بہاول خاں ثانی بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ جن کی اصلاح و بہبود کی طرف مرشد کی ہدایت کیمطابق آپ نے خصوصی توجہ صرف کی۔ یہ آپکی ہی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ان کی ریاست بیرونی و اندرونی خطرات سے محفوظ رہی[۱]۔

---

[۱] یہ زمانہ تمام ہندوستان کے لئے بالعموم اور پنجاب کے لئے بالخصوص بڑی کشمکش اور افراتفری کا تھا۔ ہندوستان میں مرہٹوں نے شورش برپا کر رکھی تھی۔ پنجاب سکھا شاہی کی زد پر تھا۔ سکھوں کے ذہنت ریاست بہاولپور پر بھی تھے وہ کئی بار اس کی سرحدات پر حملے کر چکے تھے۔ ان بیرونی خطرات کے علاوہ اندرونی طور پر بھی ریاست بعض شرپسندوں کے ہاتھوں خلفشار میں مبتلا تھی۔ نواب کے ہی بعض قرابت دار اہل حکومت کا تختہ الٹنے کی فکر میں تھے، ادھر والئ

(باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

آپ مستجاب الدعوات اور سریع الاثر بزرگوں میں سے تھے۔ جس کو آپ کے سلسلے میں خلافت ملتی اس کو ضرور فتوحات ظاہری و باطنی حاصل ہوتیں اور دل غنی ہو جاتا۔ آپ شرع کے پابند اور اوصافِ حمیدہ کے حامل تھے۔ ہر کس و ناکس کے ساتھ خوش خلقی کا مظاہرہ فرماتے۔ طبعاً دنیا داروں کی صحبت پسند نہ تھی تاہم اگر کوئی صاحبِ ثروت از راہِ عقیدت یا حصولِ فیض کی غرض سے آپکی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اسکی ضرور دلجوئی و دستگیری فرماتے۔

ایک مرتبہ آپ نے اپنے مرید حضرت خواجہ محمد عاقل کو یہ تین نصیحتیں فرمائیں:۔

۱۔ یکے آنکہ غصہ بر کسے نکند کہ غصہ جوہری است در باطن و اظہار آں نور معرفت را میراند۔

۲۔ دویم آنکہ اگر کسے در حق احدی شکایت کنند آں را باوّل بالخیر باید نمود

۳۔ سیوم ایں بود کہ محاسبہ در امور نیا بد کرد۔

اور یہی وہ تین اصول تھے جن پر آپ خود بھی ہمیشہ کاربند رہے اور دوسروں کو بھی ان کی تلقین کرتے رہے۔

تیرھویں صدی ہجری اپنے ساتھ ایک دور پُرفتن لیکر آئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب لوگوں میں دین سے بیگانگی بڑھ رہی تھی۔ بزرگوں کا احترام ختم ہو رہا تھا۔

بقیہ حاشیہ

کابل تیمور شاہ اور شاہ شجاع الملک ریاست کو تاخت و تاراج کرنے پر تلے ہوئے تھے، ان گنا گوں مصائب اور چند در چند پریشانیوں سے بچنے کیلئے محض حسنِ تدبیر اور لیاقت و شجاعت ہی کافی نہ تھی۔ اس موقع پر انہیں روحانی دستگیری و رہنمائی کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی جیسے پیر کامل کے دامن سے وابستگی نے ان کی قوت و صلاحیت میں بے پناہ اضافہ کیا اور وہ ہر مشکل سے عہدہ برآ ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

نئے نئے فرقے جنم لے رہے تھے اور بے راہ روی عام تھی۔ حضرت قبلۂ عالم کیلئے یہ صورت حالات سخت سوہانِ روح تھی۔ وہ اکثر مغموم رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی نافع السالکین میں یہ روایت درج ہے۔[۱]

"حضرت قبلۂ مہاروی بحدے مغموم شد کہ ہرگز از طعام یک لقمہ نفرمودند کسے عرض کرد کہ موجب چندیں اندوہ چیست در جواب فرمودند کہ امشب سن سیزدہ شدہ است دریں زمان بسیار حوادث وطرقِ باطلہ خواہند شد و اکثر مردمان خوار شدند و ہلاک شد مگر آنانکہ دامن بزرگان گیرند و درصحبت ایشاں باشند و درود مبارک بسیار خوانند"

ترجمہ:۔ (ایک دن) حضرت قبلہ مہاروی اس قدر مغموم تھے کہ کھانے کا ایک لقمہ تک تناول نہ فرمایا۔ کسی نے آپ سے اس غم و ملال کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ آج رات سے تیرھویں صدی شروع ہوگئی ہے۔ اس زمانہ میں بہت سے حادثات رونما ہوں گے اور باطل فرقے ظہور میں آئیں گے۔ اکثر لوگ ذلیل وخوار اور ہلاک ہوں گے مگر وہ لوگ محفوظ و مامون رہیں گے جو بزرگانِ دین سے اپنی عقیدت وابستہ رکھیں گے۔ انکی صحبت میں بیٹھیں گے اور درود شریف کثرت سے پڑھیں گے۔"

آپ کے خلفا میں حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ، حضرت قاضی محمد عاقلؒ، حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ اور حضرت نور محمد نارووالہؒ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے متعلق مقامی زبان کا یہ قطعہ بہت مشہور ہے۔

---

[۱] نافع السالکین جلد اول (قلمی) ملفوظات حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ مرتبہ مولانا امام الدین تونسویؒ، صفحہ ۳۰

وچ ملتان جمال ڈکھایو
کوٹ مٹھن دے نوں رنگ لایو
حاجی پور وچ نور وسایو
تخت سلیماں سنگھڑ پایو

حضرت کے یہ چاروں خلفا طریقت کے آفتاب و مہتاب تھے۔ ان کے علاوہ حضرت خواجہ غلام حسن بھٹی بھی آپ کے خلفا میں شامل تھے جن کا مزار آپ کے مزار مبارک سے بالکل متصل ہے۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح کے ملفوظات خلاصۃ الفوائد مرتبہ حکیم محمد عمر اور گلشن ابرار مرتبہ خواجہ امام بخش رموز و عرفانیات کے گنج بے بہا ہیں۔ ان کے اردو تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ چند جواہر ریزے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ کامل انسان جانِ عالم ہے اور اس کا مرجانا فنائے عالم ہے۔

۲۔ جس شخص سے خلقِ خدا خوش ہو اس سے حق تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے۔

۳۔ فنائے عام کے معنی نفی خاطر ہیں۔ عام لوگوں سے یہی پرسش ہوگی کہ اپنے ظاہر و باطن کو اتباعِ شریعت سے آراستہ کیا تھا یا نہیں۔

۴۔ فقیر کا کام ہر ایک کیلئے دعا کرنا اور ہر شخص کیلئے نیک خواہش کرنا ہے۔ آگے جو اسکی قسمت ہو۔

۵۔ علمائے وقت حلال کھانے کیلئے بہت کوشش کرتے ہیں مگر بھینس کا دودھ مل جائے تو سیر ہو کر دو کٹورے پی لیتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ قلت طعام و منام و کلام و ترک صحبت مع الانام زیادہ ضروری ہیں۔

---

[1] حافظ مولانا محمد جمال ملتانی رح ـــــ ایک دن بمقام دہلی ذکر ہوا کہ ملتان میں تصرف کسی ولی کا یہ عظمت حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رح پیش نہیں جاتا اور کوئی شخص وہاں بیعت نہیں کرتا۔ حضرت مولانا فخر رح نے فرمایا میاں نور محمد ابتک

باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو۔

آپ کا سالہا سال یہ عمل رہا کہ ہر جمعہ کو چالیس میل کی مسافت طے کر کے پا پیادہ مہار سے پاک پٹن تشریف لے جاتے اور وہاں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مزار پر خاص ختم پڑھتے۔ جب اس مجاہدے میں ضعف مانع ہوا تو آپ پاک پٹن کے بجائے خانقاہ تاج سرورؒ پر جانے لگے۔

بقیہ حاشیہ صفہ

ولایت ملتان میں بہاؤ الحق صاحب کی تھی لیکن اب ملتان ہمارے حوالے ہوگیا ہے لازم ہے کہ کسی کو اپنے مریدوں میں سے وہاں بھیجو کہ وہ عین خانقاہ حضرت بہاؤ الدینؒ کے سامنے لوگوں کو بیعت کرے اور نصرت اپنا کرے۔ چنانچہ قبلۂ عالمؒ نے حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ کو بسمت ملتان روانہ فرمایا جنہوں نے سب سے پہلے حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوریؒ کو خانقاہ حضرت بہاء الحق میں مرید کیا جو آپ کے خلفائے نامدار میں ممتاز تھے (تحفۃ الابرار حصہ دل ثانی بحوالہ مناقب المحبوبین صفہ ۱۲۲)

۲ـ حضرت قاضی محمد عاقلؒ ــــــ آپ عالم باعمل اور صاحب کشف وکرامت تھے۔ آپکی اولاد میں بھی تواتر کے ساتھ کئی ولی اللہ ہوئے۔ مشہور سرائیکی شاعر خواجہ غلام فریدؒ آپکے پڑپوتے تھے۔ آپ کی تعریف میں بہادر شاہ ظفر کا یہ شعر مشہور ہے۔

صحبت پیر مغاں ہمکو خوش آئی ہے ظفر ہم ہیں عاقل ربط عاقل سے دلی رکھتے ہیں ہم

آپ کا مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔

۳ـ حضرت خواجہ نور محمد ثانیؒ نارووالہ ــــــ بہت بڑے عالم اور صاحب حال بزرگ تھے۔ حضرت قبلۂ عالم کے مریدوں میں خلافت کا شرف سب سے پہلے آپکو ہی حاصل ہوا۔ آپ کے متعلق قبلۂ عالم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میاں نارووالہ سے بوئے شکر بار آتی ہے۔ آپ کے ملفوظات خیر الاذکار کے نام سے مولوی محمد صاحب گھلوی نے مرتب کئے تھے۔ جن کا مزار موضع ٹھٹھ گھلواں تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان میں ہے۔ خیر الاذکار قلمی نسخہ ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو)

ایک[3] دن آپ مزار حضرت شیخ تاج الدین کے پاس کھڑے تھے کہ کچھ لوگ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ مینہ کے لئے دعا فرمائیں۔ ان دنوں خشک سالی کا عالم تھا اور لوگ سخت پریشان تھے۔ چنانچہ آپ نے بڑی الحاح وزاری کے ساتھ مزار مبارک کے قریب کھڑے ہوکر دعا مانگی۔ ابھی دعائیہ کلمات ختم ہوئے تھے کہ آسماں پر بادل چھاگئے اور تھوڑی دیر بعد اتنی موسلادھار بارش ہوئی کہ آپ خود بھی بھیگے ہوئے گھر پہنچے۔

آپ کے تعلقات تمام اکابر صوفیا سے تھے۔ حضرت مولانا فخرالدین کے مرید نواب غازی الدین حیدر جو آپکے پیر بھائی تھے اکثر آپ سے ملاقات کے لئے مہار آیا کرتے تھے۔ یہ وہی نواب غازی الدین ہیں جن کے مدرسہ میں ابتداً خواجہ صاحب نے مولوی برخوردار جی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔ انھوں نے ایک مثنوی بھی لکھی تھی جس میں آپ کے اوصاف و محامد بیان کئے تھے ان مدحیہ اشعار کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

ذکر نور محمد آں ہمہ نور	گر نوبسیم جہاں شود پر شور
حق کہ ایں عالم است آبا تش	آمد اطلاق نور بر ذاتش

بقیہ حاشیہ صفحہ

[4] حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ ——— آپ مادرزاد ولی تھے۔ شریعت کے سخت پابند تھے قبلۂ عالم کی آپ پر خاصی نظر کرم تھی۔ مرشد کامل سے آپکے تعلق خاطر کا یہ عالم تھا کہ سال میں نو ماہ اپنے وطن میں رہ کر عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے اور تین ماہ مہار شریف میں قیام فرماتے کبھی کبھی نو نو ماہ اور چھ چھ ماہ بھی آپ نے مرشد کی خدمت میں گذارے اور فیض روحانی حاصل کیا۔ قبلۂ عالم کی وفات کے بعد بھی آپ کا یہ معمول رہا۔ سال میں کم از کم دو ماہ آپ مزار مبارک پر حاضر ہوکر اعتکاف کیا کرتے تھے۔

[1] یہ خانقاہ حضرت شیخ تاج الدین کی ہے، جو حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے پوتے تھے۔ اس وقت جہاں چشتیاں آباد ہے یہ جگہ پہلے اس خانقاہ کی وجہ سے قریہ تاج سرور کے نام سے مشہور تھی۔

[2] گلشن ابرار صفحہ ۱۰۴

ہست نورِ محمدی زاں نور | زاں زبل آں خودش نمودہ ظہور
ہیکر او نمام پیکرِ جاں | ہست معنش راست گوہر جاں
شد زمانیکہ جانش آگہ حال | طائرِ شوقِ دل کشادش بال

ان کے علاوہ خواجہ محکم الدین سیرانی علیہ الرحمۃ سے آپکے بڑے دوستانہ روابط تھے۔ یہ دونوں بزرگ جو اوائل عمر میں ہمدرس بھی رہے تھے ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ پیدل کہیں جا رہے تھے۔ اتفاقاً حضرت قبلۂ عالم کا بھی وہاں سے گذر ہوا۔ آپ نے فوراً اپنا گھوڑا سیرانی صاحب کو پیش کر دیا۔ حضرت سیرانی کا بیان ہے کہ اس کے بعد انہیں پھر کبھی پیدل سفر کرنے کی تکلیف اٹھانی نہیں پڑی۔

آخری عمر میں حضرت قبلۂ عالمؒ کو دو صدموں سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلا صدمہ مرشد کی وفات کا تھا جس نے آپکو انتہائی مضمحل اور کمزور کر دیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد آپکے مرید خاص حضرت نور محمد ثانیؒ نارووالہ جن سے آپکو بجد تعلق خاطر تھا داغ مفارقت دے گئے۔ ان صدموں نے آپکے دل پر اتنا اثر کیا کہ آپ ہر وقت خاموش رہنے لگے۔ کچھ دن پہلے آپکو مرض نقرس لاحق ہو گیا تھا پھر بخار میں مبتلا ہو گئے اور روز بروز حالت متغیر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ یہ آفتابِ ولایت جس نے ۶۳ سال تک اپنے نور عرفاں سے اس دنیائے تیرہ و تار کو منور کیے رکھا تھا خود ۳ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو غروب ہو گیا۔ نواب غازی الدین نے یہ تاریخ لکھی۔

حیف داو یار جہاں بے نور گشت

۱۲۰۵ھ

آپ کی عمر کے ۶۳ سالوں کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دورِ حصولِ تعلیم کا ہے جس میں ۲۰ سال صرف ہوئے۔ دوسرا دور کسبِ کمالات باطنی کا ہے جو ۲۶ سال کے عرصے پر محیط ہے۔ اس میں ۲۱ سال وہ بھی شامل ہیں جو خدمتِ خلق کے سلسلے میں بعد حصولِ خرقۂ خلافت آپنے بسر کیے۔ آخری

دور کی مدت ۶ سال اور چند ماہ بنتی ہے۔ یہ مرشد کی وفات کے بعد کا دور ہے جو کرب، بے چینی، استغراق اور محویت سے عبارت ہے۔

آپ نے اپنے پیچھے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں، صاحبزادوں میں بڑے شیخ نور الصمد تھے۔ جنکی بیعت حضرت شاہ مولانا فخرالدین سے تھی دوسرے صاحبزادے شیخ نور الحسن تھے جو حضرت قاضی محمد عاقل کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ سجادگی کا سلسلہ حضرت شیخ نور احمد کی اولاد میں چلا آتا ہے حضرت خواجہ نور جہانیاں اسوقت زیبِ سجادہ ہیں۔

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی قبلۂ عالم علیہ الرحمۃ کا مزار مبارک چشتیاں ریلوے اسٹیشن سے پون میل کے فاصلے پر شمال مغرب کی طرف ہے۔ آپ کے مزار مبارک کی وجہ سے ہی اس ساری بستی کا نام چشتیاں مشہور ہے۔ خانقاہ مبارک کا بیرونی دروازہ ملتان کی کاشی گری کی صنعت کا نمونہ ہے۔ دروازے سے اندر داخل ہوں تو ایک وسیع میدان آتا ہے جس کے شمالی جانب مزار مبارک ہے۔ آپ کے صاحبزادگان کے مزارات بھی آپ کے پہلو میں ہیں۔ خانقاہ کے مشرقی جانب ایک وسیع مجلس خانہ ہے جس کے سات دروازے ہیں مجلس خانہ کے سنگین ستون ہیں۔

خانقاہ کے مشرقی جانب آپ کے پوتوں متوسلین اور دیگر عقیدتمندوں کے مزارات ہیں۔ خانقاہ سے متصل ایک وسیع و عریض مسجد ہے جو نواب صادق محمد خاں چہارم نے تعمیر کرائی تھی، بعد میں اس مسجد کی مزید توسیع نواب احمد یار خاں خاکوانی رئیس ملتان نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی کی تحریک پر کی۔ حضرت کی وفات کے ۸ سال بعد حضرت قاضی محمد عاقل نے مزار مبارک پر گنبد تعمیر کرایا۔ مجلس خانہ کی بیرونی دیواریں حافظ محمد جمال ملتانی نے تعمیر کرائیں اور خانقاہ کے دروازوں کی محراب اور مزار مبارک کے مینارے جو رو پہلی ہیں نواب بہاول خاں ثالث نے گیارہ ہزار روپے کے مصرفہ سے بنوائے تھے۔ خانقاہ کے دروازے کی دہلیز بھی جو نہایت قیمتی ہے نواب صاحب مذکور نے نذر کی تھی۔ اس دہلیز

پر یہ عبارت درج ہے :

یا اللہ

"این دہلیز شریف خانقاہ معلی حضرت خواجہ نور محمد صاحب نذر
گذارا بندہ بندۂ عاصی محمد رحیم یار المعروف محمد بہاول خاں عباسی
ثالث بالخیر عفی عنہ ۱۲۶۶ھ"

مزارات کے تعویذ سنگ مرمر کے ہیں جو حافظ محمد موسیٰ تونسوی نے بنوائے تھے۔ خانقاہ کے اندرونی حاشیہ کو ولایتی رنگ دار شیشوں سے مزین کیا گیا ہے جس کے قبہ میں طلائی اور رنگین قلم سے عربی رسم الخط میں شجرۂ عالیہ تحریر ہے۔ گنبد کے گول دائرے میں نہایت خوبصورت خط میں بزرگانِ سلسلہ کے نام اور بعض دعائیہ کلمات تحریر ہیں۔

خانقاہ مبارک کے باہر ایک پختہ اور عالیشان عمارت ہے جو حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رح کے سجادگان نے عرس کے ایام میں اپنے قیام کی غرض سے تعمیر کرائی ہوئی ہے۔ اس کے قریب ہی ایک بہت بڑی سرائے ہے جو زائرین کی رہائش کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ سرائے نواب بہاولپور نے بنوائی تھی۔

۳ ذوالحجہ کو آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں معتقدین دور دور سے آکر شرکت کرتے ہیں۔

آپ کے متعلق بہت سے شعراء نے مدح سرائی کی ہے۔ منجملہ دیگر شعراء کے خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ نے آپکی خدمت میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے وہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

ساڈا دوست دلبر دا نور محمد خواجہ — ڈھولا یار جھینڈا نور محمد خواجہ
ساری ساڈی شرم بھرم دا — تیڈے گل وچ لاجا
عرب دی تیڈی عجم دی تیڈی — سندھ پنجاب دا راجہ

زمین زمن وچ وجدا گجدا فیض تینڈڑے دا واجہ
قدم تینڈڑے وچ لوں من بھاگم انگن میرے پون پا جا
دلبر جانی یوسف ثانی موہن مکھ ڈکھلا جا
نوشہ شہر مہار دا بنڑا سکدی کوں گل لا جا

نین فرید دے درس پیاسے
آ جاناں ترسا جا

ترجمہ: خواجہ نور محمدؒ ہمارے دلوں کا دوست اور ہمارا محبوب و مطلوب ہے۔
ہمارے سب شرم بھرم کی لاج آپ کے گلے ہیں ہے۔
اے سندھ اور پنجاب کے بادشاہ عرب و عجم بھی تیرے ہی حلقہ بگوش ہیں تو قطب مدار ہے۔
تیرے فیض کا باجا سارے زمانے میں اور ساری زمین پر بج رہا ہے۔
تیرے قدم میں بے انتہا سعادت ہے میرے صحن خانہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔
اے دلبر جانی اور اے یوسف ثانی اپنا دلکش چہرہ ہمیں دکھا جا۔
اے شہر مہار کے دولہا آ اور اس چاہنے والی کو گلے سے لگا جاؤ۔
فرید کی آنکھیں دیدار کی پیاسی ہیں، آؤ اور اب زیادہ نہ ترساؤ۔
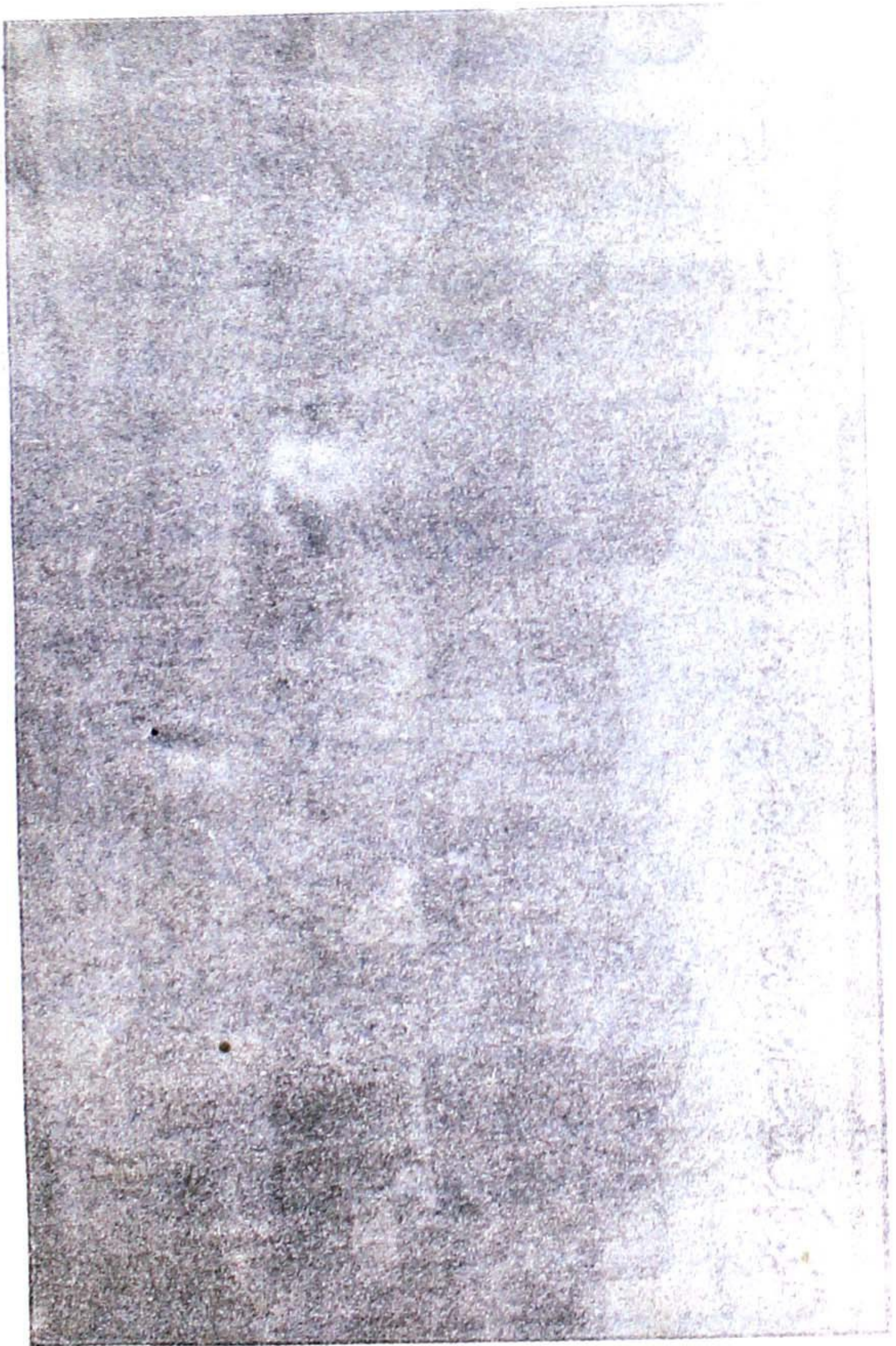
حضرت خواجہ محمد عاقل رح

قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح کے خلفا میں جس بزرگ نے سابق ریاست بہاولپور اور اس کے نواحی علاقوں میں رشد و ہدایت کی شمع فروزاں کو تا دیر روشن رکھا وہ حضرت خواجہ محمد عاقل علیہ الرحمۃ کی ذات بابرکات ہے۔ آپ اور آپ کے خاندان کے مدفن و مقابر اگرچہ کوٹ مٹھن (ضلع ڈیرہ غازیخاں) میں ہیں لیکن اس خانوادے کے اکثر بزرگوں کا مسکن بہاولپور کا مشہور قصبہ چاچڑاں رہا ہے۔ علاوہ ازیں اس خانوادے کے فیوض و برکات کے نشانات سندانی گڑھی اختیار خاں اور احمد پور شرقیہ میں جو سابق ریاست بہاولپور کی حدود میں واقع ہیں اب بھی باقی ہیں اس لئے اس کتاب کو آپ کے ذکرِ جمیل سے محروم نہیں رکھا جا سکتا۔

حضرت خواجہ محمد عاقل کے اجداد میں جن کا سلسلہ نسب حضرت فاروق اعظم رض سے ملتا ہے تواتر سے بڑے بڑے ولی اللہ اور پاکباز بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ یحییٰ بن مالک جو ناصر بن عبداللہ بن عمر کے پڑپوتے تھے پہلے پہل سندھ میں آ کر آباد ہوئے تھے۔ وہاں سے کچھ افراد خاندان ملتان اور ڈیرہ غازی خاں منتقل ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد مخدوم محمد شریف نے یارا والی کے رئیس مٹھن خاں بلوچ کی خواہش پر وہاں قیام فرمایا جہاں اب کوٹ مٹھن آباد ہے۔ آپ کا مستقر بننے کے بعد اس جگہ کی رونق دوبالا ہو گئی مخدوم محمد شریف صاحب مجد و شرف اور عالم باعمل تھے۔ آپ کے گھر میں خواجہ محمد عاقل ۱۱۵۱ھ میں پیدا ہوئے علمی گھرانے کا یہ چشم و چراغ بھی علوم متداولہ سے بہرہ ور ہوا اور حدیث و فقہ میں وہ مقام حاصل کیا جس کا بقول

صاحب تکملہ سیر الاولیاء شرق و غرب میں کوئی ثانی نہ تھا حکیم خواجہ گل محمد احمد پوری تحریر فرماتے ہیں :

خلوص علم از اصول و فروع بآں شابہ بود کہ بدرجہ اجتہاد رسیدہ بود معہذا جزئیات مسائل را آنقدر یاد داشت کہ کسے حادثہ نیامدہ کہ خبرے مسلمان حضرت از کتاب نشان ندادہ باشد ۔[1]

آپ کو درس و تدریس سے خاص شغف تھا۔ کوٹ مٹھن کے علاوہ شہداتی میں بھی جہاں آپکی آمد و رفت کا سلسلہ قائم تھا آپ نے طلباء کیلئے مدرسے جاری کئے ہوئے تھے۔ قابل علما ان مدرسوں میں مقرر تھے۔ خود بھی طلباء کو درس دیا کرتے تھے۔ روحانیت کی منازل آپ نے قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کی رہنمائی میں طے فرمائیں اور تزکیہ نفس اور عبادت و ریاضت اس درجہ کی کہ بہت جلد مرتبہ کمال کو پہنچ گئے۔ حافظ محمد جمال ملتانی فرمایا کرتے تھے کہ[2]

ذات فیض آیات ایسا مجاہدہ کرتے تھے کہ متاخرین میں سے کسی نے کم کیا ہوگا۔ یعنی بوقت نیم شب بیدار ہوکر بعد تہجد تا صبح ذکر جہر میں مشغول رہتے تھے۔ پھر بعد نماز ظہر تا عصر ذکر جہر کرتے تھے۔ آپ کا یہ معمول تاحیات رہا۔

حضرت قبلہ عالم کو آپکے ساتھ بیحد تعلق خاطر تھا۔ مرشد کی معیت

---

[1] تکملہ سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۹

گل محمد احمد پوری حضرت خواجہ محمد عاقل کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپنے اپنے مرشد کے ملفوظات اور انکے خاندان کے حالات تکملہ سیر الاولیاء کے نام سے مرتب کئے تھے جو راقم الحروف کے دادا سید میر حسن رضوی نے اپنے مطبع رضوی دہلی میں طبع کئے تھے (شہاب)

[2] مناقب فریدی مرتبہ مرزا احمد اختر خلف اکبر محمد دارالبخت میراں شاہ ولیعہد ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی صفحہ ۵۲

ہیں آپ متعدد بار اپنے دادا پیر محب نبی حضرت خواجہ فخرالدین علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور ان سے بھی فیض باطنی حاصل کیا۔ وہ بھی آپ پر بیحد مہربان تھے۔ ان کی وساطت سے آپکے روابط شاہی قلعے سے بھی ہو گئے۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر آپ کے تقویٰ اور عبادت سے بہت متاثر ہوئے اور آپکے علوئے مراتب کو دیکھ کر اکبر شاہ ثانی نے شاہزادہ جہاں خسرو اور کاؤس شکوہ کو آپکا مرید کرا دیا۔

حضرت مولانا فخرالدینؒ نے بوقت رخصت آپکو چار کتابیں مرحمت فرمائیں ایک مکتوبات حضرت عبدالقدوس گنگوہی جس پر حضرت مولانا کے اپنے دست مبارک کا حاشیہ ہے۔ دوسری مطول، تیسری سواء السبیل اور چوتھی چند نسخوں کا مجموعہ جس میں لوائح جامی، اس کی شرح، قصیدہ حمزیہ، شرح رباعیات جامی ولوامع وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت خواجہ محمد عاقل بیحد کریم النفس، خوش خلق اور منکسر المزاج تھے۔ ہر کس و مہ سے انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے اور حتی الامکان ہر شخص کی امداد و اعانت کرتے۔ آپنے ۸ رجب المرجب ۱۲۲۹ھ کو سندانی میں وفات پائی اور کوٹ مٹھن میں راحت گزین ابدی ہوئے۔ آپ کے خلفا میں حضرت مولانا خدا بخش، حضرت خواجہ سلطان محمود، حضرت خواجہ حکیم گل محمد احمد پوری، حضرت مولوی نور محمد اور حضرت مولوی عبداللہ کھبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں[1]

حضرت میاں احمد علیؒ

حضرت خواجہ محمد عاقل کے بعد ان کے فرزند میاں احمد علی مسند سجادگی پر بیٹھے۔ آپ بڑے متبحر عالم تھے۔ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ جیسے بزرگ آپکے تلامذہ میں شامل تھے۔ مرزا احمد اختر مناقب فریدی میں لکھتے ہیں[2]

"خلق محمدی تو گویا پروردگار عالم نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ اوائل

---

[1] ، ص ۵۸ ۔ [2] مناقب فریدی صفحہ ۶۸-۶۷

عمر میں بڑے جفّار تھے مگر آخر میں اسکو ترک فرمایا تھا اور مجاہدے کو بکمال پہنچا کر بمرتبہ ولایت فائز ہوتے تھے۔
آپکو حضرت قبلۂ عالمؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ قبلۂ عالمؒ خواجہ محمد عاقلؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ[1]

"احمد علی میرا ہے۔ اسکی طرف سے مطمئن رہو کہ اللہ تعالیٰ اسکو بدرجہ کمال پہنچائے گا۔"

خواجہ گل محمدؒ تحریر فرماتے ہیں کہ[2]

"ایک روز خلوت میں بندے سے ارشاد فرمایا کہ بعد وصال حضرت سلطان الاولیاء (حضرت خواجہ محمد عاقل) کے پروردگار عالم نے ساتویں دن اپنی عنایت بے غایت سے مجھکو مقصود پہنچایا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔"

آپ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد صرف ایک سال ایک ماہ اور چند دن زندہ رہے اور ۱۹ شعبان المعظم ۱۲۳۱ھ کو رحلت فرمائی۔ مزار آپ کا بھی کوٹ مٹھن میں ہے۔

حضرت خواجہ خدا بخشؒ

آپ حضرت میاں احمد علیؒ کے صاحبزادے اور حضرت خواجہ محمد عاقلؒ کے خلیفہ نامدار تھے۔
آپکی والدہ ماجدہ جو حضرت مولانا قاضی نور محمد اعظم بزرگوار حضرت میاں احمد علی کی صاحبزادی تھیں حضرت قبلۂ عالم سے شرف بیعت رکھتی تھیں۔ حضرت قبلۂ عالم نے دعا فرمائی تھی کہ آپ کے بطن سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ نہایت صالح، متقی اور صاحب جود وسخا ہوگا۔ اور شرق سے غرب تک اس کا فیضان جاری ہوگا۔ حضرت کی یہ دعا قبول ہوئی۔ خواجہ خدا بخش واقعی فخر خاندان ثابت ہوئے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد تئیس ۲۳ سال کی عمر میں زینت آرائے سجادگی ہوئے۔ اویسی طریقے کے مطابق حضرت مولانا فخر جہاں سے فیوض

---

[1] مناقب فریدی صفحہ ۶۷۔ [2] تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۵۴۔

باطنی حاصل کئے۔ آپ کا لنگر بیحد وسیع تھا۔ کہتے ہیں کہ روزانہ صرف مہمانوں کے گھوڑوں کے لئے بارہ من دانہ صرف میں آتا تھا۔

خواجہ خدا بخش خود بھی پابند شرع تھے اور دوسروں کو بھی سنتِ نبویؐ کی پیروی کی تلقین کرتے تھے آپکی یہ کرامت تھی کہ جس کو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی ہدایت فرمائی وہ پکا مسلمان ہوگیا۔

یہ زمانہ پنجاب میں سکھ گردی کا تھا۔ ڈیرہ غازی خاں بھی انکی دستبرد سے نہ بچ سکا تھا۔ اہلِ اسلام پر عرصۂ حیات تنگ تھا۔ ارکانِ اسلام کی ادائگی تک ان کے لئے مشکل ہوگئی تھی۔ اس صورتِ حالات سے دل برداشتہ ہوکر آپنے یہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا۔ جب یہ خبر نواب صادق محمد خاں اول کو ملی جو آپ کے حلقہ بگوشوں اور ارادتمندوں میں سے تھے تو انہوں نے آپکو علاقہ بہاولپور میں قیام فرمانے کی استدعا کی۔ چنانچہ آپ نواب صاحب کے اصرار پر چاچڑاں میں اقامت گزیں ہونے پر رضامند ہوگئے۔ یہ بستی دریا کے دوسرے کنارے پر کوٹ مٹھن کے قریب تھی۔ نواب صاحب نے اخراجات لنگر کیلئے کچھ مواضع نذر کرنے چاہے جنہیں آپ نے یہ کہکر قبول کرنے سے انکار کردیا کہ "جب زمینداری ہوگی تو مالگذاری وغیرہ کے امور بھی پیش آئیں گے اور کبھی نہ کبھی عدالت تک بھی جانا ہوگا۔ لہٰذا ان کاموں میں مصروف ہوئے تو پھر فقیری کہاں"؟

بہرصورت حضرت خواجہ خدا بخش کی آمد سے چاچڑاں میں چار چاند لگ گئے۔ پہلے یہ جگہ بے رونق تھی۔ اب وابستگانِ خانوادہ عالیہ کی آمد و رفت سے یہاں خوب چہل پہل ہوگئی۔ علماء و صلحا نے بھی ادھر کا رخ کرنا شروع کردیا۔ کسی شاعر نے چاچڑاں کی اسی علمی و روحانی برکات کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

فقر گر خواہی برو در چاچڑاں ہست محکم فیضِ حق سرکار ما

— پیا —

بن گیا کامل جو پہنچا چاچڑاں ‏ ‏ ‏ میرے مرشد کا عجب دربار ہے

آپکے بیشمار خوارق مشہور ہیں۔ ویسے آپکی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ ہر حاجتمند کے کام آتے تھے۔ غریبوں، محتاجوں کی دستگیری کرتے تھے اور گم گردہ راہوں کو راہِ مستقیم پر لگاتے تھے۔

آپ کا وصال ۱۲ ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ کو ہوا۔ مزار مبارک کوٹ مٹھن میں ہے۔ مناقب فریدی میں تاریخ وفات کا یہ قطعہ درج ہے۔

چو شیخ رخت بستی زیں جہاں برد ‏ ‏ ‏ بوصل حق مشرف گشت در خلد
چو کردم فکر تاریخ وصالش ‏ ‏ ‏ ندا آمد جوارحنا لد خلد

حضرت خواجہ تاج محمودؒ

آپ حضرت خواجہ میاں احمد علیؒ کے دوسرے فرزند یعنی حضرت خواجہ خدابخش کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ کے متعلق تکملہ سیر الاولیا میں لکھا ہے[1]:

"اللہ تعالیٰ آں ذات را مظہر عشق ساختہ دیگیں وجود شریف خود را در راہِ حق سبحانہٗ باختنہ۔"

مناقب فریدی میں مرزا اختر لکھتے ہیں[2]:

"حضرت اسم بامسمیٰ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انکو بیشک محمود ہی پیدا کیا تھا۔ نہایت پاک طینت بابرکت صاحب نسبت زہد و تقویٰ عاشق محمدی صلوٰۃ اللہ علیہ وسلم اور صاحب سلسلہ گذرے ہیں۔ آپ کے بھی مزار اور خاندان سے فیضِ عام جاری ہے۔"

آپ جذب وکیف کی نعمت سے مالا مال تھے۔ قوالی بہت مرغوب تھی اور اکثر اس میں آپ پر حال وارد ہو جاتا تھا۔ حضرت خواجہ خدابخش کی اولادسی

---

[1] تکملہ سیر الاولیا صفحہ ۱۵۵ ‏ ‏ ‏ [2] مناقب فریدی صفحہ ۶۸

آپکو خاص تعلق خاطر تھا، چنانچہ خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کی رسم بسم اللہ آپ نے ہی ادا کی تھی آپکی اولاد نے شدانی میں سکونت اختیار کر رکھی تھی، اس لئے شدانی میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ آپ اور آپکی اولاد سے جاری ہوا۔

آپکی اولاد میں خواجہ غوث بخش، خواجہ غلام رسول عرف گمن سائیں خواجہ ہوت محمد، خواجہ محمد عبداللہ اور خواجہ غلام غوث عرف بگن سائیں یکے بعد دیگرے سجادہ رہے۔ مزار آپ کا بھی کوٹ مٹھن میں ہے۔

حضرت خواجہ غلام فخر الدینؒ

آپ حضرت خواجہ خدا بخش علیہ الرحمۃ کے فرزند اکبر تھے۔ والدین کے انتقال کے بعد چونتیس ۳۴ سال کی عمر میں صاحب سجادہ ہوئے۔ اپنے والد گرامی کے تربیت یافتہ، نماز روزہ کے پابند اور زہد و تقویٰ کی تصویر مجسم تھے۔ اپنے بزرگوں کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے آپ نے بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، حدیث تفسیر اور فقہ سے آپکو خاص شغف تھا سماع کے بہت دلدادہ تھے لیکن آداب سماع کا بیحد خیال رکھتے تھے اور کسی ایسے شخص کو محفل سماع میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے جو اس کا اہل نہ ہو۔

مرزا اختر مناقب فریدی میں تحریر کرتے ہیں کہ[1]

"یہ حضور کا تصرف تھا کہ جو شخص داخل سلسلہ عالیہ ہوتا فسق و فجور اور منہیات کو ترک کرکے تائب ہوتا بلکہ طبع اسکی راغب باورا د و ظائف ہوتی اور ایک محبت مولیٰ دل میں پیدا ہو جاتی تھی۔

"حضرت کی ذات بابرکات اسم بامسمیٰ اور موصوف بہ صفات فخریہ نظامیہ تھی۔

"ایک یہ کہ جو شخص حضرت کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا رقیق القلب ہو جاتا۔ ایک کرامت یہ تھی کہ کبھی کسی مرید کو عرض حال کرنے کی

---

[1] مناقب فریدی صفحہ ۸۸

حاجت نہوتی۔ اس سے پہلے کہ وہ عرض کرے حضور اسکی حاجت روائی فرما دیتے۔"

آپ شاعر بھی تھے اور اوحدی تخلص کرتے تھے۔ فارسی غزلیات کا ایک مکمل دیوان آپ نے چھوڑا ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر آپکی بعض غزلوں میں سے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

چو خورشید جمالت گشت پیدا — بچشم عاشقاں کردی تماشا
چو دریائے حقیقت گشت در جوش — ندارد با ہمہ عالم تمنا
ہرانکو حسن رویت دید یکبار — گہے از طور سینا گہ ز بطحا
عشق بازی نہاں بخود سازی — گاہ خود را ز خود کنے مہجور
شاہد حسن بہیں ز پردۂ غیب — دو جہاں را بیک نگہ مخمور

اندر حریم وصلش ہر کس کہ راہ یابد — در ذوق خاک کویش باغ جناں نگنجد
گر طالب وصالی فارغ ز جسم و جاں شو — تیرے بجاں رسیدہ کاں در کماں نگنجد

والیانِ ریاست بہاولپور کو آپکے خانوادے سے حد درجہ عقیدت تھی۔ وہ آپکی کفش برداری کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ انکی خواہش تھی کہ خانقاہ شریف کے لنگر کی ضروریات کیلئے کچھ اراضی آپکی نذر کریں۔ ہر چند آپکے بزرگوں نے نوابوں کی اس پیش کش کو منظور نہیں کیا تھا لیکن حضرت خواجہ غلام فخرالدینؒ کو نواب فتح یار محمد خاں نے کسی طرح آمادہ کرلیا۔

آپ نے ۵ رجمادی الاول ۱۲۸۸ھ کو اس دنیا سے کوچ فرمایا۔ مزار والد ماجد کے پہلو میں کوٹ مٹھن میں ہے۔

حضرت خواجہ غلام فریدؒ

حضرت خواجہ غلام فخرالدینؒ کی وفات کے بعد اُنکے چھوٹے بھائی حضرت خواجہ غلام فرید زینتِ سجادہ ہوئے۔ تیرھویں اور چودھری صدی ہجری کے مشائخ کرام میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ اس دور میں خانوادہ چشتیہ نظامیہ فخریہ کو آپکی ذات سے بیحد فروغ ہوا۔ آپ کا حلقہ ارادت کافی وسیع تھا جس میں عامۃ الناس کے علاوہ امرا اور والیانِ ریاست بھی شامل تھے۔ آپکو خدا نے نگاہِ کیمیا اثر عطا کی تھی، جو شخص ایک بار آپ سے آنکھ ملا لیتا وہ ہمیشہ کیلئے آپکا ہو جاتا۔ آپ بیحد وسیع القلب تھے منکسر مزاج اور فراخ حوصلہ تھے۔ آپکی پرورش نوابی محل میں ہوئی تھی، نواب محمد صادق خاں رابع آپکے مرید صادق تھے اور آپکی خدمت بالکل غلاموں کی طرح کرتے تھے۔

خواجہ صاحب کو علومِ متداولہ پر عبور حاصل تھا، علمائے دین کی آپ کے دل میں بڑی قدر و منزلت تھی، خدا کا خوف، نبیؐ کی محبت اور خلقِ خدا کا درد آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ طریقت کو شریعت سے جدا نہیں سمجھتے تھے سماع کے شائق تھے لیکن اس سلسلے میں آپکی رائے یہ تھی۔

"اگر سماع خدا سے لو لگانے کا باعث بنے تو جائز اور اگر اس سے
کوئی دوسرا جذبہ پیدا ہو تو نا جائز۔"

آپ اپنے بڑے بھائی خواجہ غلام فخرالدین کے مرید تھے اور مرشد سے آپکی محبت مثالی تھی۔ فی الحقیقت اس معاملے میں آپ نے فنا فی الشیخ کی منزل طے کی تھی۔

خواجہ صاحب روحانیت کے بلند مدارج پر فائز ہونے کے علاوہ شاعر شیریں بیاں بھی تھے۔ ملتانی۔ بہاولپوری (سرائیکی) زبان میں آپکی کافیوں کا دیوان وجد و عرفان کا ایک دفتر ہے۔ اردو اور فارسی میں بھی آپنے شعر لکھے ہیں۔ اردو کا تو ایک مکمل دیوان بھی ہے لیکن درحصل ان کا اصل میدان سرائیکی ہی تھا۔ اس میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں۔

خواجہ صاحب کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مقامی رنگ پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے۔ چونکہ آپ کا تعلق سابق ریاست بہاولپور سے تھا جس کا ایک تہائی حصہ ریگستان (روہی) پر مشتمل ہے اس لئے اس پسماندہ علاقے سے آپکی دلچسپی ایک قدرتی امر تھا۔ آپ نے مجاہدہ و ریاضت کیلئے بھی اس سرزمین کو منتخب کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپکی شاعری کے پس منظر میں یہی جلوہ فرما نظر آتی ہے۔ تشبیہات و استعارات بھی وہی استعمال کئے ہیں جو اس خطہ ارضی کی خصوصیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

خواجہ صاحب کو سیر و سیاحت کا بیحد شوق تھا۔ آپ نے ہندوستان کے تمام مشہور مقامات کی سیر اور اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینے کے علاوہ سعادت حج بھی حاصل کی تھی جس میں مریدوں اور معتقدوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ہمراہ تھی عام سفروں میں بھی مریدین کی ایک جمعیت آپکے ساتھ ہوتی تھی جنہیں قدم قدم پر خواجہ صاحب کے روحانی و باطنی علوم سے فیضیاب ہونے

کا موقع ملتا تھا، آپ کبھی کبھی ہندوؤں کے مندروں میں جاکر بھی مریدوں کو عبرت دلاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ :۔

"تم دیکھتے ہو ہندو فقرا اپنے بتوں کے سامنے سمادھی لگائے ہوئے اس قدر بیخود ہوتے ہیں کہ انکو اگر کسی آنے جانے والے کا کھٹکا لگ جائے تو بیٹھے ہوئے گر تو جاتے ہیں لیکن اپنے مراقبے اور سمادھی کو نہیں توڑتے ۔ یہ کمالِ استغراق ہے۔ ادھر مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ اسلام کی تعلیم فاعبد ربك وكانك مرّاه وان لم تكن تراد فانه يراك کو بالکل بھلائے ہوئے ہیں مسلمان اپنی نمازوں میں اصول مراقبہ کو بھول جاتے ہیں بلکہ آشنا بھی نہیں ہیں۔"

خواجہ صاحب کا ارشاد تھا کہ نماز رسم نہیں ہے کہ اسکو رسم کے طور پر ادا کیا جائے بلکہ نماز کا ہر رکن خدائے تعالیٰ کے ساتھ الگ معاملے کی صورت رکھتا ہے تزکیہ نفس، معرفتِ حق اور اقامتِ دین آپکی تعلیم کے خاص اجزا تھے جن کا آپ نے خود کو ایک نمونہ بنا کر اپنے مریدوں کو انکی اہمیت وافادیت سے آگاہ کیا۔

خواجہ صاحب نے ٦٠ سال کی عمر میں ٦، ربیع الاول ١٣١٩ھ کو سفرِ آخرت اختیار کیا۔ مزار مبارک کوٹ مٹھن میں مرجع خلائق ہے۔ آپکے بعد آپ کی اولاد میں خواجہ محمد بخش نازک خواجہ معین الدین، خواجہ قطب الدین اور خواجہ فیض احمد یکے بعد دیگرے سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ غلام فرید رح کے مقبرہ کا اندرونی حصہ
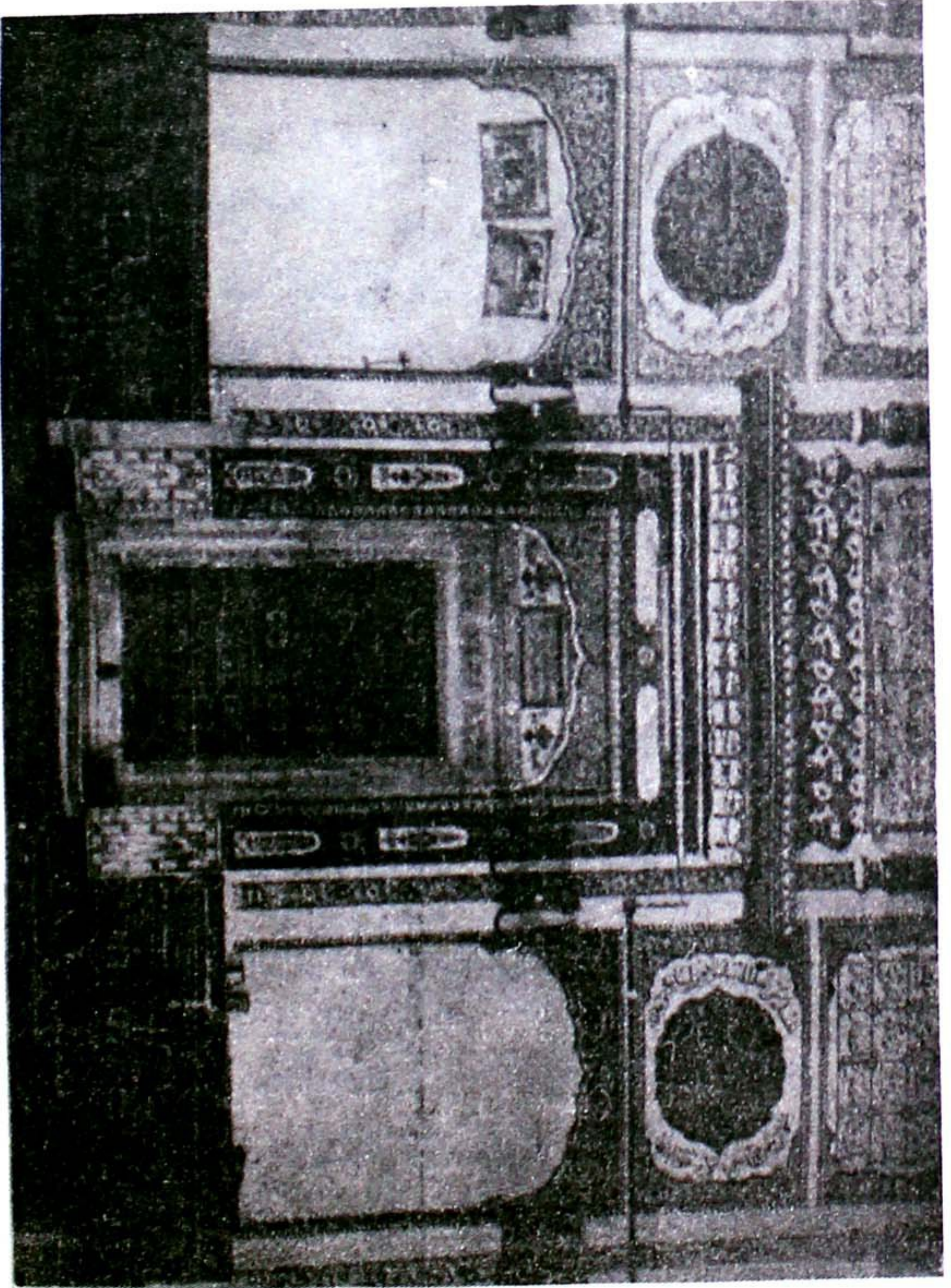
حضرت خواجہ محمد بخش نازک ؒ

حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ محمد بخش نازک نے مسند سجادگی کو رونق بخشی آپ اپنے والد بزرگوار کے تربیت یافتہ تھے۔ شرح جامی، شرح عقاید اور لواح جامی کے اسباق بھی ان سے پڑھے تھے ویسے حفظ قرآن چاچڑاں شریف کے حافظ محمد عبداللہ نے کرایا تھا اور علوم عربیہ کی تکمیل مولانا نصیر بخش صاحب کے مدرسہ میں کی تھی۔

حضرت خواجہ غلام فرید رحمتہ اللہ علیہ اپنے اس جگر گوشہ کی تربیت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ آپ ہی کے زیر سایہ انہوں نے سلوک کی منازل طے کیں اور زہد و اتقا میں شبانہ روز کی ریاضتوں سے وہ مقام حاصل کیا کہ خود حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ "نازک کا مقام فقر میں اتنا اونچا چلا گیا ہے کہ اب خدمت خلق کے لئے اسے نیچے لانا پڑے گا"۔

حضرت خواجہ محمد بخش نازک نے اپنے بزرگوں کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ کتب تصوف پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آپ کی مجلس میں ہر وقت علم کا غلغلہ بلند رہتا تھا۔ طالبان علم آپ کی رموز و اسرار سے معمور گفتگو سننے دور دور سے آتے اور فیضیاب ہو کر جاتے۔ چاچڑاں شریف آپ کی وجہ سے علمی سرگرمیوں کا گہوارہ بن گیا تھا۔ خود بھی اپنے بزرگوں کا عرس بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔ اور دوسرے بزرگوں کے عرسوں میں شرکت کے لئے بھی اکثر مقامات پر تشریف لیجاتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کے عرس میں بطور خاص بڑی پابندی سے شریک ہوتے تھے اس موقع پر متعلقین اور معتقدین کی کافی تعداد آپ کے

ہمراہ ہوتی تھی۔ خانقاہ قبلۂ عالم کے قریب ہی چھولداریاں نصب کر کے وہاں کئی کئی دن قیام فرماتے تھے۔

سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ کو آپ کی ذات سے اس علاقہ میں بڑا فروغ ہوا آپکی تاریخ وفات ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ ہے۔ مزار مبارک کوٹ مٹھن میں ہے۔ آپ کے خلفا میں آپ کے فرزند حضرت خواجہ معین الدینؒ کے علاوہ مولانا نور احمد پائی والے میاں احمد دین پراراں شریف اور جام حامد جلال پور پیر والہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدینؒ

حضرت خواجہ محمد بخش نازکؔ کے بعد ان کے فرزند خواجہ معین الدین زیب سجادہ ہوئے۔ وہ بڑے مستجاب الدعوات تھے والد گرامی کی زندگی میں ہی لوگ دعاؤں کیلئے ان سے رجوع کرتے تھے۔ فارسی اور عربی کی متداول کتابیں پڑھنے کے بعد روحانی زندگی میں قدم رکھا اور اس میں ایسا کمال حاصل کیا کہ بڑے بڑے صاحب باطن ان پر رشک کرنے لگے۔ اوچ شریف کے مخدوم گنج بخش فرمایا کرتے تھے کہ اگر خواجہ معین الدین چار سال مزید زندہ رہتے تو لندن والے بھی آپ کے حلقۂ بگوش ہو جاتے۔

آپ کو وظائف اور عبادات سے بہت شغف تھا۔ سوتے جاگتے پاس انفاس کا شغل جاری رہتا تھا۔ علمی تبحر کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا غلام محمد گھوٹویؒ جیسے جلیل القدر عالم کو جب آپ سے کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کا موقع ملا تو آپ کو یہ کہنا پڑا کہ "واقعی آپ کا علم آپ کے اسلاف کی روحانیت کا آئینہ دار ہے"

رشد وبیعت کے معاملے میں خواجہ معین الدینؒ بہت محتاط واقع ہوئے تھے آپ اس سلسلے میں فرمایا کرتے تھے کہ

> "بیعت کرنے کا حق اس پیر کو ہے جو اپنے جسم کے ہر بال کا علم رکھتا ہو اور جب بھی کسی موئے بدن کو تکلیف پہنچے وہ اس کا علاج کر سکے"

فقر و درویشی کا رنگ آپ کی زندگی کے تمام معمولات پر غالب تھا فصل کی کٹائی کے موقع پر کارندوں کو یہ ہدایت تھی کہ

"تقسیم میں نہایت دیانتداری سے کام لیا جائے۔ مزارعہ اور اہل حق کا پورا پورا حصہ دیا جائے"

وہ فرمایا کرتے تھے کہ "فقیر اور تم سب خدا اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لنگر کے مہمان ہو۔ اس دنیا کا مال نہ تمہارا ہے نہ میرا۔ ہم تو بظاہر قاسم کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں"

شریعت حقہ پر آپ کا پورا عمل تھا۔ غیر مشروع باتوں سے عامۃ الناس کو روکتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے عرس کی تقریبات میں خانقاہ مبارک پر عورتوں کا آنا قطعی بند کر دیا۔ جہاں تک سماع کا تعلق ہے اگرچہ آپ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی طرح اس کے قائل تھے۔ لیکن سماع کی کسی ایسی محفل کو پسند نہیں کرتے تھے جس میں آداب سماع اہتمام نہ ہو ایک دفعہ ریاست بہاولپور کے ہندو سیشن جج مہتہ اودھو اس عرس کے موقع پر آئے اور محفل سماع میں شرکت کرنی چاہی لیکن خواجہ صاحب نے انہیں یہ کہہ کر منع کر دیا۔ کہ ہمارے بزرگوں نے اس کے لئے جو شرائط مقرر کر رکھی ہیں۔ ان پر آپ پورے نہیں اتر سکتے آپ کا انتقال ۲ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ کو ہوا۔ مزار کوٹ مٹھن میں ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدینؒ

حضرت خواجہ معین الدینؒ کی وفات کے وقت آپ کی عمر سات آٹھ برس کی تھی۔ آثار ولایت اسی وقت سے ظاہر ہونے لگے تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو خواب میں یہ بشارت دی تھی کہ تیرے بطن سے ولی اللہ کا ظہور ہوگا"

علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد جب سجادگی کا وقت آیا تو والئ ریاست بہاولپور نواب سر صادق محمد خاں نے مولانا فاروق احمد شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ اور مولوی سلطان احمد کو مولوی عبدالمالک مشیر مال کے ہمراہ اس غرض کے لئے چاچڑاں بھیجا کہ وہ خواجہ

قطب الدین کی علمی استعداد کا امتحان لیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب آپ ان حضرات کے سامنے پیش ہوئے اور مولوی فاروق احمد صاحب نے ازراہ پاسداری آپ سے فرمایا کہ جہاں سے جی چاہے کچھ سنا دیں تاکہ حکم سرکار کی تعمیل ہو جائے۔ تو آپ نے فرمایا کہ "مولانا آپ ممتحن مقرر کیے گئے ہیں۔ یہ بددیانتی ہو گی کہ آپ امتحان کو میری منشا پر چھوڑ دیں۔ لہٰذا آپ جہاں سے چاہیں میرا امتحان لیں۔" مولانا نے کافیہ کی ابتدائی عبارت پڑھوا کر اس کی تشریح کرنے کو کہا تو آپ نے فرفر وہ عبارت پڑھ دی اور اس کی تشریح بھی کر دی۔

آپ کو سجادگی بہت چھوٹی عمر میں ملی تھی اس لئے بعض صاحبان یہ سمجھتے تھے کہ شاید آپ حق ہدایت صحیح ادا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ایک صاحب نے آپ سے استفسار کیا کہ "حضرت مرید کرتے وقت مرید کو کیا تلقین کرتے ہیں" آپ نے فرمایا "کہ کیا پڑھیں اور کیا پڑھائیں۔ بس مرید کا ہاتھ پکڑا اور خدا کے ہاتھ میں دے دیا"۔
آپ نے بارہ سال کی عمر میں ۲۲ رجب المرجب ۱۳۴۳ھ کو انتقال فرمایا۔ مزار آپ کا بھی کوٹ مٹھن میں ہے۔

حضرت خواجہ فیض احمدؒ

حضرت خواجہ قطب الدین کے انتقال کے بعد اس خانوادے کی سجادگی کا مسئلہ خاصا نزاع کا سبب بن گیا آپ نے نوعمری میں وفات پائی تھی اور آپ کا کوئی وارث پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے اہل خاندان میں مختلف شخصیتوں کے متعلق کشمکش شروع ہو گئی۔ چونکہ سجادگی کے ساتھ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بھی منسلک تھی، اس لئے یہ معاملہ ریاستی حکومت میں پیش ہوا۔ اور نواب سر صادق محمد خاں والئ ریاست نے بہ نفس نفیس حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے بعد حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کے نواسے حضرت خواجہ فیض احمد کے حق میں فیصلہ دیا۔ خواجہ فیض احمد پر خاندان کے بزرگوں کے علاوہ ہمعصر علماء و صلحا کا بھی اتفاق تھا۔ اس لئے اس فیصلے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ ریاست کے ہوم منسٹر مولوی غلام حسین صاحب نے چاچڑاں پہنچ کر ان کی دستار بندی کی رسم ادا کی۔

خواجہ فیض احمد، خواجہ امام بخشؒ کے فرزند اور خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کے نواسے تھے۔ اپنے والد ماجد سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ سیدانی شریف کے خواجہ ہوت محمد نے بھی آپ کو اجازت بیعت دی تھی۔ فراغت تعلیم کے بعد آپ نے بھی بزرگوں کی روش کے مطابق درس کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔ توحید و تصوف آپ کے درس کے خاص موضوعات تھے آپ کے بارے میں علماء کی یہ رائے ہے "کہ آپ ملا جلال کا دماغ لے کر آئے ہیں"۔ جو علوم آپ نے سبقاً نہیں پڑھے تھے ان پر بھی اگر کبھی گفتگو ہو جاتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان پر آپ کو عبور ہے۔

روحانی منازل طے کرنے کے سلسلہ میں آپ نے بےحد مجاہدہ اور ریاضت سے کام لیا تھا۔ اکثر خواب و خور سے بے نیاز رہتے تھے۔ مریدین کو بھی ہمیشہ یہی تلقین کرتے تھے۔ کہ "عبادات میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرو اور پیٹ کو حتی الامکان خالی رکھو تاکہ نفسانی خواہشات جڑ نہ پکڑ سکیں"۔ ذکر جہر۔ پاس انفاس اور نفی اثبات کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ کسی نے تسخیر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کلمہ شریف۔ درود شریف اور اتباع سنت میں سب برکات موجود ہیں۔ "یہ وظائف جامع جمیع برکات ہیں"۔ [1]

تربیت اذکار چشتیہ نظامیہ سلسلے کے اکابر کے طریقہ کے مطابق کیا کرتے تھے اور ان کی یہ آٹھ صورتیں بتاتے تھے (۱) جہر (۲) پاس انفاس (۳) حبس ہر سہ قسم (۴) ارہ۔ (۵) سلطاناً نصیراً (۶) سلطاناً محموداً (۷) برزخ کبیر (۸) مشاغل محمدیہ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "متقدمین میں فقر کے اٹھارہ اسباق مقرر تھے۔ اوساط نے چھ تجویز کئے۔ پھر متاخرین نے تین (فنا فی الشیخ۔ فنا فی الرسول۔ فنا فی اللہ) پر اکتفا کیا۔ لیکن سلسلہ ہذا کے قلندر مزاجوں نے جملہ اسباق کا محور برزخ کو ٹھہرایا ہے۔ جس کے سمجھنے کے لئے تعلیمات و تفہیمات شیخ نہایت ضروری ہیں۔ علاوہ ازیں سالک جب تک اپنے شیخ کو مظہر ذات و صفات الٰہیہ نہ سمجھے گا کبھی مستفیض نہ ہو سکے گا

---

[1] فقر فرید۔ صفحہ ۱۱۱

کہ یہ شرط منتہا بھی ہے اور منتہا بھی۔

آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا۔ نواب سر صادق محمد خاں والیٔ ریاست بہاولپور بھی آپ کے مریدوں میں تھے۔ ۲ر صفر ۱۳۷۹ھ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ مزار اپنے بزرگوں کے پہلو میں کوٹ مٹھن میں ہے۔

اس وقت حضرت خواجہ فیض احمدؒ کے صاحبزادے خواجہ فیض فرید اس خانوادۂ عالیہ کے سجادہ نشین ہیں۔

خواجہ غوث بخش

شیدانی تحصیل خانپور ضلع رحیم یار خاں کا علم پرور اور روحانیت افزا قصبہ ہے۔ اس قصبے کی شہرت کا باعث بھی وہی خاندان کوریجہ ہے جسکے بزرگوں نے چاچڑاں میں توطن اختیار کیا تھا۔ حضرت قاضی محمد عاقل علیہ الرحمتہ کے دوسرے پوتے حضرت خواجہ تاج محمود کے ایک صاحبزادے خواجہ غوث بخش شیدانی میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ تاج محمود کے خلیفۂ مجاز حضرت محمد یار علیہ الرحمتہ سے فیض باطنی حاصل کیا تھا۔ آپ نہایت منکسر المزاج۔ غریب پرور اور متواضع و مہمان نواز تھے۔ آپ نے دو شادیاں کیں۔ ایک حضرت قاضی عاقل محمدؒ کے خلیفہ شریف محمد صاحب کی صاجزادی سے اور دوسری ترنڈہ مولدیاں کے مولوی محمد عظیم کی دختر سے پہلی بیوی کے بطن سے خواجہ ہوت محمد اور دوسری سے خواجہ غلام رسول عرف گمن سائیں پیدا ہوئے۔

آپ کا انتقال ۱۳۲۶ھ کو شیدانی میں ہوا۔ اور تدفین کوٹ مٹھن میں ہوئی

خواجہ ہوت محمدؒ

خواجہ غوث بخش کے بعد ان کے بڑے فرزند خواجہ ہوت محمد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نے تحصیل علم کے بعد باقاعدہ درس کا سلسلہ جاری کیا۔ فقہ و حدیث پر آپ کی نظر بڑی گہری تھی۔ مجلس درس میں نو آموز طلبا کے علاوہ بڑے بڑے جیّد عالم بھی اکتساب فیض کے لئے شریک ہوتے تھے۔ مسند سجادگی پر فروکش ہونے کے بعد جذب و مستی کا غلبہ ہو گیا تھا۔ تاہم علماً کے احترام میں کبھی فرق نہیں آتا تھا

بلکہ اگر کوئی ان کی رند مشربی پر انہیں ٹوکتا تو وہ ناراض ہونے کے بجائے صدق دلی سے یہ اعتراف کرتے کہ "واقعی میں خطاکار ہوں" آپ نے ۱۳۵۲ھ میں وفات پائی۔ دو لڑکے پیدا ہوئے تھے جو والد گرامی کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ اس لئے آپ کے بعد آپ کے پوتے خواجہ غلام غوث عرف مگن سائیں جو محمد عبداللہ صاحب کے فرزند تھے سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ غلام غوثؒ

آپ اپنے دادا خواجہ ہوت محمد کے تربیت یافتہ اور انہیں سے دست بیعت تھے۔ کتب عربیہ بھی ان سے پڑھی تھیں۔ خدا داد ذہانت کے مالک تھے کسی علمی مسئلہ پر بات کرتے تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے۔ خلق و انکسار آپ کی طبیعت کے خاص جوہر تھے۔ وضع داری ان پر ختم تھی۔ جس سے ایک بار تعلقات قائم ہو گئے اسے تادم زیست نبھایا۔ آپ کا پہلا نکاح حضرت خواجہ فیض احمد کی ہمشیرہ سے ہوا تھا۔ ان سے دو بچے ہوئے جو زندہ نہ رہ سکے زوجہ محترمہ بھی وفات پا گئیں تو دوسرا نکاح ملک نور محمد حضرت والہ ڈیرہ غازی خاں کی دختر سے ہوا۔ جن سے پانچ بچے تولد ہوئے۔

(۱) غلام ہوت محمد عرف بخشندہ سائیں (۲) محمد عبداللہ لال سائیں۔

(۳) طاہر محمود عرف عاشق سائیں۔ (۴) محمد اکبر اور (۵) محمد اصغر۔

آپ کو شکار کا شوق تھا یہی شوق جان لیوا ثابت ہوا۔ دوران شکار اپنے ہاتھ سے بندوق چل گئی اور اس طرح ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ کو آپ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔

اس وقت آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ غلام ہوت محمد عرف بخشندہ سائیں جو تعلیمیافتہ اور نیک طبع ہیں۔ سجادگی پر فروکش ہیں۔

حضرت خلیفہ محمد اعظمؒ (شیدانی شریف)

آپ حضرت خواجہ قاضی عاقل محمد رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و خلیفہ تھے فیض روحانی آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت سلطان محمودؒ سے بھی حاصل کیا تھا زمانۂ طالبعلمی سے شغل ورد سے شغف تھا۔ اور اس معاملے میں واردات قلبی کا یہ عالم تھا۔ کہ بعض اوقات وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور یہ خطرہ لاحق ہوتا تھا۔ کہ اس حالت میں کہیں آپ کی شہادت واقع نہ ہو جائے آپ سفر حضر میں اپنے مرشد کے ساتھ رہتے تھے۔ بعد میں حسب الارشاد مرشد حضرت کے خلیفۂ اکبر کی خدمت میں رہ کر مجاہدۂ نفس کرنے لگے۔

خلیفہ محمد اعظمؒ اور خواجہ گل محمدؒ کے مابین مودت واتحاد کے روابط تھے۔ مدت العمر یہ دونوں حضرات ایک ساتھ رہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ گل محمدؒ تکملہ سیر الاولیاء میں لکھتے ہیں۔

"راقم وآں ذات شریف مدت العمر دریک کاسہ میخوردیم و دریک لحاف می خسپیدیم و دریک خلوت خانہ در مشغولی بایکدیگر مشارک بودیم مثل مشارکت خادم با مخدوم و شاگرد با استاد و مستفید با مستفاد و بعد از وصال سلطان الاولیاء یازدہ سال و چند ماہ در قید حیات ماندہ"

حضرت خواجہ گل محمدؒ نے آپ کی وفات کا مندرجہ ذیل مادہ تاریخ نکالا۔

چو شد واصل بحق آں ماہ دلجو | معظم پایہ از عشاق یکسو
محب احمد و فانی بذاتش | محمد اعظم از مردان حق جو
بپرسیدم زول تاریخ وصلش | کہ روز عرس ہم پیدا بود زد
دلم گفتا دو صد بر غم چو افزود | ز دردش گوز ذوالحجہ بیست باد ۱۲۴۲ھ

اگر لفظ غم کے اعداد میں دو سو کے اعداد اور دوسرے مصرعہ کے اعداد میں ذوالحج کے اعداد کے ساتھ ۲۲ عدد جمع کئے جائیں تو ایک ہزار دو سو چالیس کے

اعداد نکل آتے ہیں۔

حضرت شیخ شریف الدین رحؒ شیدانی

آپ بھی حضرت خواجہ عاقل محمد علیہ الرحمتہ کے مرید و خلیفہ تھے پہلے کسی اور صاحبدل سے بیعت کی تھی۔ لیکن ان کے وصال کے بعد حضرت قاضی صاحب کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا آپ کے مریدین کا سلسلہ کافی وسیع تھا۔ خواجہ گل محمدؒ احمد پوری آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"مظہر آیات علی مطلع نور ہدیٰ میانصاحب میاں شریف الدین جیو سلمہ اللہ تعالیٰ ایں ذات شریف اگرچہ در اول از صاحبدلے دیگر طریق سلوک حاصل ساختہ لیکن بعد وصال آں صاحبدل موجب ایمائے اوشاں در سلک غلاماں سلطان الاولیأ رضی اللہ عنہٗ منسلک گشتہ و ازاں حضرت خلافت یافتہ و بسیار خلق اللہ از دست مبارک ایشاں در سلسلہ سلطان الاولیأ داخل شدہ میشوند اللہ تبارک و تعالیٰ بکرم و فضل خود رزا فزوں دارد و در سلوک مریداں روشِ غریب و نمط عجیب دارند و از مشاہدہ و از مکاشفہ اوشاں بسیار معاملہ مشہورہ آفاق است"

۱۲۶۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار مبارک شیدانی شریف میں ہے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے میاں نصرالدین سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے بعد میاں محکم الدین۔ پھر میاں محمد غوث اور پھر کرم دین بالترتیب مسند سجادگی پر فروکش ہوتے رہے۔

خان بیلہ — ضلع رحیم یار خاں

حضرت خواجہ سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت خواجہ قاضی عاقل محمد رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفۂ اکبر تھے۔ آپ کو پیر بھائی کی تربیت کا کام سپرد تھا۔ اور انہیں خلافت آپ کی سفارش سے ہی عطا ہوتی تھی آپ کو مرشد سے حد درجہ تعلق خاطر تھا۔ مرشد کا بھی یہ حال تھا کہ جب مجلس میں تشریف لاتے تو تمام تر توجہ کا مرکز آپ ہی ہوتے۔ آپ صاحب وجد و حال بزرگوں میں سے تھے۔ علوم متداولہ پر بھی گہری نظر تھی جب کبھی کوئی علمی نکتہ بیان کرتے تو فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے۔ سماع سے بے حد دلچسپی تھی۔ اکثر سماع کی محفلوں میں ایسا حال وارد ہوتا کہ تن من کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ مرشد کی وفات کے بعد پیر بھائیوں کی دستگیری کرتے رہے۔ کسی بھی مسئلے میں اگر کسی پیر بھائی کو آپ کی امداد و رہنمائی کی ضرورت ہوتی تو آپ نہایت فراخدلی کے ساتھ اس کی مدد کرتے اور مشکلات کا حل تجویز کرتے۔ سلوک کے معاملات میں اظہار و نمود کو قطعی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ "دوستی پنہاں ہی خوب ہے" یعنی

از درون آشنا باش واز بیرون بیگانہ وش ۔۔۔ ایں روش یاد ترا اندر جہاں آموختن

۲ ربیع الاول ۱۲۳۹ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ خواجہ گل محمدؒ نے یہ قطعہ تاریخ کہا۔

شاہ سلطان ملک دیں محمود زد علم چوں بمنزل مینو
داغ بر داغ آہ واویلا حسرت ودرد ماند برمن وتو
گفت جانم چگویم اے ہاتف بہرتاریخ وصل آں خوشرو
گردہی در جواب داہ کشید گفت سویم ربیع آلاخر گو

یعنی "ہے" کے عدد ۱۵ ہیں۔ در جواب کہ سویم ربیع الاخر کے اعداد اس میں جمع کئے جائیں اور آہ کے اعداد جو پانچ ہیں ان میں سے نکال لئے جائیں تو صحیح تاریخ وفات نکل آئے گی۔

آپ کا مزار خان بیلہ (ضلع رحیم یارخاں) میں ہے۔

حضرت خواجہ محمد یار فریدیؒ (گڑھی اختیار خاں)

چودھویں صدی ہجری میں جن بزرگوں کے دم سے تصوف وطریقت کا بھرم قائم رہا۔ ان میں حضرت خواجہ محمد یار فریدیؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ آپ تحصیل خانپور ضلع رحیم یارخاں کے مشہور مردم خیز قصبہ گڑھی اختیار خاں میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد جب مزید علوم کی تحصیل کی دل میں لگن پیدا ہوئی تو آپ نے چاچڑاں کا رخ کیا۔ اس زمانے میں چاچڑاں علم وفضل کا مرکز تھا۔ اور حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کی سرپرستی میں یہاں کا دائرہ علوم بڑے عروج پر تھا۔ اسی درسگاہ میں آپ نے علم کی پیاس بجھائی اور یہیں روحانیت کا درس لیا

آپ نے حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ کے دست حق پرست پر چشتیہ نظامیہ سلسلے میں باقاعدہ بیعت کی۔ اور مرشد کی عنایات سے خوب بہرہ در ہوئے یہ آپ ہی کی باطنی توجہ کا اثر تھا کہ حضرت خواجہ یار محمدؒ کی رگ رگ میں عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوزوگداز بھرا ہوا تھا۔ اور زبان میں ایسی تاثیر

پیدا ہوگئی تھی کہ سنگ دل سے سنگ دل بھی چند فقرے سن کر موم ہو جاتا تھا۔ آپ کی خطابت کا دور دور چرچا تھا۔ لوگ بڑی عقیدت اور توجہ سے آپکا وعظ سنتے تھے۔ مشکل ہی سے پنجاب کا کوئی شہر اور قریہ ایسا ہوگا۔ جہاں جا کر آپ نے تقریر نہ کی ہو۔ آپ خود بھی عاشق رسولؐ تھے اور دوسروں کو بھی اسی کا درس دیتے تھے۔ آپ کی تقریر سن کر عشق رسول کا جذبہ خود بخود ابھرتا تھا۔

آپ مثنوی شریف بڑے دلکش انداز میں پڑھتے تھے اور اس کی تشریح ایسے دلچسپ پیرائے میں کرتے تھے کہ ہر شعر کے رموز و اسرار آئینے کی طرح روشن ہو جاتے تھے۔

حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ نے آپ کو خلافت سے بھی نوازا تھا اور اجازت بیعت بھی عطا کی تھی۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع ہوگیا۔ شہر لاہور میں آپ کے معتقدین کی تعداد کافی تھی جن کی خواہش پر آپ اکثر لاہور تشریف لیجایا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے عشق کا عالم یہ تھا کہ جہاں کسی نے حضورؐ کا نام لیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہوگیا۔ خاندان نبوت کا بھی آپ کے دل میں بیحد احترام تھا۔ اگر اہل سادات میں سے کوئی شخص آپ کی محفل میں آجاتا تو آپ اسے سب سے نمایاں جگہ دیتے اور اس کی ہر طرح تعظیم و تکریم کرتے۔

سلسلۂ چشتیہ کی روایت کے مطابق سماع سے بھی آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ اور قوالی بڑے ذوق و شوق کے ساتھ سنتے تھے لیکن آداب سماع کا خیال رکھتے تھے اور کوئی شخص محفل سماع میں بے ادبی یا بدتمیزی کا مظاہرہ نہیں کرسکتا تھا۔ آپ کو شاعری سے بھی شغف تھا۔ اور اردو فارسی۔ عربی اور سرائیکی زبان میں شعر کہتے تھے۔

آپ کا مجموعۂ کلام "دیوان محمدی" کے نام سے موسوم ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان میں بہت سی نعتیں ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے شیخ اور کئی دیگر بزرگوں کی منقبتیں بھی ہیں۔ آپ کا تمام کلام تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور عرفان و آگہی کا ایسا دفتر ہے کہ پڑھنے والا اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

آپ نے ۶۷ سال کی عمر میں ۱۴ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ کو وفات پائی۔ آپ کا عرس ہر سال ۱۲۔۱۳۔۱۴ رجب کو گڑھی اختیار خاں میں ہوتا ہے جس میں عقیدتمندوں کی کافی تعداد شریک ہوتی ہے۔ آپ کے مزار سے متصل علوم عربیہ کی ایک درسگاہ "قطب المدارس" کے نام سے آپ کی یادگار کے طور پر قائم ہے۔ جس میں مقامی طلباء کے علاوہ بیرونجات سے بھی علم دین کے جویا آتے ہیں اور علم کی پیاس بجھاتے ہیں۔

حضرت مولانا سراج مکھن بیلوی رح

حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کے خلفاء میں جس بزرگ نے علمی دنیا میں بڑا نام پایا وہ حضرت مولانا سراج احمد مکھن بیلوی کی ذات گرامی ہے ان کا شمار ان برگزیدہ علمائے حق میں ہوتا ہے۔ جن کا اوڑھنا بچھونا علم رہا اور جنہوں نے خوف و طمع اور نمود و نمائش سے بے نیاز ہو کر اپنی تمام زندگی خدمت دین میں گذاری

آپ کے علمی فیضان کا سلسلہ نصف صدی پر پھیلا ہوا ہے اس عرصہ میں آپ نے جو علمی خدمات انجام دیں اس کا اندازہ آپ کے شاگردوں کی اس طویل فہرست سے لگایا جا سکتا ہے۔ جس میں ایسے ایسے فاضل اور باکمال علماء کا نام نظر آتا ہے۔ جو خود اپنی جگہ علم کا بحر ذخار ہیں۔ آپ کے تلامذہ کو آپ کے علمی فیوض سے ہی بہرہ در ہونے کا موقع نہیں ملا بلکہ آپ کی روحانی تعلیم اور باطنی توجہ بھی ان کے شامل حال رہی۔ اور یہ اسی فیضان خاص کا نتیجہ ہے کہ آج آپ کا ہر شاگرد مرجع عوام ہے اور علم دین کی جو شمع آپ نے روشن کی تھی ان لائق

شاگردوں کے ذریعہ سے اس کی روشنی ملک کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت مولانا سراج احمد خانپور (ضلع رحیم یار خاں) کے نواحی گاؤں مکھن بیلہ میں ۱۳۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اہل خاندان پہلے ہی علماء فضلاء پر مشتمل تھے۔ دادھیال اور ننھیال دونوں میں بڑے بڑے جید عالم ہو گذرے تھے۔ چنانچہ خاندانی روایت کے مطابق آپ نے بھی دینی تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد آپ چاچڑاں کے مشہور دارالعلوم میں داخل ہوئے جہاں حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ مسند ارشاد پر فروکش تھے اور روحانی تعلیم کے ساتھ ساتھ علوم متداولہ کا درس بھی خود دیتے تھے۔ یہاں حضرت خواجہ کی شفقت و عنایت سے آپ نے بہت جلد طلب علم کے جملہ مراحل طے کر لیئے۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے حضرت خواجہ صاحب سے باقاعدہ شرف بیعت حاصل کیا اور آپ کے ایما پر چاچڑاں شریف کے اسی دارالعلوم میں جہاں طالب علم کی حیثیت سے آئے تھے۔ استاد مقرر ہو گئے۔ یہاں آپ کافی عرصہ تک پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد سندھ کی مشہور خانقاہ بھرچونڈی شریف کے مدرسہ میں درس کا سلسلہ شروع کیا اور وہاں بے شمار مخلوق خدا کو دولت علم سے مالا مال کیا۔

تفقہ میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ خاص طور پر میراث۔ وصیت میقات اور ریاضی میں آپ کے پایہ کا دوسرا عالم مشکل سے ہی ملے گا۔ اکثر ہندوستان کے مختلف مقامات سے ایسے فتوے آپ کے پاس آتے تھے جنہیں کوئی اور حل نہیں کر سکتا تھا۔ "سراج اہل القبلہ" آپ کی علمی یادگار ہے جس میں علم فرائض۔ وصیت اور میقات پر بڑا قابل قدر مواد جمع کیا ہے۔ اس ضخیم کتاب کا خلاصہ "الزبدۃ السراجیہ فی علم المیقات والمیراث والوصیۃ" شائع ہو چکا ہے آپ کے فتاویٰ کا مجموعہ بھی بڑا نادر ہے لیکن ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ انہیں اکثر وہ فتوے بھی ہیں۔ جو سابق ریاست بہاولپور کی عدالتوں میں فیصلوں کی بنیاد قرار پائے۔ مشتے نمونے از خروارے آپ کے شاگردوں میں

سے چند کے نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) شیخ المشائخ پیر خواجہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف (۲) حضرت پیر مغفور القادری شاہ آباد۔ (۳) حضرت خواجہ فیض فرید سجادہ نشین چاچڑاں شریف۔ (۴) استاذ العلماء مولانا سراج احمد مہتمم مدرسہ سراج العلوم خانپور (۵) حضرت علامہ فیض احمد اویسی شیخ التفسیر جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور (۶) مفتی عبدالواحد صاحب خانپور۔ (۷) مولانا محمد اکرم دارالعلوم صدیقیہ شاہ جمالیہ (۸) مولانا حسن الدین ہاشمی جامعہ اسلامیہ بہاولپور (۹) مولانا خورشید احمد ظاہر پیر (۱۰) مولانا مختار احمد مدرسہ سراج العلوم خانپور۔ آپ نصف صدی تک علوم و معارف کے موتی بکھیرنے کے بعد ۱۹۷۳ء میں واصل دریائے رحمت ہوئے۔

حضرت شاہ مغفور القادریؒ

زمانہ حال کے جن صوفیاء و مشائخ نے روایتی خانقاہی طور طریقوں سے ہٹ کر کارزار حیات میں مجاہدانہ شان کا مظاہرہ کیا۔ انمیں حضرت شاہ مغفور القادریؒ پیش پیش نظر آتے ہیں۔

آپ کا تعلق بہاولپور کے سادات بخاری سے تھا۔ ۱۳۲۶ھ میں مشہور ولی اللہ سید سردار شاہ صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور درس نظامی کی تحصیل کے بعد سندھ کی معروف خانقاہ بھرچونڈی شریف کے دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے تقریباً بیس سال تک یہاں علمی خدمات انجام دیں۔ اسی خانقاہ کے رشتۂ ارادت سے آپ منسلک تھے۔ بھرچونڈی شریف کے شیخ ثالث حضرت عبدالرحمٰنؒ آپ کے مرشد تھے ان سے ہی اجازت بیعت حاصل تھی۔ زہد و عبادت میں منہمک رہنے کے ساتھ ساتھ آپ کے دل میں خدمت ملی کی بھی بڑی لگن تھی۔ چنانچہ جن دنوں تحریک پاکستان شروع ہوئی تو آپ نے اس تحریک کو عامۃ المسلمین کے سیاسی و دینی استحکام کے لئے مفید سمجھ کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔

شروع شروع میں بہاولپور اور سندھ کے علاقوں میں مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کو قبولیت عامہ حاصل نہیں تھی. بلکہ یہاں کانگریس کے اثرات غالب تھے آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیئے "احیاآلاسلام" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی. اسی تنظیم کی ایک ذیلی شاخ "تنظیم المشائخ" میں سندھ کے اکثر مشائخ کو شامل کر کے کانگریسی اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کی. ۱۹۴۶ء میں جب بنارس میں برصغیر کے سنی علماء و مشائخ کی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں شاہ مغفور القادری نے بھی شرکت کی اور پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیئے متعدد مفید تجاویز پیش کیں.

آپ اپنے مریدوں اور معتقدوں کو اتباع شریعت کی تلقین کرتے تھے. بے لوثی. منکسر المزاجی اور تواضع آپ کی طبیعت کے خاص جوہر تھے. آپ نے ساری زندگی دین وملت کی خدمت کے لیئے وقف رکھی اور اپنے مریدوں کی بھی اسی نہج پر تربیت کی کہ وہ دنیوی مفاد پر دینی وملی مفاد کو قربان نہ کریں. سندھ اور بہاولپور کے علاقوں میں آپ کے مریدوں کی تعداد کافی ہے.

آپ کو شعر وسخن اور تصنیف وتالیف سے بھی شغف تھا لیکن شاعری نعت رسولؐ تک محدود رہی اور تصانیف بزرگوں کے احوال واقوال پر مشتمل ہیں چنانچہ آپ کی تصنیف "عباد الرحمٰن" بزرگوں کے احوال وآثار کے سلسلے میں ایک قابل قدر اضافے کی حیثیت رکھتی ہے.

آپ نے اپریل ۱۹۷۰ء میں وفات پائی. مزار گڑھی اختیار خاں میں ہے حضرت شرافت نوشاہی نے آپ کی یہ تاریخ وفات نکالی ہے.

شرافت زتو گر بپرسند سال
بگو ہادیٔ عصر مستور شد
۱۳۹۰ھ
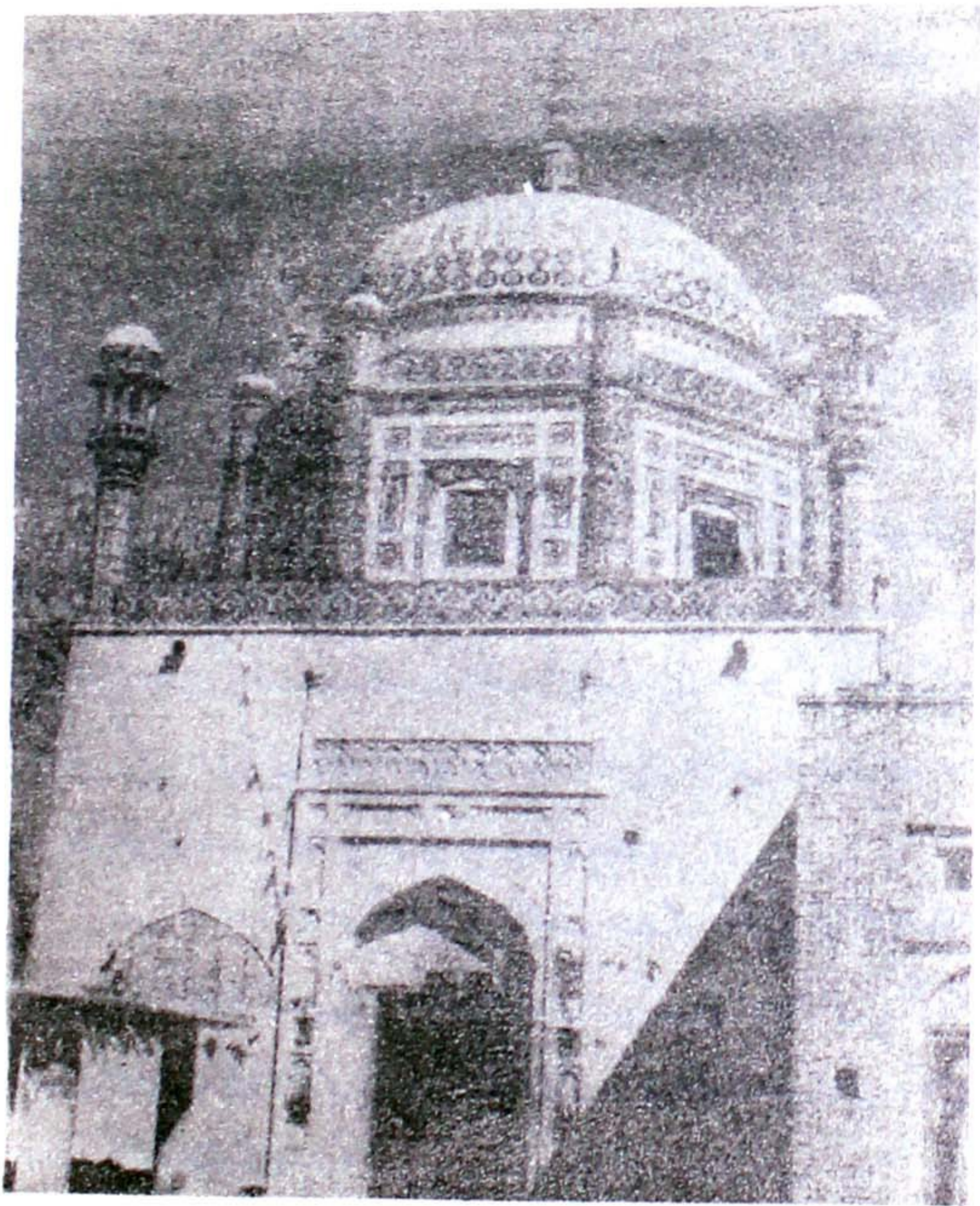
مزار حضرت خواجہ خدا بخشؒ (خیرپور)

دیگر بزرگانِ چشتیہ

حضرت خواجہ گل محمد احمد پوریؒ

بہاولپور میں چشتیہ نظامیہ فخریہ سلسلے کے آپ بھی بڑے جلیل القدر بزرگ گذرے ہیں۔ خواجہ قاضی محمد عاقلؒ کے مرید خاص اور خلیفۂ مجاز تھے۔ تکملہ سیر الاولیاءؒ کے جامع ہونے کی وجہ سے آپ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ خاندانی پیشہ طبابت تھا۔ اور اس فن میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کی پیدائش اوچ میں ہوئی تھی نواب صادق محمد خاں ثالث نے جو آپ کے مداح و قدردان تھے آپ کو اوچ سے بلا کر احمد پور شرقیہ میں قیام کی درخواست کی۔ اس کے بعد آپ یہیں مقیم رہے اور لوگوں کا جسمانی و روحانی علاج کرتے رہے۔

آپ کا خاندان حضرت خواجہ معروف کرخی سے منسوب ہے۔ آپ کے بزرگوں میں سے شیخ ظہیر الدین شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں ملتان آئے تھے۔ اور شیخ الاسلام کے منصب پر فائز ہوئے تھے۔ شیخ ظہیر الدین کے ایک فرزند شیخ بدر الدین بخارا کے بادشاہ عبدالعزیز کے مرشد و استاد تھے۔ دوسرے فرزند شیخ رحم علی ملتان میں پیدا ہوئے تھے۔ شیخ بدر الدین کے بیٹے کریم داد اپنے والد کی وفات کے بعد بادشاہ اورنگ زیب کے عہد میں اپنے دادا شیخ

ظہیرالدین کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے ملتان آئے۔ اس کے بعد شہنشاہ اورنگ زیب سے ملاقات کی جس نے آپ کی بیحد قدر کی اور آپ کو ملتان میں بیش قیمت جاگیر عطا کی انہیں کی اولاد میں مولوی محمد بخشؒ مرحوم خواجہ گل محمد کے دادا تھے۔ جنہوں نے اوچ شریف میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ بھی بڑے صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ فخرالدین فخر جہاں دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت بیعت تھی۔ آپ کے صاحبزادے مولوی حکیم اللہ یار فن طبابت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے خواجہ گل محمدؒ کو بھی طب کی تعلیم دی۔ دینی علوم آپ نے دیگر علما کے علاوہ صاحب تحفۂ غوثیہ حضرت غوث بخشؒ سے بھی حاصل کئے۔

حضرت خواجہ قاضی محمد عاقلؒ نے جب کوٹ مٹھن میں مدرسہ قائم کیا آپ بھی بطور طالب علم اس میں داخل ہوئے۔ علوم ظاہری کے علاوہ آپ نے قاضی صاحب سے روحانیت کا درس بھی لیا۔ قاضی صاحب آپ پر بہت مہربان تھے اور آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے معترف۔

حضرت خواجہ گل محمدؒ نے اپنے پیر گھرانے کی روایت کے مطابق احمد پور شرقیہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا اور اس کے ساتھ ایک لنگر بھی جاری کیا۔ حکیم غلام سرور ملتانی کی یہ روایت تکملہ سیرالاولیاء کے تتمہ میں نجم الدین صاحب نقل کرتے ہیں۔ [۳]

> "من در ینجا در احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور در مدرسہ عربی حضور تحصیل علم میکردم و نان از لنگر میخوردم کہ باندازِ دو صد نفر فقیر و مہمان و طلاب از لنگر نان میخورند۔"

---

[۱] آپ کا مزار اوچ شریف میں قدم مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قریب ہے۔

[۲] آپ کا مزار اوچ شریف میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کے پاس ایک پختہ چار دیواری کے اندر ہے۔

[۳] تکملہ سیرالاولیاء۔ صفحہ ۲۰۸

جہاں قاضی صاحب کے خاندان فیض نشان سے خواجہ گل محمد صاحب کا تاحیات ارادتمندی کا تعلق قائم رہا وہاں حضرت ممدوح کے افراد خاندان بھی خواجہ گل محمد صاحب کی بڑی قدر و منزلت کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے مزار پر حاضری دینا اور آپ کے عرس میں شرکت کرنا حضرت قاضی صاحب کے خاندان کا ہمیشہ معمول رہا۔ اس بات کی تصدیق تکملہ سیرالاولیاء کے تتمہ کے اس اندراج سے ہوتی ہے۔[ك]

"حضرت میاں صاحب قبلہ شدانوی فرمودہ کہ حضرت صاحب قبلہ من خواجہ تاج محمود صاحب کہ ہمیشہ برائے زیارت حضور حضرت صاحب قبلہ احمدپوری و برعرس در احمدپور تشریف می آوردند قریب کوٹھی فرنگی کہ بفاصلہ میل دو میل است از سواری زیر آمدہ پا پیادہ تا شہر می آمدند ہرگاہ در شہر تشریف فرما می شدند پا برہنہ تا خانقاہ شریف آمدہ چند یوم بعضے پہل یوم توقف می فرمودند پا برہنہ ماندند۔"

نیاز و عقیدت کی یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ نجم الدین صاحب لکھتے ہیں کہ احمد پور کے دوران قیام نواب صاحب بہاولپور خانقاہ مبارک میں حاضر ہو کر بار بار حضرت خواجہ تاج محمود سے ڈیرہ نواب میں قدم رنجہ فرمانے کی استدعا کرتے لیکن آپ خانقاہ حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری رح کو چھوڑ کر نواب صاحب کے محل میں تھوڑی دیر کے لئے بھی جانا گوارا نہ کرتے۔

حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری رح نے سید محمد المعروف بہ میر خورد بن سید کمال الدین بن حضرت سید محمد کرمانی قدس اللہ ارواحہم کی مشہور تصنیف سیرالاولیا

ك تکملہ سیرالاولیا۔ صفحہ ۲۱۳

کا تکملہ لکھ کر مشائخ و صوفیائے کرام کے تذکروں میں قابل قدر اضافہ کیا۔ اس میں دیگر سلاسل تصوف کے مشائخ عظام کے علاوہ سلسلۂ نظامیہ فخریہ کے بزرگان کرام بالخصوص اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ قاضی محمد عاقل رح کے خانوادۂ جلیلہ کے مفصل حالات اور ملفوظات درج ہیں۔

حضرت خواجہ حکیم گل محمد کی تاریخ ولادت ۱۱۶۹ھ اور تاریخ وفات ۱۲۴۳ھ ہے۔ مزار مبارک احمد پور شرقیہ میں مرجع خلائق ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں اس پر خوبصورت مقبرہ تعمیر کیا گیا تھا۔

خواجہ گل محمد رح کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک خواجہ محمود بخش اور دوسرے خواجہ محمد بخش بڑے صاحبزادے خواجہ محمود بخش آپ کے جانشین ہوئے۔ انہیں اپنے والد کے علاوہ خواجہ خدا بخش۔ میاں محمد شریف شندانوی اور حضرت خواجہ تاج محمود سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی۔ دوسرے صاحبزادے خواجہ محمد بخش رح کو بھی ان سب حضرات سے فیض پہنچا تھا۔ ان کے ایک فرزند مولوی حاجی محمد نصیر بخش امیر بہاولپور کے دربار سے منسلک تھے۔ اور وکالت کے عہدہ پر مامور تھے۔ خواجہ محمود بخش رح کے دو فرزند تھے۔ ایک مولوی اللہ یار صاحب جو لاولد تھے اور دوسرے مولانا نظام الدین جن کے تین فرزند مولوی دین محمد۔ مولوی سیف الدین اور مولانا نجم الدین تھے۔ اخر الذکر حضرت خواجہ گل محمد رح کے سجادہ نشین و متولی خانقاہ تھے آپ کے مریدین کا سلسلہ سابق ریاست بہاولپور کی تمام حدود میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمود بخش (جن کا مزار اپنے والد گرامی کے پاس ہے) پھر ان کے صاحبزادے خواجہ نظام الدین (جن کا مزار احمد پور شرقیہ کی ہی خانقاہ میں ہے) رونق دہ سجادہ ہوئے۔

؎ تکملہ سیر الاولیا پر آپ نے بڑے معلومات افزا حاشیئے تحریر فرمائے تھے۔ اور آپ کے ہی اہتمام سے یہ کتاب مطبع رضوی دہلی میں طبع ہوئی تھی۔

حضرت مولانا حاجی حافظ عبد اللہؒ (احمد پور شرقیہ)

آپ حضرت خواجہ قاضی عاقل محمد علیہ الرحمتہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ ترک و تجرید و مجاہدہ میں لاثانی تھے۔ اہل دنیا سے میل ملاپ پسند نہیں کرتے تھے۔ زیارت حرمین کے شرف سے مشرف ہوئے تھے۔ ناگور (ہندوستان) میں حضرت خواجہ بزرگ غریب نواز گیسو درازؒ کے مزار پر بھی کئی بار حاضری دی وہاں کافی لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ خواجہ بزرگ کی اولاد میں سے بھی ایک صاحب آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ علم تصوف پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی۔ چند کتب تصوف پر آپ نے حاشیے بھی تحریر فرمائے تھے، جنمیں حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کی تصنیف "تسنیم" بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ میر ایسا غوجی پر بھی آپ کا حاشیہ بہت مشہور ہے۔

حضرت خواجہ گل محمد احمد پوری نے آپ کے متعلق تکملہ سیر الاولیاء میں لکھا ہے

> "مولینا و صاحبنا مولوی عبد اللہ دام برکاتہ از خلفا حضرت سلطان الاولیا است آں ذات شریف آنقدر داد مجاہدہ دادہ کہ کم کسے را ایں توفیق دست دادہ و سیاحت نیز بسیار فرمودند و مدت عمر در ترک و تجرید گذرانیدند و از اہل دنیا اعراض ورزید......"

احمد پور شرقیہ میں آپ کا مزار ہے۔ ۲۸ ربیع الثانی کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

حضرت مولانا غوث بخشؒ

آپ حضرت شیخ معروف کرخیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد محمد بخش اعجازی طبیب معروف کرخی پہلے پہل اوچ تشریف لائے تھے۔ ان کو حضرت فخر جہاں دہلویؒ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کا شرف حاصل تھا۔ ان کے دادا مولوی خدا بخش حضرت فخر جہاں دہلویؒ کے والد بزرگوار خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے مرشد تھے

دینیات. فلسفہ. حکمت اور طب میں آپ استاد مانے جاتے تھے. چشتی سلسلے کے مشہور بزرگ خواجہ گل محمد احمد پوریؒ جن کا مزار مبارک احمد پور شرقیہ میں ہے آپ کے بھانجے اور بزرگ تھے.

آپ کی تبحر علمی کا دور دور شہرہ تھا. اوچ کے خانوادہ بخاری اور خانوادہ گیلانیہ میں آپ کی مساوی عزت وتکریم تھی. نواب بہادل خاں ثالث بھی آپکی بڑی قدر کرتے تھے. اور جب بھی کبھی اوچ تشریف لے جاتے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کرتے.

آپ کی علمی یادگار "تحفۂ غوثیہ" ہے جس میں بہاولپوری زبان میں دواؤں کے ناموں کا ایک نادر ذخیرہ جمع کر دیا گیا. یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے. پہلی جلد میں دواؤں کے خواص اور ان کی تاثیر کے متعلق بیش قیمت معلومات درج ہیں اور دوسری جلد میں یونانی ادویات کے وہ نام دیئے گئے ہیں جو بہاولپوری زبان میں بولے جاتے ہیں. کتاب کی زبان اگرچہ فارسی ہے لیکن بہاولپوری زبان میں ادویات کی مکمل فہرست نے اسے بہاولپوری زبان کی ایک یادگار تصنیف کا بھی درجہ دے دیا ہے. یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں نواب صاحب بہاولپور کے کتبخانہ میں محفوظ ہے. آپ کا مزار اوچ شریف میں خانقاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے احاطہ میں ہے.

حضرت خواجہ خدا بخش خیرپوری رح

بارھویں صدی ہجری میں خانوادہ چشتیہ کو جن بزرگوں کے علم و
فضل۔ تقویٰ و نیکی اور روحانی مدارج اعلیٰ کی وجہ سے ملک گیر شہرت و
مقبولیت حاصل ہوئی ان میں خواجہ خدا بخش خیرپوری رح کا اسم گرامی بھی بہت
نمایاں ہے۔ یہ وہی بزرگ ہیں۔ جنہیں حضرت حافظ محمد جمال ملتانی رح نے
حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی کے ایما پر عین درگاہ حضرت مخدوم بہاؤالدین
ذکریا ملتانی کے سامنے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کر کے اس خانوادۂ عالیہ
کے اثرات اس علاقے میں مستحکم کرنے کا سامان پیدا کیا۔

آپ قریشی النسل تھے۔ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے آپ کا سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ آپ کے اجداد محمد بن قاسم کے حملۂ
سندھ کے وقت عرب سے آئے تھے۔ کچھ عرصہ سندھ میں قیام
کرنے کے بعد انہوں نے ملتان میں رہائش اختیار کی۔ جب سلطان محمود
غزنوی نے قرامطیوں کا استیصال کرنے کے لئے ملتان پر حملہ کیا تھا تو
آپ کا خاندان یہیں مقیم تھا۔ اور اس خاندان کے کئی افراد نے قرامطیوں

کی سرکوبی میں سلطان کا ساتھ دیا تھا. خاص طور پر آپ کے جد امجد خواجہ حسن ملتانی نے اس وقت شمشیر زنی کے ایسے جوہر دکھائے کہ سلطان کی فوج بھی عش عش کر اٹھی. اسی شجاعت اور بہادری کی وجہ سے جب سلطان اپنا مشن مکمل کر کے واپس غزنی جانے لگا تو وہ آپ کو ملتان کا گورنر مقرر کر گیا

یہ خاندان عالیقدر اپنی شجاعت و فطانت اور دور اندیشی کی وجہ سے ہر دور حکومت میں ممتاز و مفتخر رہا ہے. شیر شاہ سوری نے اس خاندان کے بعض افراد کو جلیل القدر عہدے دے رکھے تھے. جب سلطان ناصرالدین قباچہ نے قطب الدین ایبک سے سرکشی کی اور ملتان و سندھ پر اپنا تسلط قائم کیا تو اس خاندان نے اس کے خلاف احتجاج کیا جسکی پاداش میں قباچہ نے اس خاندان کی تمام جائیداد ضبط کر لی اور مجبوراً اس خاندان کو ترک سکونت کر کے ضلع ہزارہ میں پناہ لینی پڑی. شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں یہ خاندان ضلع ہزارہ سے تلبنہ آ گیا. جہانگیر نے تلبنہ کا قلعہ اسی خاندان کے ایک بزرگ قاضی علاؤالدین کے سپرد کیا. اور انہیں دس ہزاری کا منصب دیا. یہ منصب شاہ عالم ثانی کے عہد تک اس خاندان میں رہا. مولوی عنایت اللہ اس سلسلے کے آخری منصب دار تھے. جو ۱۱۹۱ھ میں اس سے دستکش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے.[1]

---

[1] احوال و آثار (قلمی) مملوکہ سجادہ نشین خانقاہ خواجہ خدا بخش علیہ الرحمۃ مولفہ مولینا عبدالمجید خیرپوری گلشن ابرار جو خواجہ امام بخش صاحب کی تالیف ہے اس میں آپ کو قوم منہاس سے بتایا ہے اس میں لکھا ہے کہ آپ خود اپنے والد کی زبانی فرماتے تھے کہ ہم قوم ملہناس سے ہیں. لیکن یہ روایت درست نہیں دراصل آپ کے والد مولینا جان محمد کی شادی تلبنہ کے مشہور خاندان میں جو قوم منہاس سے تعلق رکھتا تھا. ہوئی تھی. اس اعتبار سے آپ کا مادری سلسلہ تو یقینا" قوم ملہناس سے ملتا ہے. لیکن جہاں تک نسب پدری کا تعلق ہے وہ قریشی ہی صحیح معلوم ہوتا ہے." احوال و آثار" خواجہ صاحب کے خاندان کی مستند کتاب ہے اور اس میں آپ کو قریشی النسل لکھنے پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا. بلکہ افراد خاندان کے

بقیہ اگلے صفحہ پر

حضرت خواجہ خدا بخش رح کی ولادت مولانا قاضی جان محمد کے ہاں تلبنہ میں ۱۱۵۰ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد عالم باعمل اور صاحب زہد و تقویٰ تھے۔ انہیں کی آغوش میں آپ نے ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ مزید تحصیل علوم کے لئے والد گرامی کے ایماء پر دہلی تشریف لے گئے۔ اور مدرسۂ رحیمیہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

دہلی میں قیام کے دوران تحصیل علم کے ساتھ ساتھ آپ کو مشائخ دہلی سے استفادے کا بھی موقع ملا۔ اسی زمانے میں آپ نے ایک ایسا اہم کام انجام دیا جو برصغیر کے مسلمانوں کو ادبار و تباہی سے بچانے میں مددگار ثابت ہوا۔ واقعہ یہ[1] تھا کہ ان دنوں مرہٹوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا اور وہ پورے برصغیر پر قبضہ جمانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اس صورت حالات سے سخت پریشان تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ اگر مرہٹوں کی یلغار کو بروقت نہ روکا گیا تو ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہو کر رہ جائے گا چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو ان حالات سے باخبر کر کے مسلمانوں کے لئے اس کی حمایت حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس غرض کے لئے جو وفد ترتیب دیا گیا اس کا

علم و فضل اور دنیوی جاہ و منصب کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

[1] یہ بات تو ہر شک و شبہ سے بالا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رح نے مرہٹوں کے خلاف مسلمانوں کو آمادۂ جہاد کیا اور اس سلسلے میں مختلف سلاطین اور امراء کے نام مکتوبات بھی بھجوائے۔ یہ بھی بہت حد تک درست ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے شاہ صاحب کی تحریک پر مرہٹوں کا مقابلہ کیا۔ اس سلسلے میں یقیناً کوئی وفد بھی بھیجا ہو گا۔ لیکن جتنی کتب تواریخ ہماری نظر سے گذری ہیں۔ ان میں اراکین وفد کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی نہ خواجہ خدا بخش رح کا نام اس سلسلے میں کہیں دکھائی دیتا ہے۔ تاہم یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کی نظر انتخاب اس نوجوان طالب علم پر پڑی ہو اور انہوں نے ان کے دینی جذبے سے متاثر ہو کر احمد شاہ ابدالی تک اپنا مکتوب پہنچانے کا فریضہ ان کے سپرد کر دیا ہو۔
خواجہ صاحب کا جذبۂ جہاد سے سرشار ہونا بعض دیگر واقعات سے بھی ثابت ہے۔

بقیہ اگلے صفحہ پر

سرخیل حضرت خواجہ خدا بخش کو مقرر کیا گیا۔ چنانچہ آپ حضرت شاہ ولی اللہ کا مکتوب گرامی احمد شاہ ابدالی کے نام لے کر وفد کے ہمراہ غزنی تشریف لے گئے۔ یہ انہی مساعی کا نتیجہ تھا۔ کہ مرہٹوں کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی اور مسلمان مرہٹوں کی دستبرد سے بچ گئے۔

حضرت خواجہ خدا بخش رح تحصیل علم کے بعد واپس تلبنہ تشریف لے آئے اور والد گرامی کی حیات تک وہیں رہے۔ اس کے بعد یہاں سے نقل مکانی کرکے ملتان میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ملتان کے محلہ کمہار پورہ میں آپ کی رہائش تھی۔ یہیں آپ نے درس و

مثلاً جب سکھوں نے ملتان پر چڑھائی کی تو خواجہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد حضرت حافظ جمال ملتانی رح کے دوش بدوش سکھوں کا مقابلہ کیا۔ کہتے ہیں کہ قلعہ ملتان کی جس برجی کی طرف سکھ بڑھتے تھے وہاں خواجہ صاحب تلوار سونتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ یہ روایت مختلف کتب سیر اور ملفوظات میں ملتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا سن پیدائش ۱۱۱۵ھ اور تاریخ وفات ۱۱۷۶ھ ہے۔ اور خواجہ خدا بخش رح کا سن پیدائش ۱۱۵۰ھ ہے۔ گویا حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت خواجہ صاحب کی عمر ۲۶ سال تھی اس لحاظ سے خواجہ صاحب کا مدرسہ رحیمیہ میں پڑھنا شاہ صاحب کی وفات سے چند سال پہلے ہی ممکن ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ زمانہ وہی ۷۳-۱۱۷۲ھ کا ہو۔ جب شاہ صاحب سکھوں اور مرہٹوں کی ریشہ دوانیوں سے سخت پریشان تھے۔ اس وقت خواجہ صاحب کی عمر ۲۲ سال کی تھی ۲۲/۲۳ سال کی عمر کے نوجوان نے جو دین سے شغف ہی نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ شاہ صاحب کا صحبت یافتہ بھی تھا۔ اگر یہ کارنامہ انجام دے دیا ہو تو کیا عجب ہے۔ ویسے بھی عمر کے لحاظ سے علم و فضل کا اندازہ لگانے کے لئے تعلیم کے موجودہ معیار کو سامنے رکھنے کے بجائے آج سے دو سو سال پہلے کے دور پر نظر رکھنی چاہیئے جب عموماً نوعمری میں ہی لوگ تحصیل علم کی تمام منازل طے کر لیا کرتے تھے

تدریس کا آغاز کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے درس کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچ گئی اور طالبان علم کھنچ کھنچ کر آپ کے پاس آنے لگے۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے چالیس سال تک ملتان میں قرآن و حدیث کا درس دیا اور اس عرصہ میں ہزاروں مخلوق خدا آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوئی۔ آپ کے حلقۂ درس کے متعلق سید عبدالحی ندوی الخواطر میں اس طرح رقمطراز ہیں[1]

"الشیخ العالم خدا بخش الجشتی الملتانی احد من کبار المشائخ فی عصرہ ولد انشأ "بملتان" وقراء العلم علیٰ من بھا من العلماء ثم تصدر بتدریس و درس بمدینتہ العلم "ملتان" اربعین سنتہ"

درس و تدریس کے دوران ہی آپ کی طبیعت روحانیت کی طرف مائل تھی لیکن ابھی کسی پیر کامل تک رسائی نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے تسکین خاطر مفقود تھی۔ اس غرض کے لئے آپ نے کئی مقامات کا سفر بھی کیا اور متعدد بزرگوں سے ملاقات کی۔ بالآخر آپ کا گوہر مقصود حضرت حافظ جمال ملتانی رح کی شکل میں نظر آیا اور آپ ان کے حلقۂ ارادات میں شامل ہو گئے۔

آپ کی بیعت کا واقعہ جس سے اس علاقے کی تاریخ تصوف میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا قدرے تفصیل طلب ہے۔ کہتے ہیں[2] کہ ایک دن حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رح، حضرت حافظ جمال ملتانی رح اور دیگر حضرات حضرت مولانا فخر جہاں رح کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا کہ ملتان حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح کے قبضے میں ہے وہ نہیں چاہتے کہ وہاں کسی اور ولی کا عمل دخل ہو۔ بلکہ وہ وہاں کسی کامل ولی کی اقامت بھی پسند نہیں کرتے۔ یہ سن کر حضرت مولانا خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے

---

[1] نزہتہ الخواطر جلد ششم صفحہ ۳۶۸ (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد (دکن))
[2] گلشن ابرار ترجمہ حدیقتہ الاخبار صفحہ ۲۸۲

دن جب پھر انہیں حضرات کے ساتھ مجلس آراستہ ہوئی تو آپ نے قبلۂ عالم کو مخاطب کر کے فرمایا۔ [1]

"میاں نور محمد تاہنوز بملتان ولایت حضرت بہاؤالحق بود لہٰذا تصرف ولی دیگر کارگر نمی شد اما حالا ملتان حوالہ ما یان شدہ است لازم است کہ مریدے از مریدان خود د آن جا بفرستند و بگویند کہ درعین خانقاہ حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ خلق را مرید کنند و تصرف خود کنند چوں قبلۂ عالم ایں بار در مہار شریف از دہلی رسیدند و حافظ جمال الدین را رخصت سمت ملتان فرمودند ایشاں مولوی خدا بخش ملتانی را یکے از خلفائے نامدار ایشاں و مقبولان بارگاہ پروردگار بودند درعین خانقاہ حضرت بہاؤالحق مرید کردند"

اس طرح آپ کی بیعت سے ملتان میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید ہوئی۔ اور مشائخ چشت کا اس علاقے میں عمل دخل بڑھا۔ اس سے قبل کسی سہروردی بزرگ کے علاوہ یہاں کسی کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ حضرت قبلۂ عالم نے اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق اپنے مرید و خلیفہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ کو ہدایت کی کہ وہ ملتان میں حضرت غوث بہاؤالحق کی خانقاہ میں بیٹھ کر طالبان طریقت کو بیعت سے مشرف کریں چنانچہ جب خواجہ خدا بخش نے آپ سے بیعت کی استدعا کی تو حضرت حافظ جمال آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو حضرت غوثؒ کے مزار پر لے گئے اور وہیں بیعت سے مشرف کیا۔

حضرت حافظ جمال علیہ الرحمتہ سے شرف بیعت حاصل کر کے آپ نے سلوک کے اعلیٰ مدارج طے کئے اور بہت جلد روحانیت کے مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے۔ آپ کی علمی وجاہت کی تو پہلے ہی دھوم تھی جب طریقت کا رنگ چڑھا تو مقبولیت اور

---

[1] مناقب المحبوبین (مطبع مصطفائی) صفحہ ۱۲۳

رجوع خلق پہلے سے بھی کہیں زیادہ ہو گیا۔

ایک[1] دفعہ آپ نے حافظ صاحب کے ہمراہ مہار شریف میں حضرت قبلۂ عالم کی زیارت کا ارادہ کیا۔ ابھی راہ ہی میں تھے کہ قبلۂ عالم جو اپنے احباب کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یکایک فرمانے لگے کہ اب کے حافظ صاحب بڑا عجیب و غریب تحفہ ساتھ لا رہے ہیں۔ جب حافظ صاحب آپکی خدمت میں پہنچے تو لوگ اس تحفے کو دیکھنے کے مشتاق تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید ملتان کی بنی ہوئی کوئی عمدہ چیز آپ حضرت کی خدمت میں پیش کریں گے۔ لیکن جب ایسی کوئی چیز نظر نہ آئی تو وہ اور متعجب ہوئے۔ حضرت قبلۂ عالم نے فرمایا کہ یہ تحفہ خواجہ خدا بخش کی ذات خاص ہے جو یہ میرے لئے لائے ہیں۔ اس کے بعد سے قبلۂ عالم آپ پر بے حد شفقت فرمانے لگے۔ آپ حافظ صاحب سے اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ "تم نے ایک بڑا شیر اپنے جال میں پھنسایا ہے۔"

نقل[2] ہے کہ حضرت خواجہ خدا بخش بیس دفعہ حضرت قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر مرتبہ آپ سے نیا فیض پایا خود حافظ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ "خواجہ خدا بخش کو میرے ساتھ تو فقط بیعت کا تعلق ہے۔ ان کو جو بلند مرتبے حاصل ہوئے ہیں خود حضرت قبلۂ عالم سے ملے ہیں۔

آپ میں اتنے کچھ کمالات کے باوجود عجز و انکسار کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جو شخص آپ سے ملاقات کرنے آتا۔ آپ کھڑے ہو کر اس کو خوش آمدید کہتے۔ ایک دفعہ[3] آپ کسی طالب علم کو درس دے رہے تھے کہ ایک ہندو آپ کے پاس آیا، حسب معمول

---

[1] گلشن ابرار صفحہ ۲۸۳
[2] گلشن ابرار صفحہ ۲۸۳
[3] گلشن ابرار صفحہ ۲۸۷

اسے دیکھ کر بھی آپ کھڑے ہو گئے۔ طالبعلم جس کا اس طرح پڑھنے سے حرج ہوا تھا طنزاً بولا کہ حضرت کفار کی تعظیم تو شرعاً منع ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا کروں تعظیم کے لئے اٹھنا میری عادت بن گئی ہے۔

ایک[1] دفعہ ایک پٹھان آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ حضرت میرا ارادہ کہیں دور سفر پر جانے کا ہے۔ کسی فقیر سے فرما دیجئے کہ وہ میرے گھر کا سودا سلف لا دیا کرے۔ آپ نے منظور فرما لیا۔ جب وہ پٹھان باہر سفر پر چلا گیا۔ تو آپ روزانہ اس کے دروازے پر جاتے۔ لونڈی سے کام کاج پوچھتے اور اسے انجام دیتے۔ پردہ نشین خواتین کو پتہ بھی نہ تھا کہ روزانہ یہ خدمت کوئی فقیر انجام دیتا ہے یا آپ خود اس کام پر مامور ہیں۔ ایک دن آپ لکڑیوں کا گٹھہ سر پر رکھے اس کے در پر آئے اور آواز دی۔ اتنے میں وہ پٹھان بھی سفر سے واپس آ گیا۔ اس نے جب آپ کو اس حالت میں دیکھا تو نہایت شرمندہ ہوا۔ اور معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں میں بھی تو ایک فقیر ہوں۔

آپ کو اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت عطا ہو چکا تھا۔ اور اجازت بیعت بھی مل چکی تھی لیکن اس کے باوجود جب تک حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ حیات رہے آپنے براہ راست کسی کو اپنا مرید کرنا سوءِ ادب خیال کیا اور صرف علمی حد تک لوگوں کی رہنمائی کرتے رہے۔

ملتان پر سکھوں کی یلغار کے بعد جب دوسرے صلحاء و علماء وہاں سے ترک سکونت پر مجبور ہوئے تو آپ نے بھی ملتان کو خیر باد کہا اور بہاولپور کا رخ کیا جب نواب صادق محمد خاں کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خیرپور میں مستقل قیام فرمانے کی استدعا کی۔ نواب صاحب کو آپ سے بے حد عقیدت تھی اور انہوں نے آپ کے لنگر کا تمام خرچ اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ آپ کے قیام سے خیرپور

---

[1] گلشن ابرار صفحہ ۸۸-۲۸۷

رشک گلزار بن گیا اور طالبان حق جوق درجوق وہاں جمع ہونے لگے۔

آپ کی تمام عمر درس و تدریس میں صرف ہوئی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد علم ہیئت، صرف و نحو اور منطق و معانی آپ کے درس کے خاص موضوعات تھے۔ آخری عمر میں تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری کیا۔ اس دور کی ایک مشہور کتاب توفیقیہ آپ کی یادگار ہے۔ اس میں شریعت کے احکام، طریقت کے آداب، حقیقت اور معرفت کے اسرار بیان کرنے کے علاوہ وحدت الوجود کے مسئلے کو بھی بڑے عالمانہ اور عارفانہ انداز میں حل فرمایا ہے۔

تحفۃ الابرار میں آپ کے متعلق لکھا ہے۔[1]

"آپ کامل ترین خلیفہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانی ؒ تھے۔ آپ عالم متبحر اور رموز تصوف کے اعلیٰ درجے کے ماہر تھے۔ رسالہ توفیقیہ علم توحید میں آپ کا تصنیف کیا ہوا قابل دید اور نایاب ہے۔"

یہ رسالہ آپ کے علم و فضل کے علاوہ آپ کے حال کا بھی آئینہ ہے۔ آپ کو دنیا کی ہر چیز میں مشہود حقیقی کا جلوہ نظر آتا تھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ انسان جو کچھ دیکھے اسے ذات مقدس کا جلوہ سمجھے۔ رسالے کا آغاز ہی ان اشعار سے کیا ہے۔

عارف حق شناس را باید کہ بہر سو چو دیدہ بکشائد
بنید آنجا جمال حق پیدا نگسلد از جمال حق قطعا

یعنی جدھر بھی نظر اٹھے جمال یار دکھائی دے۔ اس وجہ سے ذات مقدس سے غافل نہ ہو۔ مزید ارشادات ملاحظہ ہوں۔

"معنی نگسلد از جمال حق این ست کہ ہر کجا بنظر چشم بنید گوید کہ ذات حق متجلی ست

---

[1] تحفۃ الابرار جدول ثانی صفحہ ۱۵۲ مطبوعہ مطبع رضوی دہلی (رسالہ توفیقیہ مدت ہوئی زیور طبع سے آراستہ ہوا تھا۔ لیکن اب ناپید ہے البتہ اس کے بعض قلمی نسخے بعض اہل ذوق حضرات کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔ اسکے علاوہ ایک اور رسالہ ذوقیہ بھی آپ سے منسوب ہے جو ابھی تک

بایں صورت از ذات مقدس غافل نشود و اینکہ شنیدہ باشد کہ ذات باری تعالیٰ متجلی ست
بایں صورت ایں صورت را وجود در علم باری تعالیٰ است در خارج از علم باری تعالیٰ است
در خارج از علم باری تعالیٰ وجود نیست پس ذات مقدس موجود در ظاہر است و صورت
کہ تعین موجود محض در علم باری تعالیٰ است خارج از علم وجود ندارد و تعین را در عالم وجود مثال نیست
زیرا نکہ تعین در امور نسبتی است چنانچہ زید بہ نسبت عمر و طویل است و عمر بہ نسبت زید کوتاہ است
اگر ظہور ہائے ذات متعدد می بود نسبت امور با یکدیگر نیز چوں ظہور ہائے ذات متعدد نیست
نسبت امور با یکدیگر نیز ہست و ایں نسبت را وجود در علم حق تعالیٰ است و آنچہ موجود در علم باری
تعالیٰ است وجود او در نفس الامر است اما در خارج نیست چنانچہ صداقت و عداوت
را وجود در نفس الامر ہست مگر در خارج نیست و آثار صداقت و عداوت از رحم و قہر
در خارج ظاہر است پس ہمچنیں اثر ہر تعین ظاہر است و از سبب ظہور آثار مختلفہ در وہم می
آید کہ اشیائے مختلفہ موجود در خارج ہستند و حالانکہ موجود در خارج یک ذات مقدس
است کہ بایں صور ظاہر است و ایں صور و تعینات در خارج عدم ہستند۔

پس چوں صور و تعینات را وجود در نفس الامر ست بنا بر ثواب و عقاب
و عبادت و تکالیف شرعیہ برہمیں است مثلاً چوں زید در علم خود دانست کہ فلاں کتاب
بایں طریق خواہم نوشت ایں کتاب را وجود در عالم مثال متصل است و زید کہ در خواب
بیند کہ فلاں مکان رفتم و با فلاں مکین ملاقات کردم ایں مکان را و آں شخص را وجود در عالم
مثال منفصل است موجودات عالم مثال و موجودات عالم ملکوت و موجودات عالم شہادت
ہمہ ظہور یکذات مقدس است کہ ذات مقدس بایں صور ظاہر شدہ و مثال منفصل دو
قسم است یک قسم آنست کہ ارواح قبل از تعلق بہ بدن در آں عالم مثال می باشد و ایں قسم
را جابلقا گویند دیگر آنکہ ارواح بعد از مفارقت بدن در آنجا می باشد و ایں قسم را[1] جابلسا گویند
و اگر در خواب روح سیر کند در عالم مثال اول کہ مذکور شد احوال آئندہ معلوم
کند و اگر ارواح سیر میکند در عالم مثال دوم احوال موتیٰ دریافت میکند چنانچہ بزرگے فرمود۔

---

[1] طبع نہیں ہوا

اے پسر بنگر بچشم دل دریں نوریں سپہر ۔۔۔ کوز جابلقا سحر گر قصد جابلسا کند

یعنی روح اول در جابلقا و بعد ممات سیر در جابلسا میکند وغیرہ وغیرہ"

اسی مسئلہ جابلقان و جابلسان میں صاحب دبستان مذاہب بحوالہ شرح مختصر گلشن راز لکھتے ہیں۔

"ہر گاہیکہ روح از بدن عنصری جدا شود و در اجسد مثالی و برزخ باشد کہ آنرا ابدال مکتسب گویند و برزخیکہ روح بعد از مفارقت انجا متصل شود غیر برزخی ست کہ میان ارواح و اجسام است اول را غیب امکانی و دویم را غیب مماتی گویند جمعے کہ مشاہدہ غیب امکانی کنند از حوادث آئندہ واقف باشند آں بسیار اند بخلاف غیبت مماتی کہ مکاشفہ احوال متوفی نادر است شیخ محمد لاہجی در شرح گلشن راز آوردہ کہ جابلقا شہر لیست در غایت بزرگی در مشرق و جابلسا نیز شہر لیست بغایت عظیم در مغرب و ارباب تاویل دریں باب سخناں بسیار گفتہ"

شیخ محی الدین ابن عربی اپنے فتوحات مکی میں اس طرح تصریح کرتے ہیں۔

"البتہ برزخ اخیر غیر اول است وجہ تسمیہ اول بغیب امکانی و اخیر بغیب مماتی فرمودہ انداز برائے آنکہ ہر صورت کہ در برزخ اول است ممکن است کہ در شہادت ظاہر شود و صورتیکہ در برزخ اخیر است ممتنع است کہ رجوع شہادت کند مگر در آخرت واز مکاشفاں بسیار اندکہ صور برزخ اول برایشاں ظاہر میشود میدانند کہ در عالم حوادث چہ واقع شود اما بر احوال موتی کم کسے از مکاشفاں مطلع میشود"

آپ کی مجلس میں ہمیشہ اسرار و معارف کا بیان ہوتا تھا۔ اور باتوں باتوں میں آپ ایسے نکتے حل فرما دیتے تھے۔ جن کے لئے ضخیم کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر برمحل اشعار سے خشک موضوع کو بھی شگفتہ بنا دیتے تھے۔ صبح دم یہ اشعار زبان مبارک پر ہوتے تھے۔

سحر برخیز ذکر بے ریا کن ۔۔۔ بداں درگاہ خود را آشنا کن

اگر گوئی کہ من درویش عالم　　نظر بر خاندان مصطفےٰ کن
اگر گوئی کہ بر من ظلم رفت است　　نظر بر گشتگان کربلا کن

خواجہ صاحب کی تبحر علمی اور فقہ و حدیث میں غیر معمولی دستگاہ ہونے کی وجہ سے اکثر مسائل میں لوگ آپ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بعض فتوے بھی علمی یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قبروں پر اذان دینے کے سلسلے میں آپ کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

"اذان دادن بر قبر میت از دفن مختلف فیہ است اما خوب تر این ست کہ اذان دادہ آید کہ موجب عادت قدیمی کلمہ شریف بخواند پس از عذاب تخفیف باید موجب روایت یجوز الاذان علی القبر المیت بعد دفنہ لان الملائکہ یستغفرون ویستقلون فی ثواب الاذان الی یوم القیامۃ ولا یعذبہ عذاباً شدیداً" کذا فی الملتقط (فقیر خدا بخش)

ترجمہ:- قبر پر اذان دینا میت کے دفن کرنے کے بعد مختلف فیہ ہے، مگر اچھا ہے کہ میت کی قبر پر اذان دی جائے۔ کیونکہ ایک قدیم رواج ہے اور چونکہ اس میں کلمہ پڑھا جاتا ہے اس لئے اس سے عذاب قبر میں تخفیف ہوتی ہے۔ اس روایت کے مطابق قبر پر اذان دینا جائز ہے کیونکہ اذان کی برکت سے میت کی قبر پر فرشتے بخشش کی دعا مانگتے ہیں اور اس اذان کے ثواب کی وجہ سے تا قیام قیامت عذاب میں تخفیف رہتی ہے۔

مطلقہ عورت:- (جسے تین طلاق دی گئی ہو) اگر عدت گذارے بغیر نکاح ثانی کرے تو اس کے متعلق خواجہ صاحب کا فتویٰ یہ ہے۔

اگر ناکح و نکاح خواندہ نکاح خواندن در عدت حلال داند و حل شریعت اور احرام میداند پس محلل حرام کافر شود و علیٰ ہذا القیاس گواہاں چوں کافر شدند

اگر زماں در نکاح ایشاں اعادہ کردہ شود و تلقین اسلام ایں مردمان

رانمودہ و نکاح در عدت ہم اعادہ نمودہ شد واللہ اعلم بالصواب.

فقیر خدا بخش

ترجمہ :- اگر ناکح اور نکاح پڑھنے والے اس جرم میں شریک ہیں اور عدم عدت کو حلال جانتے ہیں تو از روئے شریعت وہ کافر ہو گئے۔ کیونکہ محرمات شرعیہ یعنی عدت کی حد کو توڑنا حرام ہے اور گواہ بھی کافر ہیں۔ لہٰذا از سر نو گواہ و نکاح خواں کلمہ طیبہ پڑھیں اور اپنے اپنے نکاح کا اعادہ کریں واللہ اعلم بالصواب۔ فقیر خدا بخش

حضرت خواجہ خدا بخش رح نے تقریباً ایک سو سال کی عمر پائی تھی۔ قوائے ذہنی وجسمانی آخر تک جید رہے۔ البتہ وصال سے کچھ عرصہ قبل محویت اور تسلیم و رضا کا غلبہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ گلشن ابرار میں خواجہ امام بخش تحریر فرماتے ہیں۔[1]

"ایک دن میرے جد امجد خواجہ نور احمد صاحب نے حضرت سلطان التارکین خواجہ محمد سلیمان تونسوی رح سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب کس حال میں ہیں تو فرمایا کہ جمع الجمع کے درجے سے گذر رہے ہیں۔ اور اس میں اتنے محو تھے کہ لوگ اسے غشی سے تعبیر کرنے لگے۔ لیکن درحقیقت وہ ان کے تسلیم و رضا کی انتہائی حالت تھی"۔

وصال[2] کے وقت باقی تمام مشاغل ترک ہو گئے تھے۔ البتہ نفی و اثبات یعنی لا الٰہ الا اللہ کا ذکر جاری تھا۔ آخر غرہ ماہ صفر ۱۲۵۰ھ کو جان عزیز جان آفریں کو سپرد کر دی۔

آپ کے ہاں صرف ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ جو طفلی میں ہی اللہ کو پیارا ہو گیا تھا۔ اس

---

[1] گلشن ابرار صفحہ ۳۳۱

[2] گلشن ابرار صفحہ ۳۳۲

تجسس میں حضرت قبلۂ عالم کا خیال آیا تو یہ معلوم کر کے کہ آپ کے پاس امراء و رؤسا کی آمد و رفت ہے۔ آپ نے کسی اور کی تلاش شروع کر دی انہیں دنوں حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ کی ولایت کی بھی بڑی شہرت تھی اور ان کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ وہ اہل دنیا سے میل جول نہیں رکھتے۔ لہٰذا آپ ان کی خدمت میں پہنچے اور عرض مطلب کیا۔ حضرت سیرانی نے مراقبہ کیا تو انہیں آپ کے دستگیر قبلۂ عالمؒ نظر آئے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو قبلۂ عالمؒ کے پاس جانے کا مشورہ دیا لیکن آپ پھر بھی حضرت سیرانیؒ کے دامن گیر رہے۔ اسی دوران ایک بار حضرت بابا صاحب کے عرس میں شرکت کے لئے حافظ غلام حسن صاحب حضرت خواجہ سیرانی کے ہمراہ پاک پٹن گئے ہوئے تھے۔ اس موقع پر حضرت قبلۂ عالمؒ بھی تشریف لائے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر ہزاروں لوگ آپ کی زیارت کے لئے اُمڈ پڑے سیرانی صاحب بہشتی دروازے کے سامنے مصلیٰ بچھائے بیٹھے تھے۔ جب ہجوم بڑھا تو مصلیٰ وہاں سے ہٹا کر کچھ دور فاصلے پر بچھا لیا۔ وہاں بھی لوگوں کا ہجوم ہوا تو آپ ایک کونے میں جا بیٹھے۔

اس کیفیت کو دیکھ کر حافظ غلام حسن کا اعتقاد حضرت سیرانیؒ سے اور بڑھ گیا۔ اور آپ نے اصرار کیا کہ آپ انہیں یہیں مرید کر لیں۔ آپ نے عرس ختم ہونے پر اس مسئلے کو اٹھا رکھا۔ جب عرس ختم ہوا تو سیرانی صاحب نے حافظ صاحب کو ایک وظیفہ پڑھنے کے لئے بتایا اور کہا کہ یہ پڑھ کر سو جانا اور خواب میں جو کچھ دیکھنا مجھے آکر بتانا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خواب نظر آیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار لگا ہے۔ دائیں طرف حضرت گنج شکرؒ بیٹھے ہیں اور بائیں طرف حضرت قبلۂ عالمؒ۔ خواجہ محکم الدین سیرانیؒ دربانوں کی طرح حویلی کے دروازے پر کھڑے ہیں۔

ے گلشن ابرار صفحہ ۲۵۷

حافظ غلام حسن صاحب نے یہ خواب صبح کو حضرت سیرانیؒ کو سنایا آپ نے دوسری رات بھی وہی وظیفہ پڑھنے کے لئے کہا۔ اس مرتبہ حافظ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت سیرانیؒ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ نے حضرت گنج شکرؒ کے حوالہ کیا۔ اور آپ نے ان کا ہاتھ حضرت قبلۂ عالم کے ہاتھ میں دے دیا۔[1]

اس خواب نے حافظ غلام حسن کی حالت بدل دی اور ان کے دل میں قبلۂ عالم کی محبت ایسی جاگزیں ہوئے کہ وہ آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہونے کو بے تاب ہو گئے۔ دراصل حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ حافظ غلام حسن صاحب کے دل سے وہ کدورت دور کرنی چاہتے تھے۔ جو غلط فہمی کی بنا پر جم گئی تھی۔ اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ اولیا وصلحا سے بدگمانی کرنی درست نہیں۔

حافظ غلام حسنؒ قبلۂ عالم کی بیعت سے مشرف ہو کر ریاضت اور مجاہدے میں مصروف ہو گئے۔ پھر آپ کی صحبت میں حافظ صاحب کو وہ کیف حاصل ہوا کہ انھوں نے گھر واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور مستقل وہیں رہنے لگے۔ آپ نے ساری عمر شادی بھی نہ کی کچھ عرصہ کے بعد قبلۂ عالم نے حافظ صاحب کو خرقۂ خلافت عطا کیا اور اس کے چند دن بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ حافظ صاحب کو مرشد کی مفارقت اتنی شاق گذری کہ انھوں نے کئی دن تک نہ کچھ کھایا پیا۔ اور نہ سوئے ہر وقت مرشد کے مزار پر بیٹھے رہتے تھے۔ آخر آپ نے وطن واپسی کا ارادہ کیا۔ رخصت سے پہلے پیر بھائیوں اور پیرزادوں سے مل رہے تھے کہ قاری عزیز اللہ بھی آ گئے۔ یہ بھی حضرت قبلۂ عالم کے مریدوں میں سے تھے۔ اور بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ ان پر جو نظر ڈالی تو ان کے چہرے پر قبلۂ عالم

---

[1] گلشن ابرار صفحہ ۲۵۹

کی مشابہت دکھائی دی ان پر مرشد کا ایسا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ کہ وہ صورت اور سیرت دونوں میں مرشد کا نمونہ بن گئے تھے۔ غرض اس مشابہت نے حافظ صاحب کو ایسا خود رفتہ کیا کہ انہوں نے وطن واپس جانے کا ارادہ پھر ترک کر دیا اور قاری صاحب کی خدمت گذاری میں مصروف ہو گئے۔ قاری صاحب نے بھی حافظ صاحب پر پوری توجہ کی اور روحانی درجات بلند تک پہنچنے میں مدد کی۔

حافظ غلام حسن صاحب حضرت قبلۂ عالمؒ سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے باوجود لوگوں کو مرید نہیں کرتے تھے۔ آخر حضرت حافظ جمال ملتانیؒ کے حکم سے مسند ارشاد سنبھالی اور لوگوں کی رہنمائی شروع کی۔ آخر عمر میں آپ کے کمالات کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ اور لوگ جوق در جوق آپ سے فیض حاصل کرنے آنے لگے تھے۔ کہتے ہیں ان کی زبان میں بے حد تاثیر تھی۔ جو کہہ دیتے وہ ہو کر رہتا تھا۔ مریدوں کے احوال کی بڑی فکر رہتی تھی اور ہر طرح ان کی مدد اور رہنمائی کرتے تھے۔

۹ ذی القعدہ ۱۲۴۰ھ کو انتقال ہوا اور قبلۂ عالمؒ کے مزار کے جنوبی جانب دفن ہوئے۔

خانوادہ سہروردیہ بخاریہ (اوچ)

حضرت مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری رح

[1] آپ سلسلۂ سہروردیہ کے رکن رکین اور خانوادۂ بخاریہ اوچ کے بانی مبانی ہیں۔ آپ کے والد گرامی حضرت سید علی ابوالمؤید بن جعفر حسینی سادات بخارا کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب نو واسطوں سے امام محمد تقی تک پہنچتا ہے۔ آپ کی ولادت بخارا میں ۵۹۵ھ میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد کی نگرانی میں حاصل کی۔

اس زمانے میں مشہور سہروردی بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح تحصیل علم کے سلسلے میں بخارا میں مقیم تھے۔ ان کے حضرت جلال بخاری کے خاندان سے روابط پیدا ہو گئے۔ حضرت سید علی بن جعفر ان کے بڑے مداح تھے جس کی وجہ سے حضرت جلال بخاری بھی ان کے قریب ہو گئے۔ بعد میں یہ تعلق خاطر اسقدر استوار ہوا۔ کہ جب حضرت بہاؤالدین ذکریا رح واپس ملتان تشریف لے گئے۔ تو آپ کے دل میں بھی ملتان

---

[1] آپ کے مفصل حالات کے لئے میری کتاب "خطۂ پاک اوچ" ملاحظہ ہو۔

جانے کی خواہش پیدا ہوئی اور بالآخر یہی خواہش آپ کو ہندوستان لے آئی۔ اسوقت آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ البتہ آپ کے دو فرزند سید علی اور سید جعفر آپ کے ہمراہ تھے۔ ۶۲۵ھ میں آپ بھکر پہنچے۔ یہاں مشہور بزرگ حضرت سیّد بدرالدین کی صاحبزادی سے آپ نے عقد ثانی کیا۔ اس کے بعد آپ ملتان تشریف لے آئے اور یہاں حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کی صحبت میں کم وبیش تیس برس تک رہے۔

حضرت جلال سرخ بخاریؒ اور حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے درمیان صرف پیری مریدی کا ہی رشتہ نہ تھا۔ بلکہ باہم دوستی اور مودت کا بھی تعلق تھا مشہور مورخ میر شیر علی قانع اپنی کتاب تحفۃ الکرام میں لکھتے ہیں۔

"سید جلال الدین بخاری جنہیں سرخ بخاری کا لقب حاصل ہے شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے مرید اور یار ہیں"

حضرت شیخ بہاؤالحق ذکریا ملتانیؒ کی وفات کے بعد آپ وارد اوچ ہوئے اور یہاں مستقل سکونت اختیار کی۔

آپ بڑے پایہ کے عالم۔ زبردست فقیہ اور صاحب کرامت بزرگ تھے آپ کے فیوض علمی اور روحانی برکات سے ایک دنیا بہرہ ور ہوئی۔ جس دور میں آپ نے اوچ میں نزول اجلال فرمایا اس علاقے پر ہندوؤں کا قبضہ و تسلط تھا۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے اطراف و نواح کے بے شمار کفّار حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ خاص طور پر راجپوتوں۔ جدھر۔ ڈاہر اور سیال قوم کے افراد نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ جھنگ سیالوں کی بنیاد آپ نے رکھی۔ آپ تبلیغی دوروں کے سلسلے میں بیکانیر اور جیسلمیر بھی تشریف لے گئے۔ جیسلمیر کے راجہ کے ہاں ہونے والے بیٹے کے متعلق آپ نے مسلمان ہونے کی پیشین گوئی کی تھی چنانچہ بڑا ہو کر وہ نہ صرف مسلمان

ہوا بلکہ اسلام کا زبردست مبلغ بنا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں برکت عطا کی تھی۔ اور یہ آپ کی للہیت اور توسیع اسلام کے سلسلے میں آپ کی دلی لگن کی وجہ ہے کہ آپ کے احفاد و امجاد برصغیر کے گوشے گوشے میں پہنچے اور انہوں نے اس بتکدۂ شرک و کفر میں توحید کی شمع روشن کر کے جگہ جگہ اسلام کا نور پھیلایا۔ آپ کے فرزند اکبر سیّد احمد کبیر تھے۔ ان کے دو فرزند مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور صدر الدین راجو قتال ہوئے جن سے خانوادۂ بخاریہ کو بے حد و حساب فروغ و عروج حاصل ہوا۔

آپ نے ۹۵ سال کی عمر میں ۱۹ ر جمادی الاولیٰ ۶۹۰ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۲۹۱ء وفات پائی۔ تاریخ وفات لفظ "مخدوم" سے برآمد ہوتی ہے۔ اوچ شریف میں آپ کا مزار مبارک مرجع انام ہے۔ مقبرے کی موجودہ عمارت نواب بہاول خاں ثالث نے تعمیر کروائی تھی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ

آپ کا نام سیّد جلال الدین حسین اور لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت ہے۔ آپ حضرت سیّد جلال سرخ بخاریؒ کے پوتے اور حضرت سیّد احمد کبیر کے فرزند اکبر تھے۔ ۱۴ ر شعبان المعظم ۷۰۷ھ کو اوچ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد حضرت شیخ جمال خنداں روؒ اور حضرت شیخ بہاؤ الدینؒ سے اکتساب علم کیا۔ کچھ عرصہ ملتان میں حضرت شیخ رکن عالم کی نگرانی میں بھی مشغول تدریس رہے حجاز اور مدینہ منورہ میں بھی وہاں کے مشہور علماء سے بعض علوم کی تکمیل کی۔

سیر و سیاحت کا آپ کو بے حد شوق تھا۔ اسی وجہ سے جہانیاں جہاں

---

[1] یہ رانجکا رمنن پیر کے نام سے مشہور ہوا۔ جنکے حالات اسی کتاب میں الگ درج ہیں۔

گشت کا لقب پایا۔ لطائف[1] اشرفی کی روایت کے مطابق آپ نے زمین کے بہت بڑے حصّے کا سفر کیا۔ اس سفر میں بے شمار اہل اللہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ مختلف تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ نے ۱۴ سلسلوں کے مشائخ اور ۱۳۰ سے زائد صاحب ارشاد بزرگوں سے استفادہ کیا اور خرقۂ خلافت اور اجازت بیعت حاصل کی۔

آپ علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور روحانیت کے بلند ترین مرتبہ پر فائز تھے آپ کا دامن فیض بڑا وسیع تھا۔ جو آپ سے وابستہ ہوا ظاہری و باطنی فیوض سے مالا مال ہوگیا۔ آپ کی تمام عمر تبلیغ اسلام میں بسر ہوئی اور ہزاروں مخلوق خدا آپ کی توجہ سے نعمت اسلام سے بہرہ در ہوئی۔ کھرل راجپوت خاص طور پر آپ کی کوششوں سے مسلمان ہوئے۔ بہاولپور گزیٹیئر میں ان قبیلوں کی تعداد آٹھ لکھی ہے۔ جنہوں نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح اپنے روحانی کمالات اور علم و فضل کی وجہ سے بڑی مرجعیت کے حامل تھے۔ سلاطین و امرا آپ کی کشف برداری پر فخر کرتے تھے۔ سلطان محمد تغلق کو خاص طور پر آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ اس نے شیخ الاسلام کا منصب اور ۴۰ خانقاہیں آپ کی تحویل میں دینی چاہیں۔ لیکن چونکہ دنیوی اعزاز و اکرام آپ کی طبیعت کے منافی تھا اس لئے آپ نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں۔

"سلطان محمد تغلق نے مجھکو شیخ الاسلام مقرر کیا اور ۴۰ خانقاہیں میری تحویل میں دے دیں۔ شیخ رکن الدین ابوالفتح (شاہ

---

[1] حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ملفوظات اور سوانح پر مشتمل کتاب ہے جسے حضرت نظام یمنی نے مرتب کیا تھا۔ حضرت جہانگیر سمنانی چشتیہ سلسلے سے منسلک تھے۔ لیکن فیض روحانی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بھی حاصل کیا تھا۔

رکن عالم) مجھے خواب میں دکھائی دیئے اور فرمایا تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا۔ صبح کو شیخ کے امام نے بھی کہا کہ شیخ کا حکم ہے۔ جلد روانہ ہو جاؤ۔ تیاری کی کیا ضرورت ہے میں نے حضرت مخدوم والد سے اجازت طلب کی اور روانہ ہو گیا میرے پاس زاد سفر نہ تھا لیکن حق تعالیٰ نے بے حد انعامات واکرام سے نوازا اور زاد سفر کی یہ سبیل پیدا فرمائی کہ ایک عزیز جو سفر حج کے ارادے سے روانہ ہو رہا تھا۔ واپس آ گیا اور اس کا سفر خرچ مجھے مل گیا۔ ساتھ ہی گھوڑا بھی سواری کے لئے دے دیا۔ میں نے وہ گھوڑا مولانا نظام الدین کٹرہ کو دے دیا جو دق کے مریض تھے۔ اور خود پاپیادہ حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا اور انواع واقسام کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوا[1]"

اس واقعے سے جہاں آپ کی بے نفسی اور مرشد سے آپ کے تعلق خاطر کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیر وسیاحت میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرنے کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ آپ اہل جاہ وحشم سے دور رہنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کا اس حدیث مبارک پر عمل تھا۔

"عالم بنو۔ طالب علم بنو۔ علم کی باتیں سنتے رہو اور اہل علم سے محبت کرو۔"

چنانچہ آپ ہمیشہ تحصیل کمالات میں کوشاں رہے۔ اس سلسلے میں صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کی صبر آزما تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے اسی ذوق رہ نوردی کی بنا پر "جہانیاں جہاں گشت" آپ کا لقب قرار پایا۔

آپ کے کمالات علمی اور وجاہت دینی کے متعلق نزہتہ الخواطر میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

---

[1] الدر المنظوم صفحہ ۶۰۹

"حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ بڑے نکتہ رس عالم. نہایت نیک. صالح. پارسا اور عبادت گذار تھے. نیکی اور بھلائی کے جملہ امور میں حد درجہ کوشاں. ریاضت کیش دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے. مسلکاً حنفی. عزیمت پر کاربند حاضر دماغی. شیریں کلامی. خوش اسلوبیٔ تحریر میں امتیازی شان کے مالک. اہل علم و فضل کے گروہ کے گروہ ان سے استفادہ کرتے رہے. طلبا اور مریدین ہر وقت گھیرے رہتے تھے."

ثمرات القدس کی روایت کے مطابق آپ کے مریدوں کی تعداد پونے دو لاکھ کے قریب تھی. اسی طرح خلفا کی تعداد بھی سینکڑوں سے متجاوز ہے المنظوم نے ۴۲ خلفا کے نام دیئے ہیں. جن میں سے چند یہ ہیں.

"مخدوم سیّد صدر الدین راجو قتال (برادر خود) شیخ اخی راجگیری. شیخ علم الدین ترمذی. شیخ سراج الدین. سیّد اشرف جہانگیر سمنانی. سیّد شرف الدین مشہدی. شیخ تاج الدین بھکری سیّد محمود شیرازی. سیّد سکندر بن مسعود. شیخ علاؤ الدین علی سید ناصر الدین محمود."

خود آپ نے جن مشائخ طریقت سے نسبت باطنی حاصل کی ان کی تعداد تو ۱۴۰ سے زائد بتائی جاتی ہے. البتہ جن خانوادوں سے آپ کو فیض خاص پہنچا ان میں یہ تین خانودے قابل ذکر ہیں.

۱. چشتیہ نظامیہ بتوسط حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ

۲. سہروردیہ بتوسط حضرت شاہ رکن عالم ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

۳. حسینیہ بخاریہ بتوسط اپنے والد گرامی حضرت سیّد احمد کبیر بن سیّد جلال سرخ بخاری رحمۃ اللہ علیہ.

آپ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی بیحد محبت

د عقیدت تھی اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں اپنی خوش بختی پر نازاں ہوں کہ میں نے حضرت شیخ کے دیکھنے والوں کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔"

آپ کے یہ اقوال آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ خدا کے سوا کسی دوسرے سے حاجت طلب نہیں کرنی چاہیئے۔

۲۔ صبح کے وقت سونا مکروہ ہے۔ اس سے تین چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔
تنگی عیش۔ کوتاہیٔ عمر۔ اور قلت معاش

۳۔ انسان جو کام کرے خدا کی دوستی کے لئے کرے۔

۴۔ یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی ہوا میں اڑے۔ پانی پر چلے۔ اس کے لئے آسمان اور زمین کی طنابیں کھنچ سکتی ہیں۔ مگر اس وقت تک درجۂ ولایت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنی رفتار اور گفتار و کردار میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا کی اتباع نہ کرے۔

۵۔ سالک کو چاہیئے کہ ہمیشہ ملوک و اغنیا سے دور رہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا پھل ملے۔ جو عالم و درویش نفس و خواہشات میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ حقیقت کے رموز و اسرار سے دور رہتا ہے۔

یہ پیکر علم و عمل ۸۸۵ھ کی دسویں ذوالحجہ کو اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ مزار مبارک اوچ بخاری کے شمال مغربی گوشے میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ لوح مزار اس تاریخی شعر سے مزین ہے۔

تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ
تاریخ بود ہشصد و ہشتاد و پنج سال

حضرت سیّد صدر الدین راجن قتالؒ

آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے چھوٹے بھائی اور خلیفۂ مجاز تھے۔ ۲۶ر شعبان المعظم ۷۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔[1] اپنے والد گرامی حضرت سیّد احمد کبیر کے زیر تربیت رہنے کے بعد برادر بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے فیض صحبت سے بہرہ یاب ہوئے۔ آپ فنا فی اللہ کے مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ فرمایا کرتے تھے کہ[2]

"خالق حقیقی نے ہم کو امور خلقت میں مشغول کیا۔ اور برادر عزیز صدر الدین کو اپنی ذات کے عشق میں مستغرق کر رکھا ہے۔"

ویسے بھی اگر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سراپا جمال تھے تو آپ سراسر جلال تھے۔ حد سے زیادہ مجاہدۂ نفس اور زہد و عبادت نے آپ کی طبیعت میں یک گونہ سختی پیدا کر دی تھی۔ اسی وجہ سے آپ قتال کے لقب سے مشہور ہوئے۔

راجن کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ تمام اہل شہر کے دلوں پر آپ کی حکومت ایمانی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور لوگ خود کو آپ کی رعایا کہلوانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اس لئے راجن یعنی بادشاہ آپ کا لقب پڑ گیا۔ لفظ قتال کا ایک غایت یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرما

---

[1] ایک قلمی کتاب مرتبہ فیض محمد اچی میں جو ۱۳۵۳ھ میں حسب الارشاد مخدوم حامد محمد ناصر الدین ثامن سجادہ نشین اوچ بخاری مرتب ہوئی آپ کی ولادت ۲۶ر ماہ شعبان ۷۱۲ھ درج ہے۔

[2] ملفوظات مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ

رہے تھے کہ چڑیوں کی چوں چوں نے آپ کی نیند خراب کر دی۔ اس پر آپ نے غصّہ میں فرمایا[1] "مویاں مرداں ہیں" آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے تھے کہ چڑیاں مردہ ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ اسی روز سے قتال بھی آپ کے نام کا جزو بن گیا۔

یہ قصہ بھی اکثر تذکروں میں درج ہے کہ بادشاہ دہلی کی طرف سے "نواہوں" نام کا ایک ہندو اوچ کا حاکم تھا۔ جن دنوں حضرت جلال الدین حسین مخدوم جہانیاں جہاں گشت علیل تھے۔ نواہوں آپ کی عیادت کے لئے در دولت پر حاضر ہوا۔ اور کہا کہ میں نہایت صدق دل سے گذارش کرتا ہوں کہ جس طرح حضرت سیّد المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا خاتمہ ہے اسی طرح آپ کی ذات والا صفات پر ولادیت کا خاتمہ ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد خادموں نے عرض کیا یا حضرت یہ نواہوں بڑا چال باز ہے۔ کبھی خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اور کبھی ہندو۔ دراصل یہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتا ہے۔ خدام کی یہ باتیں سن کر مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بھی فرمایا واقعی یہ شخص بڑا چالاک ہے بہت سے مواقع پر اسلام کا اقرار کر چکا ہے۔ اس وقت بھی جو دعائیہ کلمات اس نے کہے ہیں۔ یہ صاف اسلام کا اقرار ہے۔ بہرحال اس سے یہ مطالبہ ضرور کرنا چاہیئے کہ جب تو مسلمان ہو چکا ہے تو علانیہ شریعت مطہرہ کی پابندی کیوں نہیں کرتا اور نماز میں کیوں شریک نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو اس کے ارتداد کی سزا دینی چاہیئے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی وفات کے بعد جب نواہوں

---

[1] یہ واقعہ مختلف کتب تواریخ میں درج ہے خاص طور پر زبان اردو کی اکثر تاریخوں میں اردو کی قدامت کے ثبوت کے طور پر یہ فقرہ پیش کیا گیا ہے۔

سے علانیہ شریعت کی پابندی کا مطالبہ کیا گیا۔ تو اس نے انکار کیا اور مخالفت کے رنگ میں اوچ شریف سے دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ جہاں پہنچکر اس نے یہ سب سرگزشت بادشاہ دہلی کو سنائی۔ چونکہ بادشاہ کے دربار میں ہندو افسر بھی تھے اس لئے سب درباری یک زبان ہوکر بولے کہ اگر جبراً مسلمان بنانے کی خبر ملک میں پھیل گئی تو ملک میں سخت بدامنی پیدا ہوگی۔

ادھر حضرت مخدوم راجن قتال نواہوں کے تعاقب میں دہلی روانہ ہوئے بادشاہ کو جب اس صورت حالات کا علم ہوا تو اس نے قاضی القضات نجم الدین کو دربار میں طلب کر کے کہا کہ اب ایسی صورت نکالو کہ نواہوں کی جان بچ جائے انہوں نے عرض کی کہ جب مخدوم صاحب تشریف لائیں تو آپ ان سے کہیں کہ یا حضرت ایک ہندو کافر کی خاطر آپ نے دہلی کے سفر کی صعوبت برداشت کی اگر مخدوم صاحب یہ فقرہ سن کر خاموش ہو جائیں تو نواہوں کی جان بچ جائے گی۔ چنانچہ اس پروگرام کے مطابق جب مخدوم صاحب کے دہلی میں آنے کی اطلاع ملی تو بادشاہ دہلی سے باہر آپ کے استقبال کے لئے گیا اور عرض کیا کہ یا حضرت ایک نواہوں کافر کے لئے اس قدر تکلیف برداشت کی۔ آپ نے فرمایا کافر کے لئے نہیں ایک مسلمان کے لئے یہاں آیا ہوں جو مرتد ہوگیا ہے۔

اس کے بعد دربار میں نواہوں کا مسئلہ پیش ہوا۔ قاضی نجم الدین نواہوں کی وکالت کرنے لگے۔ ابھی بحث جاری تھی کہ قاضی صاحب کے گھر سے یہ خبر آئی کہ ان کا لڑکا جو بیمار تھا فوت ہوگیا۔ قاضی صاحب اس خبر کے سنتے ہی دربار سے رخصت ہوگئے۔ اور بچے کی تدفین و تکفین کی۔ قاضی صاحب کی بیوی نے روتے ہوئے کہا کہ تم نے آل رسول کی مخالفت کی ہے اس لئے یہ صدمہ پیش آیا ہے۔ بعد میں قاضی صاحب نے بھی مخدوم صاحب سے یہ گلہ کیا کہ آپ نے مجھے بددعا دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے بددعا نہیں کی مشیت الٰہی

میں ہی ایک تھا۔ ہاں اب دعا کرتے ہیں کہ خدا تم کو اس کا نعم البدل دے اور وہ صاحب علم و فضل ہو۔ بہر حال اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ نواہوں باقاعدہ مسلمان ہو گیا۔ اور اس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ بعض تذکروں میں یہ بھی درج ہے کہ نواہوں نے آخر تک اسلام کا اقرار نہیں کیا اور مخدوم راجن قتال نے بالآخر جرم ارتداد میں اس کا سر قلم کر دیا۔

حضرت مخدوم کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ آپ نے تین لاکھ چالیس ہزار افراد کو مسلمان کیا۔ آپ کی اولاد کافی تھی مگر خلافت و سجادگی حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے پوتے سیّد فضل اللہ بن حضرت ناصر الدین محمود کے سپرد ہوئی آپکے خلفا میں قطب العالم سیّد برہان الدین گجراتی۔ شیخ کبیر الدین اسماعیل بخاری حاجی سیّد عبدالوہاب شاہ داؤد قریشی۔ شیخ اسماعیل قریشی اور سیّد احمد مخدوم جہان شاہ کافی مشہور ہوئے ہیں۔

آپ کا انتقال ۱۹ ر جمادی الآخر ۸۲۷ھ کو ہوا۔[۱] مزار مبارک اوچ میں دریائے ہکڑہ کی قدیم گذرگاہ کے جنوبی کنارے پر ہے۔

مخدوم محمود نر ناصر الدینؒ

آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے فرزند تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱ ر ربیع الثانی ۷۳۴ھ میں ہوئی۔ آپ نہایت ہی حسین و جمیل اور مرد کامل تھے خدا نے آپ کو کثیر اولاد عطا کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کے بیٹوں کی تعداد ۲۵ تھی۔ اسی وجہ سے آپ نر ناصر الدین مشہور ہوئے۔ سلطان حسین لنگاہ (بادشاہ اوچ و ملتان) کی دختر بی بی تیگنی[۲] آپ کے عقد نکاح میں تھیں سلاطین

---

[۱] از روئے مخطوطہ مرتبہ فیض محمد اچی آپ کی تاریخ وفات ۱۶ ر جمادی الآخر ۷۹۴ھ ہے۔

[۲] ان کا روضہ خانقاہ سیّد فضل الدین کے سامنے شکستہ حالت میں موجود ہے۔

وقت کے ساتھ تعلقات تھے۔ آپ ہی کی اولاد ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پھیلی اور سلسلہ سہروردیہ کے فروغ کا باعث ہوئی۔

آپ بڑے سخی اور دریا دل واقع ہوئے تھے۔ مساکین۔ یتیمی اور بیوگان کی مدد کیا کرتے تھے۔ حضرت سید صدرالدین راجن قتال سے فیض روحانی حاصل کیا تھا۔ قرآن حکیم کی تلاوت نہایت حسن الصوت سے کرتے تھے۔

۱۹ر شوال ۸۱۵ھ کو انتقال ہوا اور اپنے والد ماجد کے قریب دفن ہوئے

مخدوم حامد کبیرؒ

آپ مخدوم نرناصرالدین محمود کے فرزند ارجمند اور ان کے جانشین تھے حدیث اور فقہ پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی آپ کے عہد میں نواب غازی محمد خاں والی ڈیرہ غازی خاں نے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا[1]

آپ اپنے دادا حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے منظور نظر تھے۔ سفر حضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے۔ طریقۂ سہروردیہ کے فروغ میں آپ کا بھی کافی حصہ ہے ۷ر ربیع الاول ۸۲۵ھ کو انتقال ہوا۔ اوچ میں مزار مبارک ہے۔ آپ کی ہی اولاد خانوادہ کی مسند سجادگی پر فروکش ہے۔

مخدوم سید فضل اللہ بخاریؒ

حضرت مخدوم ناصرالدین محمودؒ کے یہ دوسرے جلیل القدر فرزند تھے آپ اپنے والد کے چچا مخدوم سید صدرالدین راجو قتال کے تربیت یافتہ تھے۔ خرقہ خلافت بھی ان سے حاصل کیا تھا آپ نے اسلام کی توسیع میں نمایاں حصہ لیا اور متعدد غیر مسلم اقوام کو مشرف بہ اسلام کیا۔

---

[1] مقبرہ کی تعمیر کا سال ۸۵۷ھ ہے۔

اوچ میں دیوان کے نام سے جو خاندان آباد ہے وہ آپ کی ہی اولاد میں سے ہے اس خانوادہ کے سجادہ دیوان زین العابدین رابع سلسلۂ چشتیہ سے منسلک تھے سید محمد باقر مصنف "باقر الانوار" کا تعلق بھی اسی خانوادہ سے ہے۔ اس خاندان میں اہل علم اور اصحاب کمال افراد کافی تعداد میں پیدا ہوئے ہیں۔

سدا بھاگ

آپ کا نام محمد راجن اور عرف سدا بھاگ تھا۔ شیخ حامد کبیر کے بیٹے تھے تبلیغ اسلام کے سلسلے میں آپ کی مساعی کافی بارآور ہوئیں۔ بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پہ اسلام قبول کیا۔ آپ عالم باعمل اور حافظ قرآن تھے۔ سخاوت کا یہ حال تھا کہ کئی بار گھر کا سارا اثاثہ راہ خدا میں دے دیا۔

کہتے ہیں کہ خانوادۂ بخاریہ میں آپ پہلے شخص تھے جنہوں نے اثنا عشری عقائد پر کاربند ہونے کا اعلان کیا[1] لیکن یہ روایت درست نہیں۔ دراصل اس خانوادے میں شیعت کا آغاز مخدوم ناصر الدین سادس سے ہوا۔ جو میر سہراب خاں تالپور کے زیر اثر تھے[2]

سیّد رکن الدین ابوالفتح

آپ مخدوم حامد کبیر کے فرزند تھے۔ صاحب باطن اور عارف باللہ تھے۔ مخدوم محمد کیمیا نظر اور سید جلال[3] شاہ آپ کی ہی آنکھوں کا نور تھے۔

---

[1] مخطوطہ مرتبہ فیض محمد اچی د مجالس المومنین مصنفہ قاضی نور اللہ سوستری۔

[2] تاریخ اوچ مصنفہ مولوی حفیظ الرحمن مرحوم۔

[3] بھوپال کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں آپ کی اولاد میں سے تھے۔

بی بی جیوندی

اس کتاب میں ہم نے صالحات کا ذکر نہیں کیا ۔لیکن چونکہ مدینتہ الاولیأ اوچ میں بی بی جیوندی کا مقبرہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔اس لئے یہاں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے ۔

بی بی جیوندی کا اصل نام جند وڈی تھا ۔جو حضرت سیّد جلال بن سیّد حمید کی دختر تھیں ۔سیّد جلال حضرت مخدوم سیّد جلال بخاری کے فرزند سیّد بہاؤ الدین کی اولاد میں سے تھے ۔بی بی جیوندی بڑی مستجاب الدعوات اور عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں ۔ان کا انتقال ۸۰۵ھ میں ہوا ۔ اور ۹۰۰ھ میں خراسان کے بادشاہ محمد دلشاد نے آپ کا موجودہ مقبرہ تعمیر کرایا ۔۱۲۳۳ھ میں اچانک دریائے ہکڑہ میں جو طغیانی آئی تو اس مقبرے کا نصف حصہ منہدم ہو گیا ۔

دیگر بزرگان اوچ

حضرت بہاول حلیمؒ

آپ کا اسم مبارک قاضی بہاؤالدین تھا۔ لیکن شہرت بہاول حلیم کے نام سے ہوئی۔

علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں آپ کی حیثیت امتیازی تھی۔ مدرسہ بہائیہ کے نام سے آپ نے ایک درسگاہ قائم کی ہوئی تھی جس میں آپ خود بھی درس دیا کرتے تھے۔ اس درسگاہ میں دور دور سے طالبان علم آتے اور آپ کے کمالات علمی سے مستفیض ہوتے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے بھی آپ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور ابتدائی کتب درسیہ آپ سے پڑھیں۔
آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات کا پتہ نہیں چل سکا۔ تاہم اتنا معلوم ہے کہ آپ کا مقبرہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے تعمیر کرایا تھا۔ جو بڑا دلکش اور دیدہ زیب تھا۔ ۱۲۳۳ھ کے سیلاب میں جو دریائے گھارا کی صدیوں سے خشک گذرگاہ میں آیا اس نے اس مقبرے کا نصف حصہ مسمار کر دیا۔ باقی نصف حصہ ابھی قائم ہے اور اوچ کے بچے کھچے آثار قدیمہ میں شمار ہوتا ہے۔

حضرت جمال الدین خنداں روؒ

آپ مشہور صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہؓ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت رضی الدین عثمان بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ پہلے پہل آپ کے جد امجد حضرت حاجی رجب غزنوی غالباً شہاب الدین غوری کی معیت میں اوچ تشریف لائے تھے اور یہیں سکونت اختیار کرلی

تھی. لیکن ان کا انتقال پٹن (نہروالہ) گجرات۔ انڈیا میں ہوا۔ وہ سید احمد کبیر رفاعی کے مرید و خلیفہ تھے۔[1]

مراۃ المناقب کی روایت کے مطابق حضرت مخدوم ذکریا ملتانی جب اوچ تشریف لائے تو یہاں انہوں نے ایک بچے کی پیشانی میں آثار سعادت کی جھلک دیکھی اس کے حق میں دعا فرمائی۔ آپ نے اس بچے کو زندگی بھر فراموش نہیں کیا۔ بلکہ انتقال سے کچھ عرصہ قبل اپنے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف سے فرمایا۔

"اوچ میں ایک بزرگ درویش رہتا ہے۔ وہ جو ہر لطیف کا مالک اور صاحب استعداد ہے۔ اس نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ ہمارے ہی خانوادے سے فیضیابی اس کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچا۔ لیکن وہ تمہارے پاس ضرور آئے گا۔ جذبۂ حق نے اس میں مجذوبانہ کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اسے تین دن تک ایک حجرے میں بٹھا کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول رکھنا تاکہ اس کے جذبات عشق و مستی سکون آشنا ہوں اور شعور کے ساتھ آداب صحبت بجا لانے کے قابل ہو سکے اس کے بعد اسے اپنے پاس بلا کر حضرت شہاب الدین سہروردی کے خرقۂ مبارک کے سوا باقی جو کچھ تمہارے پاس ہے نصف اس کے سپرد کر دینا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب حضرت جمال خنداں رو حضرت شیخ صدر الدین عارف کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے والد گرامی کی وصیت کے مطابق عمل کیا اور خرقۂ خلافت کے ساتھ وہ تمام برکات جو ان کے پاس محفوظ تھے۔ ان میں سے

---

[1] خطۂ پاک اوچ صفحہ ۱۸۷

نصف آپ کو عطا فرما دیئے۔

حضرت جمال خنداں رو بڑے صاحب کمال اور علم و فضل کے مالک تھے اوچ میں آپ کی خانقاہ جمالیہ مرکز علوم تھی جہاں آپ بھی درس دیا کرتے تھے۔ شریعت و طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کو آپ سے ارادت کا فخر حاصل تھا۔ آپ کا انتقال غالباً ۷۲۵ھ میں ہوا۔ مراۃ الاسرار اور خزینۃ الاصفیا میں آپ کی تاریخ وفات ۶۷۶ھ درج ہے۔ جو صحیح نہیں ہے آپ کا مزار مبارک اوچ میں ہے۔

حضرت شیخ رضی الدین گنج علمؒ

آپ حضرت شیخ جمال الدین خنداں روؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپکی ولادت اوچ میں ۶۶۷ھ میں ہوئی اور والد ماجد کی وفات کے بعد ان کی مسند درس وارشاد سنبھالی۔ آپ غیر معمولی علم و فضل کے مالک تھے۔ اسی وجہ سے گنج علم کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کو اجازت بیعت اور خلافت حضرت شاہ رکن عالم ملتانیؒ سے حاصل ہوئی تھی۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کی استادی کا فخر حاصل تھا آپ[1] کی جلالت شان اور علمی منزلت کا اندازہ اس تحریر سے لگایئے۔ جو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے آپ کے ایک فتوے کی تائید میں لکھی تھی حضرت مخدوم کی عربی تحریر کا ترجمہ یہ ہے۔

> "جلیل القدر مرشد کامل و اکمل میرے شیخ حضرت رضی الدین گنج علم نے صحیح جواب مرحمت فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں ان کے علم و فضل اور کمالات و فیوض سے بہرہ ور ہونے کا موقع عطا فرمائے"۔

آپ نے ۷۷۰ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک اوچ میں ہے۔

---

[1] خطۂ پاک اوچ صفحہ ۱۸۸

حضرت مخدوم جلال الدین سرخ بخاریؒ کے مزار کا شمالی دروازہ
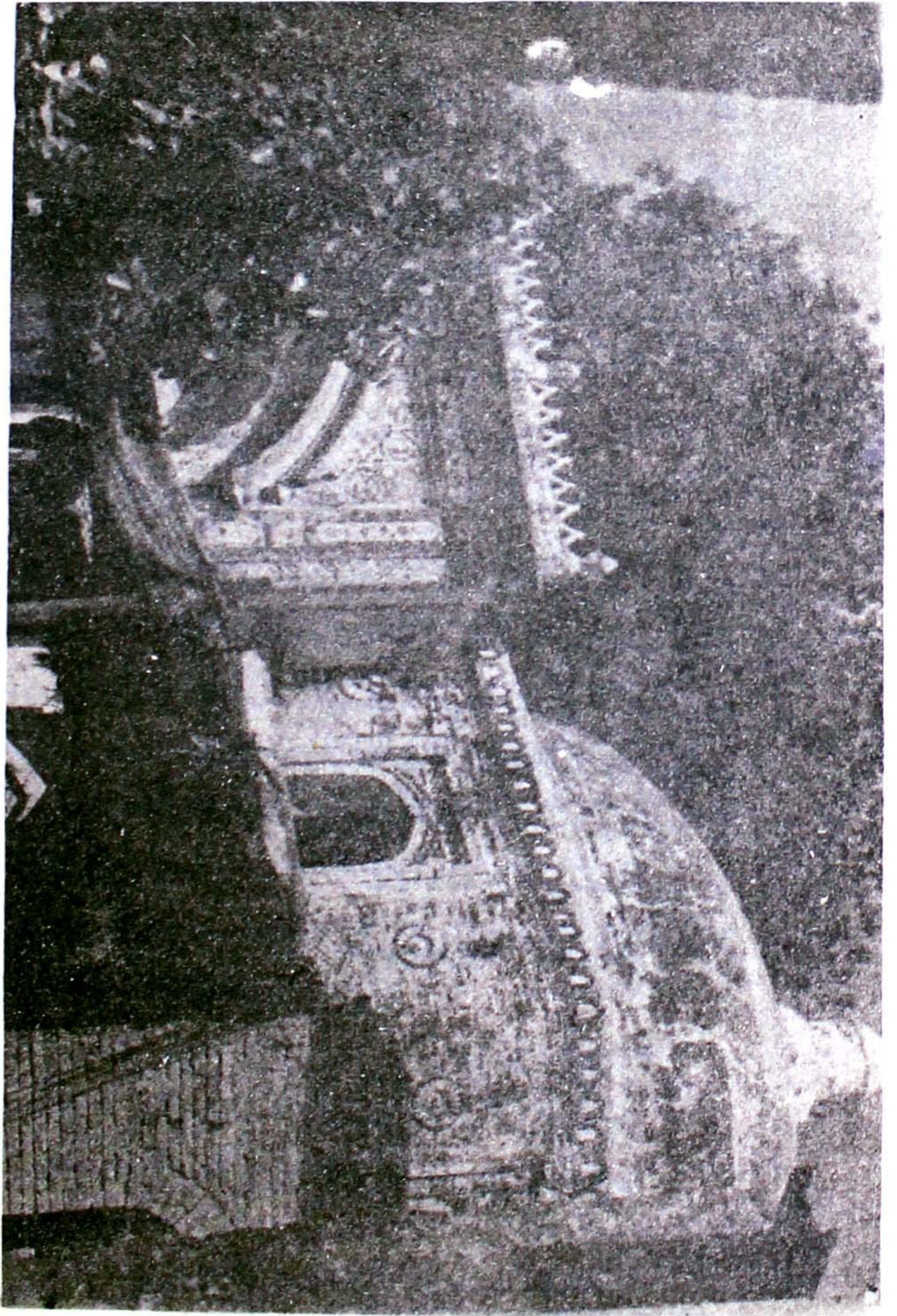
دیگر سہروردی بزرگ

حضرت شیخ عبداللہ جہانیاںؒ (شیخ واہن)

آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے خلفا میں سے تھے۔ آپ کو اپنے مرشد سے اس قدر تعلق خاطر تھا۔ کہ آپ ایک پل ان سے جدا نہ ہوتے سفر حضر میں ہمیشہ ساتھ رہتے۔ مرشد کی بھی آپ پر خاص نظر کرم تھی۔ چنانچہ جب حضرت مخدوم علیہ الرحمتہ کا آخری وقت آیا تو آپ نے شیخ عبداللہ جہانیاں کو اپنے خاندانی تبرکات میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبۂ مبارک اور حضرت مخدوم جلال سرخ بخاریؒ کی ایک شمشیر اور ایک تسبیح عنایت کی۔

یہ تبرکات قصبہ شیخ واہن (ضلع بہاولپور) میں جہاں حضرت شیخ عبداللہ جہانیاں بعد وصال مرشد مستقل رہائش پذیر ہوئے۔ آج بھی موجود ہیں۔ ہر سال ذوالحجہ کی ۹ تاریخ کو یہاں ایک بھاری میلہ لگتا ہے۔ جس میں جوق در جوق عقید تمند شرکت کرتے ہیں۔ اس موقع پر ان تبرکات کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے رسالہ سیر نامہ میں بھی شیخواہن کے ان تبرکات کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میرے پیرو مرشد حضرت عبداللہ معشوق اللہ قدس

سرہٗ اپنے سیر و سیاحت کے زمانہ میں موضع شیخواہن (علاقہ بہاولپور میں ایک موضع ہے) میں جو شیخ عبداللہ نیکو کارہ کا مسکن ہے تشریف لے گئے اور جبۂ مبارک کی زیارت کرنے کی نیت سے دو رکعت نماز نفل پڑھ کر جبّۂ مبارک کو پہن لیا وہ آپ کے جسم پر بالکل ٹھیک آیا۔ شیخ زادوں کو سخت حیرت ہوئی اور کہنے لگے کہ یہ اسی کے بدن پر ٹھیک آتا ہے جو اس خاندان اور سلسلے میں صاحب سجادہ ہو۔ پھر فرمایا کہ یا حضرت آپ کو مبارک ہو۔ حضرت پیر دستگیر نے یہ سن کر فرمایا کہ واقعی مجھ کو بھی سلسلۂ سہروردیہ سے نسبت ہے اور مجھ کو حضرت غوث العالم۔ شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی قدس سرہٗ کے خاندان میں سے حضرت شیخ شہر اللہ مخدوم کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت بھی تبرکاً ملا ہے۔"[1]

حضرت نور شاہ بخاریؒ (احمد پور شرقیہ)

احمد پور شرقیہ میں ایک محلہ نور شاہ بخاری کے نام سے مشہور ہے یہاں حضرت نور شاہ بخاری کا مزار ہے۔ آپ حضرت جلال بخاریؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد سید باغ شاہ بڑے صاحب یمن و برکت بزرگ تھے نواب بہادل خاں کو آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ آپ کے والد نے اپنی زندگی میں ہی ہونہار فرزند کو خرقۂ خلافت عطا کر دیا تھا۔ چولستان میں آپ کی مریدی کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ اور یاد الٰہی میں بہت زیادہ استغراق رہتا تھا۔

---

[1] حیات اویس ترجمہ لطائف نفیسیہ از فضائل اویسیہ مترجمہ سید منظور حسن رضوی چشتی نظامی دہلوی صفحہ ۱۷۵

حضرت مخدوم آخر بہاؤالدینؒ (احمد پور شرقیہ)

آپ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے ۱۱۹۸ھ میں بمقام ملتان شیخ محمد غوث کے گھر میں آپ کی ولادت ہوئی. یہ ایک صاحب ارشاد بزرگ تھے. دشمنوں نے زہر دے کر ان کو ہلاک کر دیا تھا ان کا مزار احاطہ مقبرہ حضرت رکن عالمؒ میں ہے.

حضرت شیخ محمد غوث کی وفات کے بعد آپ کی اہلیہ محترمہ مخدوم آخر بہاؤالدین کو ملتان سے احمد پور شرقیہ لے آئیں. امیر بہاولپور نے نہایت عزت و تکریم کے ساتھ آپ کی پذیرائی کی.

آپ عالم باعمل اور امور شرع پر سختی سے کاربند تھے. سہروردیہ سلسلے میں لوگوں کو بیعت کرتے تھے. عام نگاہوں سے بچنے کے لئے برقعہ پہنے رہا کرتے تھے. کہتے ہیں آپ نے آٹھ سال تک متواتر روزے رکھے. چلہ کشی کی اور سخت ریاضت کی جس کے بعد روحانیت کے اعلیٰ مدارج حاصل ہوئے.

آپ کا انتقال ۱۲۶۷ھ میں ہوا. نواب فتح خاں صاحب نے آپ کا پختہ مقبرہ تعمیر کرایا. جو اب بھی عقیدتمندوں کا مرجع و مرکز ہے. مخدوم محمد کبیر اس وقت آپ کے سجادہ نشین ہیں. جو ہر سال پابندی سے آپ کا عرس کراتے ہیں.
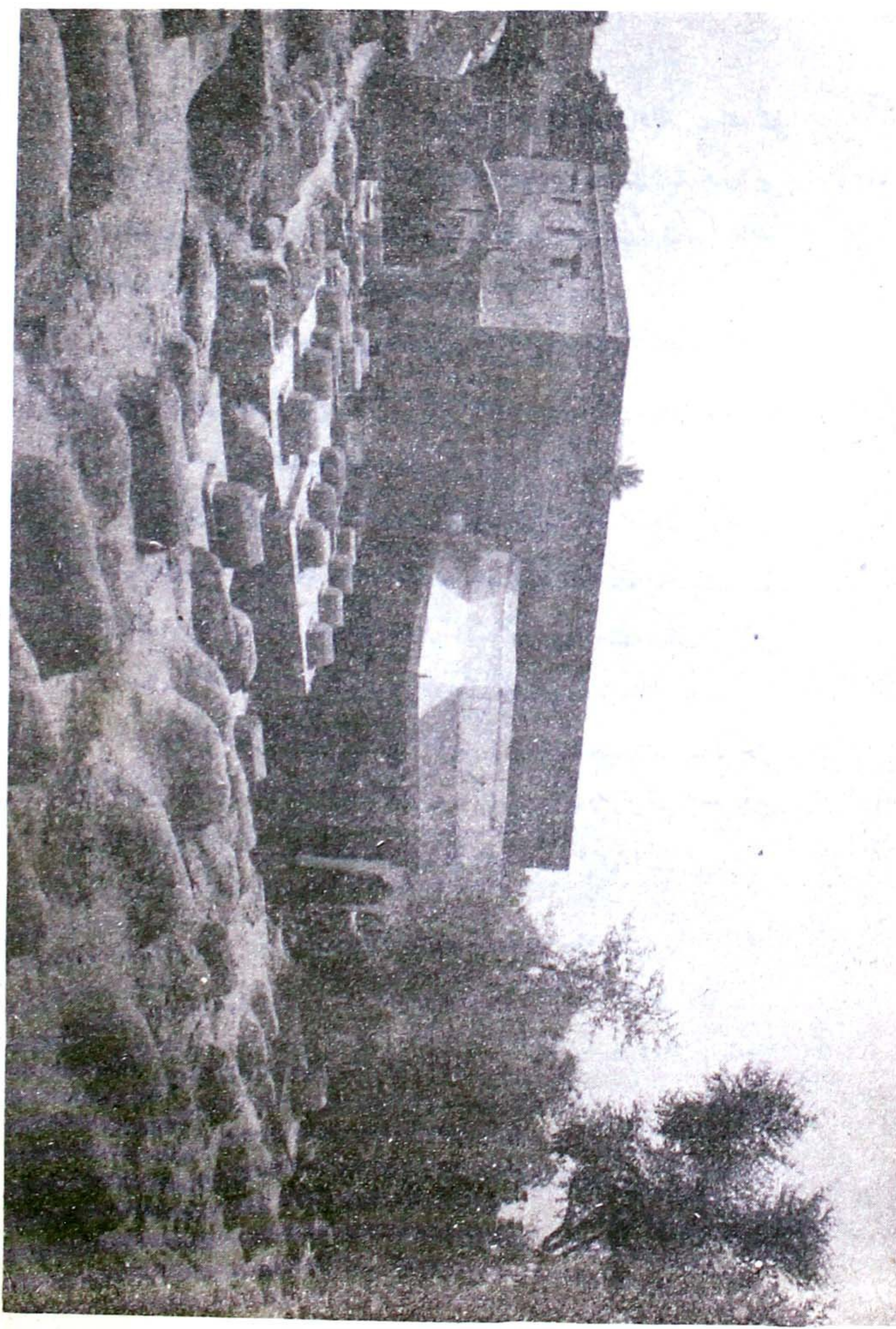
خانقاہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت ؒ

ایک اور سہروردی بزرگ

سلطان التارکین حضرت مخدوم حمید الدین حاکمؒ

سلطان التارکین مخدوم حمید الدین حاکم علیہ الرحمۃ ان بزرگ ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے فقر و درویشی کی ادائے کجکلاہی اور شان بے نیازی پر حکومت و امارت کے ظاہری طمطراق کو قربان کر کے دنیا اور اہل دنیا کے لئے ایک مثال قائم کی تھی۔

آپ کا آبائی نسب صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو صفیان حارث سے ملتا ہے۔ آپ کے جد امجد سلطان قطب الدین کیچ مکران کے بادشاہ تھے۔ آپ نے بھی بیس[1] سال اس علاقے پر بادشاہی کی اور یکمال عدل و انصاف داد حکومت دی آخر روحانیت کا رنگ ایسا چڑھا کہ سب کچھ تیاگ کر درویشی کا طریق اختیار کیا اور دلوں کی دنیا کے فاتح اعظم بن گئے۔ اس "قلندری و تنہا پوشی و کلہ داری" کی خوش نہاد رسم کو اختیار کرنے کے بعد آپ سلطان التارکین کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول سنہ ۵۷۰ھ کو ہوئی۔ لفظ "شرع" سے سال

---

[1] بعض تذکروں میں آپ کی بادشاہت کا زمانہ ۸ سال لکھا ہے۔

ولادت برآمد ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۶۷ سال کی عمر پائی۔

ترک سلطانی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک[۱] دفعہ آپ سیر و شکار سے واپس آئے اور اپنی خواب گاہ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک کنیز آپ کے بستر پر محو استراحت ہے۔ کنیز کی اس بے ادبی سے آپ برافروختہ ہو گئے اور اسے سخت زدوکوب کیا۔ کنیز اس زجروتوبیخ کے باوجود ہنستی رہی۔ یہ بات آپ کو اور زیادہ ناگوار معلوم ہوئی اور آپ نے غضبناک ہوکر کہا کہ

"اے بدتمیز اگر تو نے اس بے جا ہنسی کی وجہ نہ بتائی تو ابھی تیری گردن مار دی جائے گی۔

اس تنبیہ پر کنیز نے بصد ادب عرض کیا کہ

"حضور میں قادر مطلق کی نیرنگی پر ہنس رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں کہ اس بستر استراحت پر چند لمحے سونے کی سزا مجھے تو دنیا میں ہی مل گئی لیکن جس نے تمام عمر اس پر استراحت فرمائی ہے۔ قیامت میں اس کا کیا حال ہوگا"

کنیز کا یہ فقرہ سن کر سلطان حمیدالدین کے ہوش اڑ گئے۔ آپ نے اسی وقت کنیز کو آزاد کر دیا۔ لیکن خود رات بھر مبتلائے فکر فردا رہے۔ رات کی اس گرانجانی کو دور کرنے کے لئے صبح آپ نے پھر سیر و شکار کا ارادہ کیا۔ لیکن رات کے واقعہ کو آپ جتنا دل سے نکالنے کی کوشش کرتے اتنا ہی وہ جاگزیں ہوتا جاتا تھا۔ اسی اثنا میں ایک ہرن آپ کو نظر آیا۔ آپ نے اس کا تعاقب کیا۔ ابھی اس پر تیر چلانے ہی والے تھے کہ وہ ایک قبر کے سوراخ میں گھس گیا۔ آپ حیران ہوئے کہ ہرن خلاف معمول زمین میں کیوں گھس گیا۔ اس تجسس میں آپ نے گھوڑے سے اتر کر زمین کھودی لیکن ہرن کا کہیں نشان نہ ملا۔ البتہ ایک تازہ میت نظر آئی۔ جس کی پیشانی پر ایک بچھو بیٹھا تھا بچھو کی نیش زنی سے میت کے اعضا کھنچتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ آپ نے

---

(۱) تاریخ جلیلہ مولفہ جناب غلام دستگیر نامی بحوالہ تذکرہ حمیدیہ۔ صفحہ ۷۴ تا ۷۶

ازراہِ تراحم گوشۂ کمان سے بچھو کو اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ مڑ کر دیکھا تو بچھو پھر موجود تھا۔ تین بار آپ نے بچھو کو وہاں سے ہٹایا لیکن وہ ہر بار وہیں نظر آتا رہا۔ آپ اسے عذاب الٰہی سمجھ کر وہاں سے آ گئے اور گاؤں والوں سے دریافت کیا کہ یہ قبر کس کی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ گاؤں کے رئیس کی قبر ہے۔ رئیس کا نام سن کر آپ کے دل میں کنیز کے فقرے کی چبھن اور زیادہ محسوس ہونے لگی۔ جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا۔ دنیا اور علائق دنیا سے آپ کی بے زاری بڑھتی جاتی تھی۔ اس کیفیت نے بالآخر آپ کو ترک سلطنت کر کے تجرید و تفرید کا جامہ پہننے کی طرف راغب کیا۔

اس انقلاب حالات کے بعد آپ حضرت سید[1] احمد توختہ کی خدمت میں لاہور تشریف لے گئے۔ حضرت سید احمد توختہ آپ کے نانا اور والد گرامی کے مرشد تھے۔ آپ نے انہیں اپنی دلی کیفیت سنائی جنہوں نے کمال شفقت سے آپ کی دلجوئی کی اور مختلف اوراد و وظائف پڑھنے کی تلقین کی۔ حضرت سید احمد توختہ کی زندگی تک

---

[1] تاریخ جلیلہ صفحہ ۷۷ تا ۸۰ (حضرت سید احمد توختہ سادات ترمذی کے صاحب ارشاد بزرگ تھے آپ کا مزار لاہور کے اکبری دروازہ کے مغربی جانب محلہ چاہ بی بیاں میں ہے۔ یہ واقعہ ساتویں صدی ہجری کے اوائل کا ہے۔)

بی بیاں پاک دامن کے متعلق یہ روایت غلط طور پر مشہور ہو گئی کہ یہ بی بیاں حضرت علی یا ان کے بھائی حضرت عقیل کی بیٹیاں تھیں جو واقعہ کربلا کے موقع پر بھاگ کر لاہور آ گئیں اور کافروں کے خوف سے دعا کر کے زندہ درگور ہو گئیں۔ مورخین نے اس روایت کو تسلیم نہیں کیا۔ خاص طور پر جناب محمد دین کلیم نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ تحریر کیا ہے۔ ان کی تحقیق کا لب لباب یہ ہے کہ یہ بی بیاں حضرت سید توختہ کی بیٹیاں تھیں جنمیں سے ایک بی بی حاج حضرت سلطان التارکین مخدوم حمید الدین حاکم کی والدہ محترمہ تھیں چنگیز خانیوں نے جب (۱۲۴۱ء) لاہور میں غارتگری کا بازار گرم کیا۔ تو یہ پاک دامن بی بیاں جو گھر میں مشغول عبادت رہا کرتی تھیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہوئیں کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اسی وقت زمین شق ہوئی اور یہ سب اس میں زندہ دفن ہو گئیں۔ ان کے دوپٹوں کے سرے

(باقی اگلے صفحہ پر)

آپ انکے پاس رہے۔ بعد میں ان کے ہی اس ارشادِ گرامی کی تعمیل میں کہ "تیرا باقی نصیبہ خاندان سہروردیہ میں مقرر ہے" آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ "تجھے فیض روحانی فرزندم بہاؤالدین ذکریا کے پوتے رکن الدین سے حاصل ہوگا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رح کا یہ ارشادِ گرامی سن کر آپ واپس تشریف لے گئے اور منزلیں کرتے کراتے اس مقام پر پہنچے جو مؤمبارک[1] کہلاتا ہے۔ یہاں ایک فرازی کے مقام پر آپ نے قیام کیا۔ کسی لطیفۂ غیبی کے منتظر تھے کہ ملتان میں شیخ الاسلام حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح سے ملاقات کی صورت نکل آئی حضرت شیخ آپ سے ملاقات کرکے بیحد محظوظ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اب آپ کو کسی ایسے شخص سے بیعت کرلینی چاہیئے جس کو آپ کا دل پسند کرے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا پیر ابھی عالمِ وجود میں نہیں آیا ہے۔ اس کے ظہور کا منتظر ہوں۔ حضرت شیخ نے دریافت کیا کہ وہ کون سا باکمال پیر ہوگا۔ جس کی ارادت آپ جیسے پاک باطن کریں گے۔ آپ نے

زمین سے باہر رہ گئے تھے جس کی نشانی پر بعد میں لوگوں نے ان کی باقاعدہ قبریں بنا دیں۔ اس جگہ کا نام ان بی بیوں کی وجہ سے چلہ بی بیاں مشہور ہوگیا۔ یہیں حضرت سید احمد توختہ کا مزار مبارک ہے۔

[1] یہ قدیم العہد قلعہ رحیم یار خاں سے ۶ میل شمال کی طرف ہے۔ رائے سہاسی دوم نے اپنے عہد حکومت میں جو ۶ قلعے تعمیر کرائے تھے ان میں سے ایک یہ ہے (بہاولپور گزیٹیر) تاریخ مراد کی روایت کے مطابق رائے ہنس کھرڈ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسے اپنی ماں کی رہائش کے لئے بنوایا تھا۔ رائے بھوج کے عہد میں سلطان محمود غزنوی سومنات کی طرف جاتے ہوئے یہاں سے گذرا راجہ نے مزاحمت کی تو یہ قلعہ تباہ و برباد ہوگیا۔

ساتویں صدی ہجری کے شروع میں جب سلطان حمید الدین حاکم رح نے یہاں سکونت اختیار کی اور یہاں کے راجہ رائے لکھ سنج اور دیگر لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر قبول اسلام کیا تو یہ جگہ مؤمبارک کے نام سے مشہور ہوگئی۔

کہا کہ وہ شیخ صدر الدین کے فرزند رکن الدین نامی ہوں گے۔

یہ نام زبان پر آتے ہی آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت شیخ الاسلام پر بھی وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اس کے بعد سے حضرت سلطان التارکین پر حضرت شیخ الاسلام بہید توجہ اور شفقت فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ مخدوم زادی آپ کے عقد میں دے دی اور بوقت رخصت اپنا خرقہ بھی آپ کو عنایت کیا۔

آپ مؤمبارک واپس آکر اپنے پیر کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک دن حضرت شیخ رکن الدین رکن عالمؒ کی ولادت با سعادت کی خبر پہنچی۔ اس خبر کو سنتے ہی آپ دیوانہ وار ملتان کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر طفل شیر خوار کے ہاتھ میں قینچی دے کر شرط "حلق" پوری کی اور اس طرح خود کو ان کے دامن ارادت سے وابستہ کرنے کا باقاعدہ اعلان کیا آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے یہ عجلت اس لئے کی کہ کہیں مرشد کے سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے میری عمر کا پیمانہ لبریز نہ ہو جائے"۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۹ برس کی تھی لیکن جب تک حیات رہے پیر کی خدمت میں نہایت سعادتمند مریدوں کی طرح حاضر ہوتے رہے

• خدا کی قدرت دیکھئے آپ اس کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہے اور مرشد کی وفات بھی آپ کے سامنے ہی ہوئی۔

چونکہ سلطان حاکم نے بڑی طویل عمر پائی تھی اس لئے آپ نے مختلف سلطنتوں کا عروج و زوال اپنی آنکھوں سے دیکھا شہاب الدین غوری سے لے کر محمد تغلق تک تقریباً ایک درجن بادشاہتیں سرزمین ہند پر قائم ہوئیں یہ سارا عرصہ پونے دو سو سال پر محیط ہے۔ حضرت سلطان التارکین کی عمر بھی کم و بیش اتنی ہی ہوئی اور اس عرصہ میں قائم ہونے والی تمام بادشاہتوں کا بناؤ اور بگاڑ آپ کی نظروں کے سامنے سے گذرا۔ وہ خود تاج و تخت پر لات مار چکے تھے۔ اس لئے بادشاہتوں کے اتار چڑھاؤ میں ان کی دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ انہوں نے امراء و سلاطین سے کسی قسم کی راہ و رسم بھی نہیں پیدا کی۔ بلکہ ایسے لوگوں سے ملنے سے ہمیشہ گریزپا ہی رہے۔ ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ سلطان عادل نے آپ کی خانقاہ کے لنگر کے لئے ۸۰ گاؤں آپ کی

نذر کئے۔ لیکن آپ نے فرمان شاہی یہ لکھکر واپس کر دیا کہ "غنا سے فقیری اچھی ہے"۔
شیخ عثمان سیاح روایت کرتے ہیں کہ ایک[1] دفعہ سلطان غیاث الدین تغلق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اپنے خرقے میں پیوند لگا رہے تھے۔ بادشاہ نے دست بوسی کے وقت کچھ کراہت محسوس کی۔ اسی وقت بادشاہ کے پیٹ میں اتنا شدید درد اٹھا کہ وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ آخر صورت حال کو بھانپ کر اس نے معافی کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا آدھی بادشاہی لکھ دو گے تو افاقہ ہوگا بادشاہ نے منظور کر لیا۔ آپ نے اس کے پیٹ پر اپنا جوتا رکھ دیا جس کے معاً بعد ہوا کا اخراج ہوا۔ اور درد ختم ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ نصف بادشاہی مبارک آپ مسکرائے اور فرمایا جس شئے کی قیمت ایک "گوز" ہو میں اسے کس طرح قبول کر سکتا ہوں۔

بہاولپور گزیٹیر میں ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے ملتان اور بھکر کے درمیان ایک بڑی جاگیر آپ کو دی۔ انہی دنوں آپ کو اوچ شریف جانے کا اتفاق ہوا وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص سید بدیع الدین جسے ایک چاہ بطور جاگیر ملا تھا۔ شراب پی کر مدہوش پڑا تھا۔ آپ نے اسے اس حال میں دیکھ کر فرمایا کہ جب ایک چاہ کی جاگیر کا یہ بد اثر ہے تو بھلا اتنی جاگیر جو مجھے ملی ہے میری اولاد کی بربادی کا سبب کیسے نہیں بنے گی۔ لہٰذا آپ نے وہیں اپنی جاگیر کا پروانہ چاک کر دیا۔

سلطان التارکین کا بیشتر وقت زہد و عبادت میں گذرتا تھا۔ جو وقت اس سے بچ جاتا وہ تصنیف و تالیف میں صرف فرماتے۔ مولانا غلام دستگیر نامی نے شیخ شہر اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ[2] سلطان التارکین نے ۱۲۰ کتابیں تصنیف کیں جو فقہ اور تفسیر کے علاوہ دیگر علوم مثلاً علم صرف پر بھی ہیں "پنج گنج" کے نام سے صرف کی جو کتاب عموماً چھپی ہوئی ملتی ہے، اگرچہ اس پر مصنف کا نام درج نہیں لیکن وہ ہے حضرت حاکم کی ہی

---

[1] تاریخ جلیلہ صفحہ ۱۰۸
[2] تاریخ جلیلہ صفحہ ۱۰۸

تصنیف۔ معراج نامہ اور مولد نامہ بھی آپ کی تصنیفات میں سے ہیں جو آپ نے ہندی زبان میں قلمبند کی تھیں۔

آپ شاعر بھی تھے ایک مکمل دیوان "گلزار" کے نام سے آپ کی یادگار ہے جو پیر غلام دستگیر نامی نے ۱۹۴۶ء میں طبع کرایا تھا۔ دیوان کے سرورق پر سلطان حاکم کا یہ قطعہ درج ہے جو بذات خود ایک اچھا تعارف ہے

پنج باب است اندریں گلزار　　　ہر یکے باب گنج معنی داں
شد ز انشاءِ حاکم درویش　　　پنج گنج اندریں یکے دیواں

پہلا باب حمد و مناجات پر مشتمل ہے۔ ہر حمد اور مناجات فنافی اللہ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ پہلی حمد کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

ایں نامہ راز دل کہ کنوں ساز می کنم　　　بر نام ذوالجلال سر آغاز می کنم

اس حمد کے مقطع میں شیخ مصلح الدین سعدی سے جو آپ کے ہمعصر تھے اظہار عقیدت ہے اور اسی رعایت سے مؤ مبارک کی رونق کو شیراز کا فضل قرار دیا ہے فرماتے ہیں۔

من حاکم ام دلے چو ہوا خواہ سعدی ام　　　مو را ز فضل رونق شیراز می کنم

شیخ سعدی سے اس عقیدت کا سبب ایک تو شعری ہم ذوقی تھا۔ دوسرے شیخ شہاب الدین سہروردی[1] کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے کی وجہ سے آپ کو ان سے ایک قدرتی تعلق خاطر تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ان دو بزرگوں کے درمیان باقاعدہ راہ و رسم دوستی کا سلسلہ بھی استوار ہو اور وہ ایک دوسرے کو اپنی شعری تخلیقات بھی بھیجتے ہوں۔ دیکھئے اس حمد میں کتنی روانی ہے۔

---

[1] اپنے مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے متعلق حضرت سعدی کے یہ شعر بہت مشہور ہیں۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب　　　دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش　　　دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

اے بادشاہ مہرباں قرباں شوم برنام تو — وائے کارساز بیکساں قرباں شوم برنام تو

کردی وجودم از عدم در راہِ دیں ثابت قدم — از لُطفت احساں دم بدم قرباں شوم برنام تو

با معرفت تازندہ ام فرخندہ ام تازندہ ام — از فضل تو شرمندہ ام قرباں شوم برنام تو

ز اقبال ایماں مقبلم شد جنت آرائش گلم — ذکر تو آسائش دلم قرباں شوم برنام تو

لطف تو در شان من است حکم تو در جان من است

نام تو جانان من است قربان شوم برنام تو

اس حمد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمام حمد میں ردیف کی پابندی کے باوجود ہر شعر کا قافیہ الگ ہے۔ اسے سلطان حاکم کی جدت ہی کہا جا سکتا ہے

حمد و مناجات کے بعد دوسرے باب میں نعتیہ کلام ہے۔ پہلے ۲۰۲ اشعار کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہے اور پھر چند نعتیں ہیں۔ ان میں بعض نعتیں فنی مہارت اور قدرت بیان کا بہترین نمونہ ہیں۔ مثلاً ایک نعت میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ اگر اس کے پہلے مصرعوں کے تمام پہلے حروف کو یکجا کیا جائے تو ایک مصرعہ بنتا ہے اور اسی طرح دوسرے مصرعوں کے پہلے حروف کو جمع کیا جائے تو دوسرا مصرعہ بنتا ہے۔ چنانچہ اس ترکیب سے ایک پوری نعت سے جو نعتیہ شعر برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

عاجزم مغلوب نفس ظالم خود ہر نفس

یارسول اللہ مرا بہر خدا فریاد رس

ایک نعت کے پہلے مصرعوں کے پہلے حروف جوڑیں تو لا الہ الا اللہ اور دوسرے مصرعوں کے پہلے حروف کو اکٹھا کریں تو محمد رسول اللہ بنتا ہے۔

اسی طرح ایک نعت کے پہلے مصرعوں کے پہلے حروف سے اشہدان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ واشہدان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ اور دوسرے مصرعوں کے پہلے حروف سے اللھم صلی علیٰ محمدٍ و علیٰ آل محمدٍ و بارک وسلم وصل علیٰ جمیع الانبیا والمرسلین مرتب ہوتا ہے۔

تیسرے اور چوتھے باب میں آپ کے پیر و مرشد حضرت شیخ رکن الدین رکن عالمؒ

کی مداح ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

زشوقِ پیر بعجم خلیدہ درمیان جہاں خیالے گشتہ ام اندر خیال شیخ رکن الدین

بہشت آرائے آمد روئے رائے شیخ رکن الدین بفرقِ عرش تاج است خاکپائے شیخ رکن الدین

ما کرودر ملک درگاہ احد آوردہ ایم وقت پاک شیخ رکن الدین مدد آوردہ ایم

کنی تا چند گفت و گوئے حاکم گر توئی صادق
فدا کن جان خود در جست و جوئے شیخ رکن الدین

پانچواں باب غزلیات اور واعظانہ کلام پر مشتمل ہے۔ چند شعر اس باب کے بھی ملاحظہ ہوں۔

من عاشق سرمستم از دار نندیشم پروانۂ جاں بازم از نار نندیشم

نے خویش رامن دوستم نے غیر رامن دشمنم غافل زخود یار آورد کے خویش یا بیگانہ را

اول زجاں برخیز پس درکوئے عشقش اندر آ گر مرد ایں میداں نۂ مجوز ناں در خانہ شو

بگذشت از آشنائے آشنا خویش چوں حاکم
ز نفس خویش ہم بیگانہ شد بیگانہ تر بادا

آپ کا تمام کلام سوز و ساز میں ڈوبا ہوا ہے۔ حمد ہو یا نعت۔ مرشد کی منقبت ہو یا کوئی غزل جذبات حقیقی کی عکاسی ہے۔ فن اور زبان پر قدرت کے نمونے بھی جا بجا ملتے ہیں۔ اگر صرف شاعری کی حیثیت سے آپ کا مرتبہ متعین کرنا ہو تو آپ کو یقیناً صف اول کے شعرا میں جگہ ملے گی۔

سلطان حاکم کی اولاد پورے پنجاب میں پھیلی ہوئی ہے۔ مؤ مبارک اور میانوالی قریشیاں (ضلع رحیم یار خاں) کے علاوہ مظفر گڑھ۔ ملتان۔ لائل پور۔ جھنگ۔ شیخوپورہ اور لاہور آپ کے خاندان کی آبادی کے خاص مراکز رہے ہیں۔

آپ کے دو بیٹے تھے ایک شیخ نور الدین جو حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے نواسے تھے۔ شیخ رکن الدین کی اولاد تحصیل شاہدرہ۔ ننکانہ۔ چیچہ وطنی اور جھنگ میں آباد ہے۔ دوسرے بیٹے شیخ تاج الدین تھے۔ جن کی اولاد مؤ مبارک میں ہے۔ حضرت سلطان التارکین کی سجادگی بھی انہی کے حصہ میں آئی ہے۔ آج کل مخدوم حمید الدین حاکم جو اپنے جد بزرگوار کی ہمنامی کا بھی شرف رکھتے ہیں۔ مؤ مبارک کی مسند سجادگی پر متمکن ہیں۔

حضرت سلطان التارکین کی اولاد میں سے جن بزرگوں نے پنجاب میں نام پیدا کیا اور ولایت کے مقام پر پہنچے ان میں شیخ عماد الدین[1] حماد۔ شیخ رکن الدین[2] حاتم۔ شیخ حامد سرمست[3]۔ حضرت عبد الجلیل[4] چوہڑ شاہ بندگی۔ پیر مراد شاہ[5]۔ پیر سکندر شاہ[6]۔ قلندر شاہ[7] ولی اور پیر فرخ بخش خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

[1] آپ سلطان التارکین کے پڑپوتے تھے۔ آپ کے والد شیخ جمال الدین والی کیچ مکران کے نواسہ اور والدہ سلطان ابراہیم لنگاہ کی دختر تھیں۔ آپ کا مزار مؤ مبارک میں ہے۔

[2] آپ سلطان بہاؤ الدین کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ قاضی رفیع الدین عباسی کی دختر تھیں جو سلطان شمس الدین التمش کی طرف سے صوبہ بھکر کی گورنری پر مامور تھے۔ مزار قلعہ مؤ مبارک میں سلطان التارکین کے مزار کے قریب جنوب مشرق میں ہے۔

[3] آپ حضرت عبد الجلیل چوہڑ شاہ بندگی کے چچا اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔

[4] آپ کا شمار حضرت سلطان التارکین کی پشت میں پانچویں نمبر پر آتا ہے۔ آپ نے ۸۸۱ھ میں مؤ مبارک سے ترک سکونت کر کے لاہور میں قیام فرمایا۔ سلطان بہلول لودھی کی بیٹی سے شادی کی راجپوت قوم کے کثیر افراد آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یکم رجب ۹۱۰ھ کو آپ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

آپ نے ۱۶۷ برس کی عمر میں ۱۲ ربیع الاول ۷۳۷ھ کو انتقال فرمایا. خاندان سہروردیہ میں آپ سب سے زیادہ طویل العمر بزرگ ہوتے ہیں. آپ کو پہلے شیخ رکن الدین رکن عالمؒ کے روضے میں دفن کیا گیا. بعد میں وہاں سے نکال کر مؤ مبارک میں لے آئے. اور یہاں سپرد خاک کر دیا گیا.

حضرت شیخ عماد الدین حمادؒ

آپ حضرت شیخ میراںؒ کے بیٹے حضرت شیخ تاج الدینؒ کے پوتے اور حضرت سلطان حاکمؒ کے پڑپوتے تھے. تذکرہ حمیدیہ میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ

"آپ غوث عصر تھے. سلطان حسین لانگاہ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا. اور فتح الواب کے لئے کسی وظیفے کی درخواست کی. آپ نے اسے وظیفہ بتایا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ ابھی یہ کلمات پورے بھی نہیں ہوں گے کہ مراد حاصل ہو جائیگی چنانچہ سلطان کا کہنا ہے کہ مجھے جو کار صعب پیش آتا ہے. یہی کلمات پڑھتا ہوں. اور اسی دن خداوند عزّ و جل مجھے کامیاب کر دیتا ہے."

تذکرہ حمیدیہ میں آپ کی کرامت کا یہ واقعہ بھی درج ہے.

"ایک دن خوشی کے عالم میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اس وقت فلاں لکڑی (جو ایک ہندو کے گھر اور مسجد پر پڑی ہوئی تھی) پر سے گذر جائے گا. وہ سمجھ لے کہ اس نے پل صراط کو عبور کر لیا

(بقیہ حاشیہ)

نے وفات پائی. مزار مبارک لاہور میں میکلوڈ روڈ سے متصل ریلوے پولیس لائن میں ہے.

۵ آپ حضرت عبد الجلیل کی اولاد میں سے ہیں. مزار اسٹیشن مہتہ سوجا نا روال شاہدرہ لائن میں ہے

۶ آپ پیر مراد شاہ کے چھوٹے بھائی تھے. حضرت عبد الجلیل کی خانقاہ میں مزار ہے

۷ آپ بھی پیر مراد شاہ کے بھائی تھے. رتہ پیراں میں مزار ہے.

۸ آپ قلندر شاہ کے برادر خورد اور مرید تھے. مزار رتہ پیراں میں ہے.

ایک مولوی صاحب نے اس بات پر ناک بھوں چڑھائی تھی لیکن
رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور جو لوگ
اس لکڑی پر سے گذرے تھے۔ وہ پل صراط عبور کر گئے ہیں۔ مولوی
صاحب نے بھی اس لکڑی پر سے گذرنے کی کوشش کی تو وہ
نہ گذر سکے۔ اسی اضطراب میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ صبح ہوتے ہی
شیخ حماد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا حضرت مجھے
اجازت دیں کہ اس لکڑی پر سے گذر جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ آں
قدح بشکست وآں ساقی نماند۔ تاہم مولوی صاحب آپ کے حلقۂ
ارادت میں داخل ہو گئے"۔

شیخ حماد کا مزار مؤ مبارک میں ایک چار دیواری کے اندر حضرت سلطان حاکمؒ
کے احاطۂ مزار کے شمال مغرب میں ہے۔ جانب جنوب شیخ میراں پاکباز کا مرقد ہے۔

حضرت شیخ روح اللہؒ

آپ شیخ عمادالدین حماد کے فرزند اکبر تھے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد مسند
ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ روحانیت میں آپ کا بڑا ارفع مقام تھا۔ بڑے بڑے
امرا آپ کے حلقۂ عقیدت و ارادت میں شامل تھے۔ انہیں کی اولاد یکے بعد دیگرے
حضرت سلطان التارکین کی مسند سجادگی پر فروکش ہوتی آ رہی ہے۔ بزرگوں کی برکت
سے اس خاندان کو عزت و دولت وافر ملی ہے۔ والیان ریاست بھی انہیں ہر اعزاز
واکرام کا مستحق سمجھتے رہے ہیں۔ ان کے مریدین کا سلسلہ سابق ریاست بہاولپور کے
علاوہ سندھ۔ پنجاب بالخصوص ملتان اور مظفرگڑھ کے اضلاع میں پھیلا ہوا ہے۔ آخری
سجادگان میں مخدوم احمد شاہ اور مخدوم محمد کرم شاہ اپنے علاقے کے ہر دلعزیز
زمینداروں میں شمار ہوتے رہے ہیں۔ حکومت بہاولپور کی طرف سے انہیں سرکاری
منصب بھی اعزازی طور پر تفویض تھے۔

بزرگانِ باقرپور

ضلع رحیم یار خاں میں بستی باقرپور[1] علما وصلحا کا گہوارہ رہی ہے اور یہ فخر اس بستی کو بھی حاصل رہا ہے کہ یہاں خاندانِ سادات کے بعض بزرگوں نے قدم رنجا فرما کر اسے اپنی مستقل سکونت کا شرف بخشا۔

سب سے پہلے پانچویں صدی ہجری میں بنو ہاشم کا ایک قبیلہ طائف سے تبلیغی مقاصد کے لئے ہندوستان آیا اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پھرتا پھراتا باقرپور پہنچا۔ اس قبیلے کے ہمراہ سید محمد عراقی نام کے ایک بزرگ بھی تھے۔ جن کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ یہاں اس خاندان کے چند دیگر بزرگوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] باقرپور ضلع رحیم یار خاں میں بھونگ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہے۔

حضرت مخدوم عزیز خطیبؒ

آپ اس خاندان کے سب سے زیادہ مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ تصوف اور معرفت الٰہی میں اس قدر ترقی کی تھی کہ قطب زماں کہلاتے تھے آپ نے سلسلۂ سہروردیہ میں حضرت رکن عالم قدس سرہٗ سے بیعت کی تھی اور ان سے ہی خلافت حاصل کرکے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا تھا۔ آپ کا مزار مبارک قلعہ سرداہی کے قبرستان میں ہے۔

الحاج قاضی ابو الفتحؒ

آپ عالم باعمل اور صاحب تصنیف تھے۔ آپ کی تصنیفات میں شرح حصن حصین۔ حاشیہ بیضاوی شرح شمسیہ منظومہ در منطق و شرح کافیہ شافیہ منظومہ رسالہ دربیان زکوٰۃ و تفسیر صورۃ فاتحہ۔ تحقیق مشکلات ہدایہ و مطول تحقیق حاشیہ مولانا عبدالغفور بر فوائد ضیائیہ قابل ذکر ہیں بادشاہ ہند محی الدین اورنگ زیب نے آپ کی تبحر علمی اور نیکی و پارسائی سے متاثر ہوکر آپ کو اپنی بیٹی زیب النساء کا اتالیق مقرر کیا۔ اتالیقی کا یہ سلسلہ منقطع ہونے کے بعد بھی اورنگ زیب اور ان کی بیٹی زیب النساء نے آپ سے روابط ترک نہیں کئے بلکہ ملتان میں انہیں جاگیر عطا کی اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک خط میں زیب النساء آپ کو اس طرح مخاطب کرتی ہے (یہ یادگار خط قاضی ابو الفتح کے ورثاء کے پاس محفوظ ہے)

"فضیلت و کمالات دستگاہ حقائق و معارف آگاہ
جامع المنقول والمعقول حاوی الفروع والاصول حاجی الحرمین
الشریفین قاضی ابو الفتح ......"

قاضی صاحب تا حیات ملتان میں فقہ۔ تفسیر اور حدیث کا درس دیتے رہے۔ وہیں انتقال فرمایا اور سلطان العارفین شیخ جلال الدینؒ کے احاطہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے والد شیخ قطب الدین کا مزار قلعہ سرداہی میں ہے۔ آپ کی اولاد

میں بڑے بڑے جلیل القدر عالم پیدا ہوئے۔ اور ان سب کا شغل درس وتدریس ہی رہا۔ انہیں کی اولاد میں سے ایک لڑکی کا نکاح باقرپور میں مولوی محمد عابد قریشی کے ساتھ ہوا۔

مولوی محمد عابد صاحب

آپ مولوی محمد عادل کے فرزند اور قاضی ابوالفتح کی جائیداد کے وارث تھے۔ آپ افغانوں کے حملے کے وقت ملتان سے ترک سکونت کر کے اوچ میں اقامت گزیں ہوئے۔ علوم وفنون کی تحقیق میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ حضرت مخدوم گنج بخش حسینی گیلانی نے آپ سے مشکوٰۃ شریف پڑھی۔ آخر عمر میں آپ باقرپور تشریف لے آئے اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ۱۱۸۲ھ میں شعبان المعظم میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولوی محمد عبداللہ صاحب

آپ قاضی ابوالفتح کے ہمزبان تھے۔ علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کا مقولہ تھا۔ کہ "علم در سینہ باید نہ در کتاب" دہلی میں آپ کے علم کی شہرت اورنگ زیب تک پہنچی تو انہوں نے آپ کا بے حد احترام کیا اور ہفت ہزاری کا منصب دیا۔ کچھ عرصہ تبلیغ وتدریس میں مصروف رہ کر آپ نے دہلی میں ہی انتقال فرمایا۔

مولوی غلام مصطفےٰ صاحب

آپ بدر المحافل علیہ۔ سحر البیان اور مورد مواہب قدسیہ کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ حق گوئی دبیباکی میں آپ کا جواب نہ تھا۔ ایک دفعہ آپ نے نواب عبدالصمد خاں کو علماء کا مذاق اڑانے پر ڈانٹ دیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب احمد شاہ درانی کی طرف سے سردار جہان خان سندھ کو تاخت وتاراج کر رہا تھا۔ ایک دن سردار جہان خاں اور شیخ راجو حاکم سیت پور کے دربار میں علی مراد خاں[1] داؤد پوترہ حاضر تھے۔ سردار جہان خاں نے علی مراد خاں کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ ہم سے اس قدر نفرت کیوں کرتے ہیں آخر ہم بھی مسلمان ہیں"

دربار میں سناٹا چھایا ہوا تھا کسی شخص کو تاب گویائی نہ تھی۔ حسن اتفاق کہ مولوی غلام مصطفٰی صاحب بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے یہ رنگ دربار دیکھا تو اس سکوت کو اس طرح توڑا۔

"ظالموں اور ان کے ایجنٹوں سے ہر شخص کو نفرت ہوتی ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں"

اس کے بعد سردار جہان خاں نے آپ سے علمی مباحثہ شروع کر دیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد اپنی بے بضاعتی اور مولوی صاحب کی علمی منزلت کا قائل ہو گیا۔

آخر عمر میں آپ نے اوچ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور وہاں درس وتدریس کا شغل جاری تھا۔ مخدوم گنج بخش اور ان کے والد مخدوم عبد القادر نے آپ سے استفادہ علمی کیا۔ ۱۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا اور اوچ گیلانیہ میں حضرت محمد غوث رح کی خانقاہ کی مشرقی دیوار کے متصل دفن ہوئے۔

---

[1] یہ علی مراد خاں وہ ہیں جنہوں نے قلعہ دنجھروٹ کی مرمت نواب بہاول خاں اول کے زمانہ میں کی تھی اور پھر اس پر قابض ہو گئے تھے۔ بعد میں نواب مبارک خاں نے یہ قلعہ ان سے چھینا تھا۔

مولوی عبدالرحیم صاحب

آپ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کے چھوٹے بھائی تھے. آپ نے تحصیل علوم کے بعد تبلیغ دین کا سلسلہ شروع کیا. حکام کی مخالفت کے باوجود آپ نے یہ شغل ترک نہیں کیا. بھٹہ واہن اس زمانہ میں کوڑا مل کی صوبیداری میں تھا. اور وہ خاصا متعصب تھا. لیکن آپ نے اس کی پروا کئے بغیر وہاں تبلیغ اسلام کی اور بہت سے برہمنوں کو مسلمان کیا. آخری عمر میں آپ باقرلوپر تشریف لے آئے. یہاں شکستہ مکانات کی از سر نو تعمیر کے علاوہ شیخ تاج الدین شہید اور مخدوم عزیز خطیب کے مقبروں کی مرمت کرائی. قلعہ سیوراہی کے نیچے شیخ موسیٰ[1] نواب کا مقبرہ تھا. جس پر اس زمانہ میں بہت سی بدعتیں مثلاً بھنگ. چرس کا پینا عورتوں اور مردوں کا باہم اختلاط اور ناچ رنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جن کا آپ نے موثر انسداد کیا اور لوگوں کو اپنی تعلیمات سے یاد الہٰی کی طرف راغب کیا. ۱۱۷۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا. قلعہ سیوراہی پر اپنے بزرگوں کے پہلو میں مدفون ہوئے.

---

[1] اس مقبرے کا گنبد اور برآمدہ رئیس محمد غازی مرحوم آف بھونگ نے تعمیر کرایا تھا اور خانقاہ کے لنگر کے لئے کچھ اراضی بھی وقف کر دی تھی.
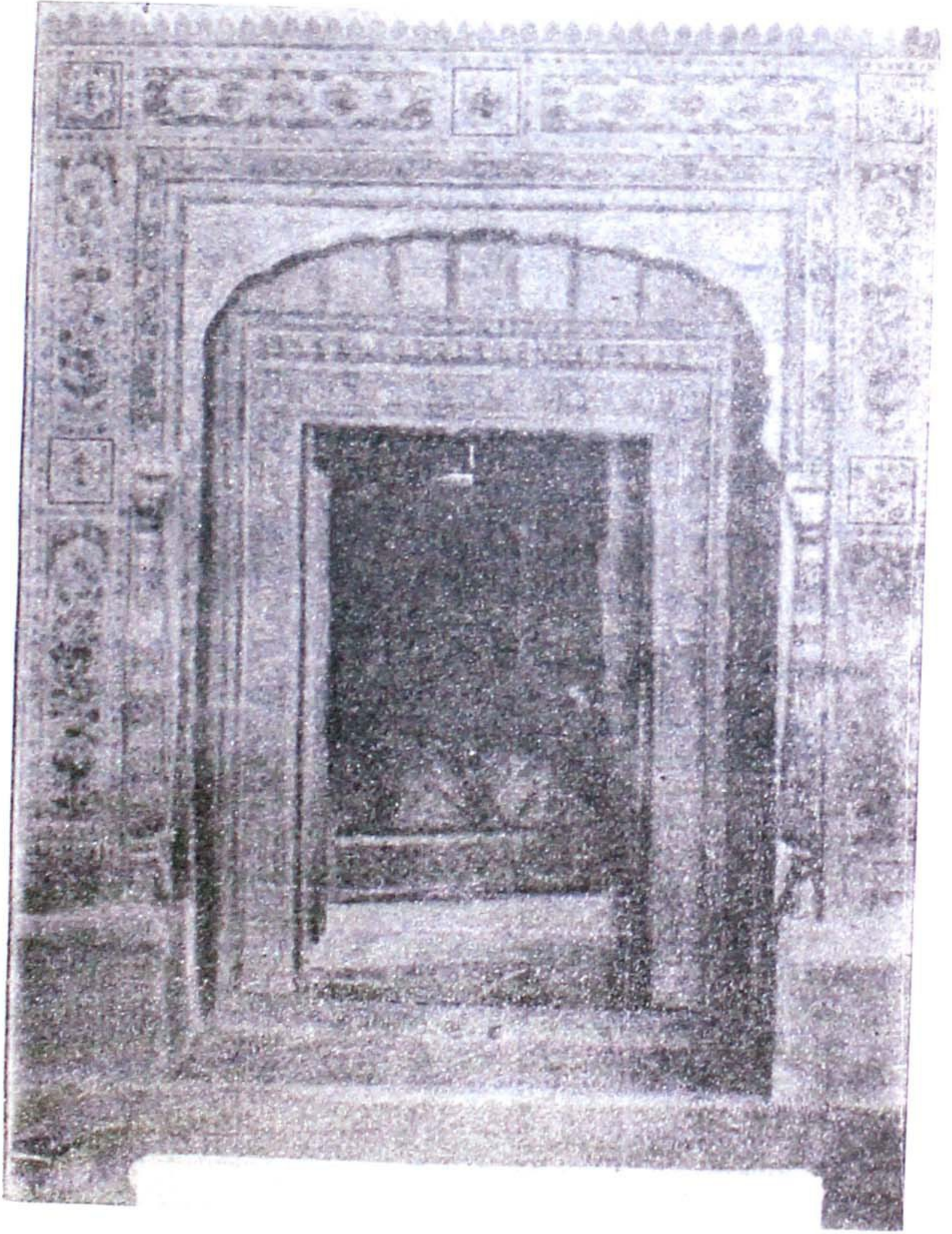
خانوادہ گیلانی اوچ کے اوّلین بزرگ حضرت بندگی محمد غوثؒ
کے مزار کا بیرونی منظر

خانوادۂ قادریہ گیلانیہ (اوچ)

خانوادۂ قادریہ کے جن بزرگوں نے اس سرزمین کو اپنے قدوم یمنت لزوم سے نوازا انہیں یہ فخر بھی حاصل ہے۔ کہ وہ پیران پیر دستگیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے براہ راست تعلق نسبی بھی رکھتے ہیں۔ ان بزرگوں کی کوششوں سے برصغیر میں خانوادۂ قادریہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

حضرت سیّد محمد غوث رح

حضرت سیّد محمد غوث جن کا سلسلۂ نسب سات واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے ملتا ہے ۸۸۷ھ میں وارد اوچ ہوئے تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری خزینۃ الاصفیا میں آپ کی جلالت وشان کے متعلق رقمطراز ہیں[1]

"سیّد محمد غوث گیلانی الحلبی الاچی قدس سرہٗ از اعالم مشائخ واکابر سادات حسنی است و درستیٔ نسب وصحت حسب آئینی بود وجانشین وخلیفہ واولاد پاک حضرت غوث اعظم قدس سرہٗ است"

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۱۱۵

آپ کے اجداد میں سے سید ابوالعباس احمد بن سید صفی الدین ہلاکو کے جملۂ بغداد کے وقت ترک وطن کر کے حلب (شام) میں اقامت گزیں ہو گئے تھے حضرت سید محمد غوث یہیں پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے حلبی کہلاتے ہیں۔ نوجوانی میں آپ خراسان و ترکستان اور عرب و عجم کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور کچھ عرصہ لاہور اور کچھ عرصہ ناگور میں رہے۔ اس کے بعد وطن واپس تشریف لے گئے اور اپنے والد گرامی سے مستقل طور پر ہندوستان میں قیام کرنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے اپنی زندگی تک فرزند بلند اقبال کو اپنے سے جدا کرنا گوارا نہ کیا۔ والد کے انتقال کے بعد آپ براہ خراسان ہندوستان آئے اور اشارۂ غیبی کے تحت اوچ میں قیام پذیر ہوئے۔

آپ علم و فضل میں یگانۂ روزگار اور روحانیت میں درجہ کمال کے حامل تھے۔ شعر و سخن سے بھی طبعاً لگاؤ تھا اور قادری تخلص کرتے تھے۔ مولانا عبدالرحمن جامی آپ کے ہمعصروں میں سے تھے اور آپ کے ان کے ساتھ ایسے تعلقات مودت تھے کہ وہ اپنے اشعار اکثر آپ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے[1]

اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے متعلق لکھتے ہیں[2]

"صاحب عظمت و کرامت و ابہت و جلالت اور جامع علوم معقول و منقول تھے۔ ولایت روم سے خراسان آئے اور وہاں سے ملتان تشریف لا کر اچہ میں سکونت اختیار کی۔ ایک مرتبہ اکثر معمورۂ عالم کی سیر و سیاحت بالکل تن تنہا اور بے تعلقی میں کی۔ دوسری مرتبہ بہت خیل و حشم اور بے شمار ملازمین و متعلقین کے ہمراہ اس ملک میں رونق افروز ہوئے"۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۱۱۶ [2] انوار الاصوفیہ ترجمہ اخبار الاخیار صفحہ ۴۴۴

جس زمانے میں آپ ملتان تشریف لائے ان دنوں علماء و فضلا بہت خال خال نظر آتے تھے۔ آپ کی آمد سے نہ صرف یہ کمی پوری ہوئی بلکہ آپ کے علم و فضل کی دھوم مچ گئی اور بادشاہ وقت تک آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں [1]

"بادشاہ وقت آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور آپ کے پیوستگان سے نہایت محبت و اخلاص کے ساتھ پیش آتا تھا۔"

مفتی غلام سرور لاہوری اس روایت کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں [2]

"سلطان حسین مرزا بادشاہ مرید آنحضرت شد و نیز سلطان سکندر لودھی بادشاہ دہلی از معتقدان آنحضرت گردید و لغایت مرتبہ بندگی و اخلاص بہ نسبت آنحضرت بھم رسانید و از وجود معدن جود وی باب فیض خاندان قادریہ بر روئے اہل ہندوستان بکشاد۔"

آپ کی شادی کے متعلق خزینۃ الاصفیا میں یہ روایت درج ہے [3] کہ "ایک رات حاکم ملتان و اوچ سلطان قطب الدین لنگاہ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت غوث اعظم تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ اپنی دختر میرے بیٹے سید محمد کے نکاح میں دے کر سعادت حاصل کر۔ سلطان نے دربار غوثیہ کا یہ ارشاد سن کر اپنی بیٹی کا نکاح حضرت سید محمد کے ساتھ کر دیا۔" لیکن سلطان قطب الدین کی بیٹی کے بطن سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے سید ابوالفتح حسینی کی دختر سے جو حضرت صفی الدین گاذرونی کے قرابت داروں میں سے تھے نکاح ثانی کیا جن کے بطن سے چار فرزند سید عبدالقادر ثانی۔ سید عبداللہ ربانی۔ سید مبارک حقانی اور سید

---

[1] انوار الصوفیہ ترجمہ اخبار الاخیار صفحہ ۴۴۴-۴۴۵

[2] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۱۱۶

[3] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۱۱۷

محمد نورانی پیدا ہوئے۔

آپ کا انتقال ۹۲۳ھ میں ہوا۔ مزار مبارک اوچ میں زیارت گاہ عام ہے۔ صاحب شجرۃ الانوار نے آپ کی تاریخ وفات "محمد حسنی پاک" سے برآمد کی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ

سلسلۂ قادریہ برصغیر میں جن بزرگوں کی بدولت پھولا پھلا ان میں حضرت سید محمد غوثؒ کے فرزند اکبر حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔ آپ اپنے جد بزرگوار حضرت غوث الاعظمؒ کے حقیقی وارث تھے اسی وجہ سے آپ کو شیخ عبدالقادر ثانی کہتے ہیں۔

جوانی میں طبیعت عیش و راحت کی طرف مائل تھی۔ یکایک آپ کی طبیعت میں ایک انقلاب آیا اور آپ ماسوا اللہ سے بیزار ہو کر حق تعالیٰ کی محبت میں محو ہو گئے اخبار الاخیار میں درج ہے[1]

"آپ کی حالت اور جذبہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ایک روز اچہ کے جنگل میں شکار کھیل رہے تھے۔ ناگاہ ایک تیتر کو دیکھا کہ عجیب و غریب آواز سے نالہ و فریاد کر رہا ہے۔ ایک درویش اس جنگل میں سے گذر رہا تھا۔ اس نے کہا سبحان اللہ! ایک دن وہ ہوگا کہ یہ جوان بھی مولا جل و علا کے تعلق محبت سے اس تیتر کی طرح نالہ و فریاد کرتا ہوگا۔ یہ بات سنتے ہی آپ کے حالت پیدا ہوئی اور ماسوا اللہ سے دل بیزار ہو گیا۔ اسی طرح روز بروز اسباب جذب و آثار شوق و انوار محبت فائز و نازل ہونے لگے یہاں تک کہ کامل فراغ بالی سے مولیٰ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہو گئے۔"

---

[1] انوار صوفیہ ترجمہ اخبار الاخیار صفحہ ۴۴۷

خزینۃ الاصفیا میں روایت بھی درج ہے کہ

"روزے والد ماجدش چند قطعہ پارچہ مخمل نزدے فرستاد وارشاد کرد کہ برائے خرقہ دابرہ پوستین بکار بردچوں پارچات بخدمتش رسیدند فرمود کہ ازاں پارچہ ہا جلہائے سگاں شکاری تیار کنند۔ والد بزرگوارش از وقوع ایں حرکت در غضب آمد و بحضور خود طلبید و عتاب آغاز نہاد ہمدراں شب حضرت غوث الاعظم را در خواب دید کہ تشریف آورد و فرمود کہ سید عبدالقادر فرزند من است و تربیت ظاہری و باطنی وے بذمہ ما است ترا باوے کار نیست و ترا کہ دیگر از فرزنداں اند تربیت ایشاں مشغول شو پس از آنروز پدر عالی گوہر دست از وے بداشت و بہ رعایت غوثیہ اعظمیہ تفویض نمود"

ترجمہ "ایک دن حضرت شیخ کے والد ماجد نے مخمل کے کچھ پارچات آپ کو بھجوائے اور فرمایا کہ ان سے جبہ تیار کرالیں۔ جب یہ پارچات آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے شکاری کتوں کے لئے گدے بنوالئے والد بزرگوار کو اس حرکت پر بڑا غصہ آیا اور آپ کو طلب کرکے خوب فہمائش کی۔ اسی رات حضرت غوث الاعظم خواب میں دکھائی دیئے انہوں نے فرمایا کہ سید عبدالقادر میرا فرزند ہے اور اس کی ظاہری و باطنی تربیت میرے ذمہ ہے۔ تمہارے اور بھی بیٹے ہیں تم ان کی تربیت کرو اور اس کا معاملہ مجھ پر چھوڑ دو"

اس خواب کا حال حضرت سید عبدالقادر ثانی رح کو معلوم ہوا تو آپ اپنے تمام دنیوی مشاغل سے تائب ہوکر ہمہ تن یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے اور دل کی دنیا ہی بدل گئی۔

والد ماجد کی وفات کے بعد آپ مسند سجادگی پر فروکش ہوئے لیکن دنیا سے بیزاری کا عالم بدستور قائم رہا۔ یہاں تک کہ بادشاہ وقت جو آپ کے خانوادے

کے عقیدتمندوں میں سے تھا اس سے بھی رسم وراہ گوارا نہ کی۔ اس طرز عمل سے بادشاہ کبیدہ خاطر ہوا اور وہ خلافت و سجادگی سے آپ کو محروم کرنے کی تدبیر کرنے لگا۔ بادشاہ کے اس ارادے کا حال بباطن آپ پر ظاہر ہوا تو آپ نے اسے لکھ بھیجا "کہ تمہاری دی ہوئی جاگیریں اور عطیات ہمارے کسی کام کے نہیں۔ میں تمام فرامین اور اسناد واپس بھیج رہا ہوں۔ انہیں جسے چاہو دے دو"

ایک دفعہ بادشاہ نے بصد ادب التجا کی کہ آپ میرے پاس تشریف لائیں لیکن آپ نے جواب میں یہ شعر لکھ کر بھیجدیئے "۔[1]

بہ ہیچ باب ازیں باب رَے گشتن نیست — ہر آنچہ بر سر ما میرود مبارک باد
کسیکہ خلعت سلطان عشق پوشیداست — بحلہ ہائے بہشتی کجا شود دلشاد

فقر و درویشی پر بادشاہی کو قربان کرنے کی یہ شان آپ کو اپنے جد بزرگوار غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ورثہ میں ملی تھی آپ کو بھی جب سلطان سنجر نے ایران کے صوبہ نیمروز کی گورنری پیش کی تو آپ نے یہ شعر لکھ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیم روز بہ یک جو نمی خرم

حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ اذکار و اوراد اور عبادات میں مشغول رہتے تھے اور اس شغل میں اس درجہ انہماک ہوتا تھا۔ کہ پہروں کسی سے کلام نہیں کرتے تھے آپ کی زبان اور نظر میں غضب کی تاثیر تھی جس پر ایک نگاہ ڈالتے اس کی کایا پلٹ جاتی اور آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی تغیرِ حالات کے لئے کافی ہوتا تھا۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے[2]

"آپ حال میں باکمال اور کمال میں وہم و خیال کی حد سے بالاتر تھے

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۱۲۰ [2] انوار الصوفیہ ترجمہ اخبار الاخیار صفحہ ۴۴۶

بہت سے گنہگار اور کفار آپ کے مشاہدۂ جمال اور معائنہ کمال سے توبۃ النصوح کی سعادت حاصل کر کے شرف ایمان سے مشرف ہوئے"۔

آپ کی ولادت باسعادت بقول مفتی غلام سرور لاہوری "در سال ہشت صد و شصت و دو" اور وفات بقول اخبار الاخیار و کتاب شجرۃ الانوار بتاریخ "ہیژدہم ربیع الاول سال نہصد و چہل" (۱۸ ربیع الاول ۹۴۰ھ) بعمر ۷۸ سال ہوئی۔ مزار مبارک اوچ میں اپنے والد ماجد سید محمد غوثؒ کے پہلو میں ہے۔

سید عبدالرزاق گیلانیؒ

آپ حضرت سید عبدالقادر ثانیؒ کے فرزند ارجمند اور جانشین تھے۔ بقول اخبار الاخیار[1]

"صاحب فضائل و مناقب و مفاخر، ہمت عالی اور شان عظیم کے مالک تھے"۔

والد ماجد کے انتقال کے وقت آپ ناگور میں بغرض تعلیم مقیم تھے۔ عین والد کی وفات کے وقت آپ نے فرمایا[2] "والد نے مجھے آواز دی ہے اور مجھے اپنے پاس بلایا ہے۔ دیکھیں کیا ہو"۔ چونکہ وہاں سے چلنے میں کچھ دیر ہو گئی اس لئے آپ والد کی تجہیز و تکفین کے بعد پہنچے۔ بہر حال والد کی وصیت کے مطابق آپ مسند سجادگی پر فروکش ہوئے اور صرف دو سال اپنے والد ماجد کی جانشینی کرنے کے بعد ۵ جمادی الاخری ۹۴۲ھ میں انتقال فرمایا اور اوچ میں سپرد خاک ہوئے۔

---

[1] انوار الصوفیہ ترجمہ اخبار الاخیار صفحہ ۴۴۸

[2] انوار الصوفیہ ترجمہ اخبار الاخیار صفحہ ۴۴۸

سید حامد گنج بخش

آپ سید عبدالرزاق گیلانیؒ کے فرزند ارجمند اور جد بزرگوار حضرت شیخ عبدالقادر ثانیؒ کے مرید تھے۔ آپ کی رفعت شان کے متعلق مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں[1]

"بزرگ عالیشان و رفیع المکان مقتدائے اولیائے مظہر انوار کبریا صاحب تصرف و کرامت دائی ولایت و عظمت بود؛"

آپ بعید اثر و نفوذ کے مالک تھے۔ بادشاہان وقت آپ کے دروازہ فیض اندازہ کی خاکروبی کو تاج افتخار سمجھتے تھے۔ اسباب دنیا بے حد و حساب میسّر تھے۔ لیکن کبھی صاحب نصاب نہیں ہوئے۔ جو کچھ حاصل ہوتا فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ تمام عمر یاد خدا اور کار خدا میں صرف کر دی۔ ہزاروں مخلوق نے آپ سے ہدایت پائی ۹۷۸ھ میں انتقال ہوا۔ اور اوچ میں مدفون ہوئے۔

آپ نے اپنی حیات میں اپنے بڑے صاحبزادے سید عبدالقادر ثالث کے بجائے چھوٹے صاحبزادے سید ابوالحسن جمال الدین موسیٰ پاک شہید کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ لیکن والد کی وفات کے بعد انہوں نے والد کی وصیت کو نظرانداز کر کے اپنی سجادگی کا اعلان کر دیا۔ اس صورت حالات سے دل برداشتہ ہو کر حضرت موسیٰ پاک شہید اوچ سے ترک سکونت کر کے ملتان تشریف لے گئے۔

اس خانوادے میں طریقت و سجادگی کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ ایک زمانہ میں سابق ریاست بہاولپور کی تمام خانقاہوں کی تولیت اسی خانوادے کو تفویض تھی۔ پاک و ہند کے متعدد علاقوں میں قادریہ سلسلے کی جو خانقاہیں ہیں ان کا یا تو نسبی تعلق اس خانوادے سے ہے یا وہ پھر منتسبین خانوادۂ قادریہ گیلانیہ اوچ شریف ہیں۔

خانوادۂ اویسیہ

سرزمین بہاولپور کی مسند ارشاد و ہدایت عارفان کامل سے کبھی خالی نہیں رہی ہر دور میں یہاں ایسے ایسے باکمال اور جلیل القدر بزرگ رونق افروز رہے ہیں. جن کے چمنستان برکات کی ایک دنیا خوشہ چیں رہی ہے. بارہویں صدی ہجری اس اعتبار سے نہایت متبرک تھی کہ اس میں تصوف کے دیگر خانوادوں کے علاوہ سلسلۂ اویسیہ کی بھی پہلی بار یہاں داغ بیل پڑی اور اس سلسلے کے دو ایسے بزرگ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے جن سے سلوک و طریقت کے باغ میں از سر نو بہار آگئی.

یہ بزرگ حضرت خواجہ پیر عبدالخالق اور خواجہ محکم الدین سیرانی ہیں جن کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا جائے گا.

حضرت خواجہ پیر عبدالخالق رح

آپ کے متعلق مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں[1]

"از اعاظم اولیا و کبرائے مشائخ خاندان عالیشان اویسیہ

---

[1] خزینۃ الاصفیا. جلد دوم صفحہ ۳۷۵

است. صاحب وجد وسماع وشوق وذوق وسکر وجذب بود
در فقر شانے عالی ومرتبۂ بلند داشت وفیض باطن از روحانیت
طاؤس یمنی حضرت اویس قرنی یافت وصاحب اجازت وتلقین
گشت وتمام عمر ہدایت وتلقین طالبان حق گذرانید وچوں از
آباؤ اجداد صاحب علم وفضیلت وحافظ قرآن بود جامع فضل
ظاہری وباطنی گردید وحافظ طاہر بن حافظ محمود بن حافظ یعقوب
والد ماجد وے عالم عامل وحافظ کامل وصاحب فتویٰ واستحکام بود"

ترجمہ. خانوادۂ اویسیہ کے مشائخ کبار اور اولیائے عظام میں سے ہیں.
وجد وسماع. شوق وذوق اور سکر وجذب کے حامل تھے. فقر میں عالی مرتبہ اور بلند
شان رکھتے تھے. فیض باطنی حضرت طاؤس یمنی خواجہ اویس قرنی رض سے حاصل
کیا تھا. اور انہیں کی جانب سے صاحب اجازت وتلقین تھے. تمام عمر طالبان
حق کو تلقین وہدایت میں صرف ہوئی. علم وفضل آپ کو آباد اجداد سے ورثہ میں
ملا تھا. حافظ قرآن تھے. ظاہری وباطنی فضل وکمال کے جامع تھے. آپ کے والد
ماجد طاہر بن حافظ محمود بن حافظ یعقوب عالم. عامل. حافظ کامل اور صاحب فتویٰ
واستحکام تھے"

آپ کے اجداد گوگیرہ ضلع منٹگمری (ساہیوال) کے رہنے والے تھے
آپ کی پیدائش محب علی کے مقام پر ایک کھرل[1] گھرانے میں ہوئی یہ جگہ
دریائے گھارا کے کنارے پاک پٹن سے دس میل کے فاصلے پر ہے. جیساکہ محولہ
بالا اقتباس سے ظاہر ہے آپ کا خاندان اہل علم سے تعلق رکھتا تھا. اور حفظ قرآن

---

[1] کھرل راجپوتوں کی ایک شاخ ہے جو پنجاب کے اضلاع لاہور. جھنگ. ساہیوال. کوٹ
کمالیہ. ملتان. گوگیرہ اور بہاولپور میں آباد ہیں. حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح کا تعلق بھی اسی خاندان
سے ہے. (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہر فرد خاندان کا طرۂ امتیاز تھا۔ چنانچہ آپ نے بھی تعلیم کا آغاز کلام اللہ سے کیا جب قرآن حکیم حفظ کر چکے تو مزید تحصیل علم کے لئے پہلے لاہور کا رخ کیا پھر ہندستان کے دیگر تعلیمی مراکز سے جن میں رامپور اور دہلی بھی شامل ہیں استفادۂ علمی کیا۔ دہلی میں حضرت فخر جہاں دہلوی کے حلقۂ درس میں بھی شامل رہے۔

اس تعلیمی سفر کے بعد آپ نے مراجعت وطن فرمائی اور تدریس کا شغل جاری کیا[۲]۔ آپ کے درس میں کافی طلباء شامل ہوتے تھے۔ درس و تدریس کے دوران آپ کے دل میں علم معرفت کے حصول کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس غرض کے لئے کسی پیر کامل کی جستجو ہوئی اس زمانے میں قصور کے مشہور صوفی سید بلھے شاہ بھی اسی فکر میں تھے چونکہ حضرت خواجہ پیر عبدالخالقؒ اور ان میں باہم مودت و موانست کے روابط تھے اور قیام لاہور میں خواجہ صاحب ان کے ہمدرس بھی رہے تھے۔ اس لئے آپ بغرض مشورہ ان کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی اپنے تجسس کا حال بیان کیا۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ تلبنہ میں شیخ عبدالحکیم قادری سے رجوع کیا جائے جو اکمل المشائخین تصور کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں مع گل شیر محمد کے جو آپ کے بھائی تھے۔ تلبنہ

آپ کی تاریخ پیدائش صحیح طور پر معلوم نہیں لیکن اندازہ ہے کہ آپ گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں پیدا ہوئے ہوں گے۔ آپ کی عمر کا تعین ۹۰ سال کیا گیا ہے اور سن وفات ۱۱۸۷ھ ہے۔ اس اعتبار سے آپ کی پیدائش کا سن ۱۰۹۷ھ ہونا چاہیئے۔

[۲] سوانح عمری خواجہ عبدالخالقؒ و خواجہ محکم الدین سیرانیؒ۔ مرتبہ مولینا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی صفحہ ۱۳۔ اس کتاب کا مواد مولانا معین الدین نے فارسی میں جمع کیا تھا۔ جس کا اردو ترجمہ حضرت خواجہ محمد سلطان بالا دین نے کیا اور پھر اسے مرتب کر کے اپنے مقدمہ کے ساتھ مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی نے شائع کیا حضرت خواجہ محمد سلطان بالا دین حضرت خواجہ پیر عبدالخالق علیہ الرحمۃ کی اولاد میں سے ہیں اور درگاہ حضرت خواجہ پیر عبدالخالقؒ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت خواجہ صالح محمد اویسی کے برادر خورد ہیں۔

میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعائے دلی ظاہر کیا۔ انہوں نے مراقبہ کے بعد گل شیر محمد کو تو اپنا مرید کر لیا۔ بلھے شاہ صاحب سے کہا کہ تمہارا نصیبہ شاہ عنایت[1] قادری سے وابستہ ہے اور خواجہ عبدالخالق سے فرمایا کہ[2]

"تمہارا حصہ ایک ایسے شخص کے پاس ہے جو عالم جاودانی میں رونق افروز ہے۔ اپنے گھر میں مشغول عبادت ہو۔ درود مستغاث کا ورد کرو اور اس کی عنایت کے منتظر رہو۔ تمہارا پیر خود بخود سامنے آجائے گا۔"

آپ اس ارشاد گرامی سے بڑے متردد ہوئے اور دل میں خیال گذرا کہ شاید شیخ کی نظر میں آپ لائق التفات نہیں۔ اس کیفیت کو محسوس کر کے حضرت شیخ عبدالحکیم نے فرمایا[3]

"حافظ صاحب آپ مغموم و محزون نہوں اور ناامیدی کو دل میں راہ نہ دیں۔ آپ کا نصیبہ ان دونوں سے اعلیٰ ہے۔ مشائخان وقت بھی آپ پر رشک کریں گے۔ ہاں ذرا توقف اور انتظار کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد حضرت شیخ عبدالحکیم نے درود مستغاث کے ورد کی تاکید کر کے آپ کو رخصت کیا۔ آپ واپس گھر آکر پھر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ البتہ اب آپ کا معمول تھا کہ بعد فراغت تدریس شیخ عبدالحکیم کا بتایا ہوا وظیفہ پڑھتے

---

[1] شاہ عنایت قادری عہد عالمگیری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ محمد رضا قادری شطاری لاہوری کے خلفا میں سے تھے۔ بلھے شاہ آپ کے ہی مرید تھے۔ آپ کا مزار لاہور میں کوئنز روڈ پر واقع ہے
[2] تحفۃ الابرار جدول ششم بحوالہ خزینۃ الاصفیا جلد دوم۔ صفحہ ۶۹
[3] سوانحعمری خواجہ عبدالخالق رح و خواجہ محکم الدین سیرانی رح۔ صفحہ ۱۴

اور مشاہدہ مطلوب کے لئے آنکھیں وا کئے رکھتے۔

ایک[1] دن نماز ظہر سے فارغ ہو کر حسب معمول وظیفے میں مشغول تھے کہ دفعتہً مکان کی شمالی سمت سے جنگل میں ایک ایسا شور و غوغا بلند ہوا۔ جیسے کوئی لشکر وہاں وارد ہوا ہے۔ اس آواز نے آپ کے دل میں ایک ہیبت سی طاری کر دی۔ اسی اثنا میں آپ نے دیکھا کہ سامنے میدان میں بارگاہ قائم ہوئی ہے۔ اور خیمہ نصب کیا گیا ہے اس منظر نے آپ کو مزید عالم تحیر میں مبتلا کر دیا اور آپ سوچنے لگے کہ یہ فرودگاہ کس سلطان کی ہو سکتی ہے۔ مگر جلد ہی آپ نے حواس پر قابو پا کر اپنا ورد جاری کیا۔ ابھی چند لمحے گذرے تھے کہ کانوں میں کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی سر اٹھا کر دیکھا تو ایک سفید ریش نورانی چہرہ جو ماہ درخشاں کی مانند تھا۔ قریب بیٹھا نظر آیا۔ جس کو دیکھنے سے آپ کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ اور ایک مدہوشی و بیخودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ بزرگ وہاں موجود نہیں ہیں۔

دوسرے روز پھر یہی صورت پیش آئی۔ آپ اس نورانی صورت والے بزرگ کو دیکھتے اور منہ سے کچھ نہ کہہ سکتے۔ آخر تیسرے روز آپ نے طے کیا کہ اگر اب کے وہی شکل نظر آئی تو ان کا نام ضرور دریافت کروں گا۔ چنانچہ تیسرے روز[2] جب وہ سفید ریش اور نورانی چہرے والے بزرگ ظاہر ہوئے تو آپ نے آگے بڑھ کر ان کے قدم پکڑ لئے اور نام دریافت کیا۔ غیبی بزرگ نے اپنا نام اویس بن عامر بتایا۔ اور فرمایا کہ میں تم کو حق تعالیٰ سے ملوانے پر مامور ہوا ہوں۔ اس کے بعد اپنے دست مبارک کو حضرت خواجہ عبدالخالق رح کے ہاتھ پر رکھ کر بیعت کا شرف بخشا اور کچھ اذکار و اذکار کی تلقین کی اور نظروں سے غائب ہو گئے۔

اس واقعہ نے آپ کو از خود رفتہ کر دیا۔ اور آپ بے ہوش ہو گئے چنانچہ

---

[1] سوانحعمری خواجہ عبدالخالق رح و خواجہ محکم الدین سیرانی رح صفحہ ۱۵

[2] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۳۷۶۔ تحفۃ الابرار جدول ششم صفحہ ۶۹

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں کہ

"عبدالخالق از خود بیخود گشت و تا ۳ روز ہماں حالت سکر بماند. بعد ۳ روز ندائے سرود از خانہ ہمسایہ کہ بہ تقریب عروسی بزم سرود در خانہ وی مرتب شدہ بود بگوش حق نیوش وی رسید و بجنبش آمد متعلقانش فی الحال اہل سرود را حاضر آوردند چوں سرود آغاز شد وجد عظیم عائد حال شیخ گشت و بعد رقص و حالت روز و شبانہ بہوش آمد و بہمہ متعلقان خود فرمود کہ شما ہمہ مرا مبارکباد بگوئید کہ امروز ما محبوب و مطلوب خود را یافتہ ایم"

ترجمہ. عبدالخالق خود رفتہ ہو کر بے ہوش ہو گئے. تین روز تک اسی حالت سکر میں رہے. تین روز بعد سرود کی ندا جو کسی ہمسایہ کے ہاں سے شادی کی تقریب کے سلسلے میں آرہی تھی. آپ کے کان میں پہنچی جس سے آپکے جسم کو جنبش ہوئی تعلقداروں نے اسی وقت اہل سرود کو حاضر کیا. جب سرود شروع ہوا تو وجد عظیم لاحق ہوا اور ایک شبانہ روز بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی. اس کے بعد ہوش میں آئے تو فرمایا کہ تم سب مجھ کو مبارک باد دو کہ آج میں نے اپنے محبوب و مطلوب کو پا لیا.

سوانحعمری میں مزید درج ہے [1]

"اسی فرحت میں تھے کہ مؤذن نے صدائے اذان عصر بلند کی. آنحضور بمجرد اسماع اللہ اکبر بھر مستغرق و بیخود ہو گئے. اہل مسجد مدہوشی کا حال دیکھکر پراگندہ خاطر ہوئے. آخر کار یہ امر قرار پایا کہ اسی قوال کو بلا کر بدستور سابقہ نغمہ سرائی کرائی جائے

---

[1] سوانحعمری حضرت خواجہ عبدالخالق رح صفحہ ۱۹-۱۸

بس اس کو بلا کر گانے کے لئے کہا. جب حضرت ممدوح کے کان میں آواز پہنچی اور افاقت آئی تو فرزند سعادتمند کو جو ہوشیار اور صاحب عقل تھے. فرمایا کہ مطرب کو دعوت قیام نزد فقیر دیجائے اور ہمیشہ اس فقیر کے پاس رہے. اس کی تمام ضروریات کا کفیل فقیر ہوگا. صاحبزادہ صاحب نے حسب ارشاد والد نہاد مطرب کو فرمایا لیکن وہ اقامت سے منکر ہوا اور کہنے لگا کہ میں خویش اور اقربا اور راج موروثی کو ترک کر کے کس طرح فقیر کے دروازے پر قانع ہو کر رہوں. یہ امر غیر ممکن ہے. یہ کہہ کر وہ گھر کو روانہ ہوگیا. ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ اژدہا خونخوار نظر آیا کہ منتظر اذیت راہ میں بیٹھا ہے. وہاں سے ہراساں و ترساں واپس ہو کر اور اس کو تصرف فقیر کا متعین کر کے حاضر خدمت ہوا معذرت کرنے لگا. آنحضور نے بجہت دفاعفو تقصیر فرمایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تجھے مولا کے سپرد کیا. انشاء اللہ تا حیات یہ فقیر اور اولاد ایں فقیر تجھے اور تیری اولاد کو دور نہ کریں گے وہ قوال ہمیشہ حاضر رہتا اور بوقت ضرورت اپنی خوش بیانی سے حضرت کو خوش کرتا اور حضرت ادائے نماز اور حاجت روائی طالبان ہدایت ظاہری و باطنی کی فرماتے لیکن اکثر اوقات کیفیت سرمستی طاری رہا کرتی"

اس واقعہ کو لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ میں شیخ احمدین محمود نے یوں بیان کیا ہے[1]

"شیخ عبدالخالق اویسی در زمین ہانس پنجاب بکنار دریائے

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد دوم بحوالہ لطائف نفیسیہ. صفحہ ۳۷۶

بشیخ می ماند وحالت سکر و جذب دفنا بحدے بر وے غالب بود کہ نماز
ادا کردن نمی توانست چوں در صف نماز خواناں مے ایستادد
لفظ اللہ اکبر از زبان امام مے شنود بے ہوش می شد وہمچناں ایستادہ
مے ماند در رکوع وسجود وقعود وغیرہ افعال وارکین نماز از غایت
سکر از وے ادا نمی شدند چوں حالت سکر طول می کشید سرآئندگاں
را حاضر می آوردند وایشاں بیرون مسجد نشستہ سرود می کردند خواجہ
ازاں آواز سرود از حالت سکر وبے ہوشی در افاقت وصحو می آمد
وسوائے نماز ہم اگر لفظ اللہ یا آیتے از آیات قرآن می شنید
دبد ہوش می گشت چوں سرود می کردند خبرداری شد"[1]

ترجمہ۔ ہانسی (پنجاب) میں دریائے ستلج کے کنارے شیخ عبدالخالق اویسی رہتے ہیں۔ ان پر بھی عالم سکر و فنائیت اس درجہ غالب ہے کہ نماز ادا نہیں کر سکتے جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو امام کے تکبیر کہتے ہی بے ہوش ہو کر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ سجود و قعود وغیرہ رکن نماز ادا نہیں کر سکتے۔ جب امام و مقتدی نماز سے فارغ ہوتے ہیں اور گانے والے صحن مسجد میں بیٹھ کر گاتے ہیں۔ اور انکے کان میں سرود کی آواز پہنچتی ہے تو کچھ دیر کے بعد اس حالت میں فرق آنا شروع ہوتا ہے۔ بعض اوقات کئی کئی نمازوں میں برابر غفلت اور بے ہوشی طاری رہتی ہے نماز کے علاوہ بھی اگر صدائے اللہ اکبر یا کوئی آیہ قرآن سن لیتے ہیں تو فوراً از خود رفتہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جب نغمہ و سرود بجایا جاتا ہے۔ تو ہوش میں آتے ہیں"

شیخ احمد بن محمود نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "وہ[2] خود حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور ان کی زیارت کی ہے نیز ان کی زبان فیض ترجمان سے حضرت خواجہ اویس قرنی رضؓ سے فیضیاب ہونے کا تمام وکمال قصہ بھی سنا ہے۔ ان کے اوصاف

---

[1] حیات اویس ترجمہ لطائف نفیسیہ در فضائل اویسیہ صفحہ ۲۹

و مناقب بہت ہیں"

آپؒ کے ذوق سماع اور وجد وحال کی شہرت اہل علم تک پہنچی تو وہ بہت متعجب ہوئے کہ صاحب علم وفضل ہوتے ہوئے آپ اس غیر شرعی حرکت کے کیسے مرتکب ہو رہے ہیں. لاہور کے بعض علما نے جو آپ کے ہمدرس رہے تھے. یا جن کے آگے آپ نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا. یہ فیصلہ کیا کہ وہ آپ کے پاس جا کر آپ کو سماع کی بدعت سے باز رکھنے کی کوشش کریں یہ خبر جب آپ کو معلوم ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادگان کو طلب کرکے فرمایا کہ اس فقیر کو چارپائی پر ڈال کر لاہور لے چلو تاکہ سماع اور سرود کا جواز علمائے لاہور کی خدمت میں خود پیش کروں علمائے کرام یہاں آنے کی تکلیف نہ فرمائیں. آپ کے فرمان کے مطابق آپ کو لاہور پہنچایا گیا. لاہور کے علما جب آپ کے پاس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ آپ پر استغراق کا عالم طاری ہے. انہوں نے بطور امتحان ایک حجرہ میں پانی کا کوزہ اور قدرے طعام رکھ کر آپ کو اس میں مقفل کر دیا. تین روز تک آپ اس حجرے میں مقفل رہے. تین روز بعد جب حجرے کا دروازہ کھولا گیا تو آپ کو اسی حالت میں پایا گیا. پانی اور طعام جوں کا توں وہاں موجود تھا. علما کو خیال گذرا کہ شاید شیخ نے رحلت فرمائی. لہذا انہوں نے تجہیز و تکفین کرنے کا حکم دیا. اس پر حضرت کے جو رفیق ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا کہ اگر سماع کی اجازت دی جائے تو تمام حال آپ پر روشن ہو جائے گا علما نے اجازت دے دی لیکن اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ سرود کی آواز وہ نہ سن سکیں، مطربان پہلے ہی سے آپ کے ہمراہ تھے. اشارہ پاتے ہی انہوں نے گانا شروع کیا ادھر سرود کی آواز بلند ہوئی اور ادھر آپ کے جسم میں جنبش ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ اصل حالت میں آ گئے. جونہی آپ اصل حالت پر

ہے سوانحعمری خواجہ عبدالخالق رح. صفحہ ۲۰-۱۹

لوٹے آپ نے نماز کے لئے پانی طلب فرمایا اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا فرمائی جب علمائے کرام نے یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ بغیر نماز ولایت ناقص ہے۔ اور بجز سماع نماز ناممکن ہے اس طرح خواجہ عبدالخالق[2] علمائے لاہور سے اجازت سماع حاصل کر کے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وطن واپس لوٹ گئے۔[1]

---

[1] سماع کا مسئلہ متنازعہ فیہ ہے۔ اس کی حرمت و حلت پر مشائخ و عظام اور علمائے کرام کے درمیان مناظرے بھی ہوئے ہیں۔ لیکن اس تمام بحث و تمحیص کا حاصل یہی رہا ہے۔ کہ سماع ان آدمیوں پر حرام ہے جو خواہشات نفسانی سے مغلوب ہوں شرح بزدوی میں ہے کہ جس سماع سے ہمارے علما کو اختلاف ہے وہ لہو و بازی ہے۔ جس میں فاسق شراب نوش اور تارکان نماز جمع ہوں۔ لیکن اگر گانا سننے والا صالح ہے۔ نماز کا پابند ہے قرآن پڑھتا ہے۔ ورد ترک نہیں کرتا تو اس کے لئے حلال ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے بھی سماع کے جواز میں فتوے دیئے ہیں امام غزالی کا قول ہے۔ کہ جس نے سماع کا علی العموم انکار کیا اس نے بعض صحابہ و تابعین اور اولیاً سے انکار کیا۔

مشائخ متقدمین میں سے جن بزرگوں نے سماع کو مستحب قرار دیا اور گانا سنا ان میں حضرت جنید بغدادی۔ حضرت سری سقطی۔ حضرت ذوالنون مصری اور حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت خواجہ سلطان نظام الدین اولیا نے نہ صرف سماع کو باالالتزام جاری رکھا۔ بلکہ مخالفین سماع کو بھی اس کا قائل کیا۔ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی[2] سہروردیہ سلسلے کے ہندوستان میں سرخیل کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور سماع کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ان کے مہمان ہوئے تو انہوں نے ان کی خاطر سماع کا اہتمام کیا۔

مزامیر کی بابت مختلف آراء ہیں۔ بعض اس کو جائز نہیں سمجھتے لیکن دف بے جلاجل

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت خواجہ عبد الخالق جب تک حیات رہے وجد و سماع سے آپ کا تعلق منقطع نہیں ہوا. لیکن ساتھ ہی رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری رہا. آپ کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا. دور دراز سے لوگ آپ کی زیارت کو آتے اور دامن فیض سے وابستہ ہو کر بامراد واپس جاتے. یوں تو آپ کے حلقہ بگوشوں کی تعداد بے حد و حساب ہے. لیکن خلفائے مجاز تین حضرات ہوئے ہیں. ایک سید محمد عارف[۲] ساکن بریلی. دوسرے خواجہ محکم الدین سیرانی[۳] اور تیسرے میاں محرم[۴].

خواجہ صاحب فرمایا کرتے تھے.[۱] کہ فقیر نے تین چاول خرچ کئے ہیں. ایک چاول وانفِ معارف سید[۲] محمد عارف شاہ کو دیا جسے انہوں نے پکا لیا. ایک ایک چاول بھائی محکم الدین[۳] کو دیا جس سے انہوں نے پوری ایک دیگ تیار کر لی اور ایک چاول میاں محرم[۴] کو دیا لیکن وہ اسے محفوظ نہ رکھ سکا.

شائخ نے سنا ہے. بعض نے رباب بھی سنا ہے اور دف بے جلاجل بھی. خواجہ نقشبند کی مجلس میں رباب اور نے حاضر کئے گئے ہیں.

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رح فرماتے تھے. کہ منکران سماع کے معاملے میں ہمارا آخری جواب یہ ہے کہ یہ ہمارے پیروں کی سنت ہے اور ہم سنتے ہیں. تم کو انکار ہے تو تم نہ سنو بہر حال اتنی بات متفق علیہ ہے کہ وہ سماع حرام ہے جس میں فسق و فجور ہو اور اس کے صرف وہی اہل ہوتے ہیں جو اہل نفس و حظوظ میں سے نہیں ہیں.

[۱] سوانحعمری حضرت خواجہ عبد الخالق رح صفحہ ۲۱

[۲] سید محمد عارف شاہ بریلی کے رہنے والے تھے. حضرت خواجہ عبد الخالق کی شہرت سن کر بصد اشتیاق دور دراز کا سفر طے کر کے آپ کی خدمت میں آئے اور شرف بیعت حاصل کیا.

[۳] خواجہ محکم الدین سیرانی رح آپ کے چچازاد بھائی اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے. ان کے حالات علیحدہ ملاحظہ ہوں.

[۴] میاں محرم ماچھی قوم سے تعلق رکھتے تھے. شیخ کی نظر التفات نے مرتبۂ کمال کو پہنچایا. بعد میں

(باقی اگلے صفحے پر)

آپ کے علوئے مراتب اور روحانی عظمت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔ کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی رح کی مجلس میں خواجہ نور محمد مہاروی اور خواجہ محکم الدین سیرانی رح حاضر تھے۔ حضرت مولانا نے سیرانی صاحب کیطرف اشارہ کرکے فرمایا "آج کل یہ کس حال میں ہیں" قبلہ عالم نے کہا کہ حضرت یہ کنار دریا پھر رہے ہیں۔ انہیں پار لنگھا دیجئے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ حضرت خواجہ عبدالخالق رح کے ہوتے ہوئے انہیں کسی اور کی رہنمائی کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے"۔

حضرت خواجہ عبدالخالق کے تین فرزند تھے حضرت صالح محمد، حضرت ولی محمد اور حضرت قطب الدین تینوں کی بیعت اپنے والد گرامی سے تھی جنہوں نے فیض باطن سے ان کو مدارج بلند پر پہنچا دیا تھا۔ بڑے صاحبزادگان زراعت و کاشتکاری سے بھی شغف رکھتے تھے اور جو اراضی آپ کی ملکیہ تھیں ان کی دیکھ بھال ان کے ذمہ تھی۔ اسی کی آمدنی خانگی ضروریات کے علاوہ لنگر پر صرف ہوتی تھی۔ سب سے[1] چھوٹے صاحبزادے حضرت قطب الدین مادر زاد ولی تھے۔ صغر سنی سے ان کے خوارق عادات ظاہر ہونے لگے تھے۔ والد گرامی کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ ایک روز بحالت استماع جوش میں آکر پرواز فرما گئے اور لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے حضرت خواجہ آپ کے فراق میں انتہائی مضطر اور بیقرار رہا کرتے تھے۔ اور ایک ایک سے دریافت فرماتے تھے کہ میاں بناں (آپ پیار سے حضرت قطب الدین کو اسی نام سے پکارا کرتے تھے) کی سناؤ۔ وہ کس حال میں ہیں۔ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی رح شرف ملاقات کے لئے آتے تو ان سے بھی یہی سوال کرتے۔ آپ چونکہ حقیقت حال سے واقف ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ نے ایک دن فرما دیا کہ

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

کبر و غرور کے باعث معرفت کی تمام قوتیں سلب ہو گئیں۔ عفو تقصیر کے بعد روحانی طاقت پھر لوٹ آئی لیہ میں بمقام انار والا آپ کا مزار ہے۔

[1] سوانحعمری حضرت خواجہ عبدالخالق رح صفحہ ۳۱

"میاں بناں درجۂ قطبیت سے درجۂ ابدال کو پہنچ گئے ہیں۔ بعض اوقات اس فقیر سے بھی ملاقات ہوا کرتی ہے۔" ایک بار پھر جب حضرت خواجہ صاحب نے سیرانی صاحب سے یہ سوال کیا تو آپ نے بتایا کہ صاحبزادہ قطب الدین دارِ نا پائیدار کو ترک کرکے آرام گزین خلد بریں ہو گئے ہیں۔ حضور فاتحہ پڑھ لیں۔ یہ خبر آپ کو بہت شاق گذری اور ملول و مخزول رہنے لگے۔

لخت جگر کی مفارقت نے پہلے ہی آپ کو اس قدر بے قرار کر رکھا تھا کہ آپ کا دل کسی ایک مقام پر نہیں لگتا تھا۔ اور آپ مسلسل سفر میں رہتے تھے۔ جب یہ خبر وحشت اثر ملی تو اس وقت آپ دریائے گھارا کے پار کرم شاہ کے مقام پر اقامت فرما تھے۔ اس کے بعد یہاں سے رخصت ہو کر مغرب کی جانب خانقاہ پیر خالص سے تین میل کے فاصلے پر قیام فرمایا۔ لیکن دل وہاں بھی نہ لگا۔ بالآخر آپ شہر گوگیرہ میں وارد ہوئے۔ موسم سرما یہاں بسر فرمایا۔ لیکن جب موسم بہار قریب آیا اور فصل قابل کاشت ہوتی نظر آئی تو آپ نے پھر کوچ کا ارادہ کیا۔ صاحبزادگان اور متعلقین نے عرض کی کہ فصل ربیع تیار ہے۔ اگر حکم ہو تو اس سے استفادہ کے بعد رخصت ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس زرعی اراضی کو حکم ثمر نہیں۔ لہٰذا یہاں سے چلنا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ جب آپ بمع متعلقین وہاں سے رخصت ہوئے تو دریا میں بے موسمی طغیانی آئی اور تمام فصل غرقاب ہو گئی۔[1] اس کے بعد آپ نے دریائے گھارا عبور کرکے شہر رانہ دلّو سلیم شاہ کے جنوبی جانب ایک میل کے فاصلے پر لق و دق میدان میں خیمہ نصب کرکے شب گذاری۔ مسمی رانہ دلّو کو جب آپ کی آمد کا حال معلوم ہوا تو وہ زیارت کے لئے علی الصباح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شرف قدمبوسی کے بعد آپ کی دعوت کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے دعوت قبول فرما کر تین روز میں

---

[1] سوانحِ عمری صفحہ ۳۴

قیام کیا۔ جب آپ نے عزم سفر کیا تو رانہ ڈٹو نے حاضر خدمت ہو کر مستقل قیام کی استدعا کی۔ آپ راضی ہو گئے۔ رانہ ڈٹو نے از راہ عقیدت ایک ہزار بیگہ زمین آپ کی خدمت میں نذر کی تاکہ آپ کی ضروریات کی کفالت کا سامان ہو سکے۔ غرض اس کے بعد آپ نے علاقہ رانہ ڈٹو میں مستقل قیام فرمایا۔
صاحبزادگان نے زمین کی آبادی و زرخیزی میں پوری دلچسپی لی اور کنوئیں کھدوائے جس سے معقول آمدنی کی صورت پیدا ہو گئی۔

آخری عمر میں آپ دنیا سے بالکل بیگانہ ہو گئے تھے۔ ہر وقت مراقبہ میں رہتے لوگوں سے کم ملتے۔ کھانا بھی برائے نام کھاتے جس سے روز بروز کمزوری بڑھتی گئی آخر ۲۶ ر ذوالحجہ ۱۱۸۷ھ کو وہ تمام نعمت و امانت جو فیضان اویسیہ سے آپ کو حاصل ہوئی تھی اپنے خلف اکبر خواجہ صالح محمد کے سپرد کر کے دنیا سے کوچ کر گئے۔

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ اس وقت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے عرس میں شرکت کے لئے پاک پتن گئے ہوئے تھے۔ آپ نے جب یہ خبر سنی تو آپ وہاں سے فوراً روانہ ہو گئے۔ حضرت قبلۂ عالم نے جو اس موقع پر پاک پتن میں ہی تھے۔ آپ کو روکا بھی کہ جو واقعہ ہونا تھا۔ وہ تو ہو چکا اب عرس میں شرکت کے بعد یہاں سے جائیں۔ لیکن آپ نے جواب دیا کہ صاحب مزار سے تو ملاقات ہو چکی اب قیام کی کیا ضرورت ہے۔ غرض آپ وہاں سے رخصت ہو کر سیدھے مزار مبارک پر پہنچے اور بعد فاتحہ صاحبزادگان سے ملے اگلے دن آپ نے اپنے دست مبارک سے حضرت خواجہ کے بڑے فرزند خواجہ صالح محمد کی دستار بندی فرمائی۔

آپ کی خانقاہ پہلے بستی محب پور ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں بنائی گئی لیکن دریا کی طغیانی کی وجہ سے آپ کا جسد مبارک وہاں سے نکال کر تحصیل میلسی کی ایک بستی بڈھی میں لایا گیا۔ اور پھر وہاں سے لا کر موجودہ مقام پر جو بخشن

خاں[1] کے نام سے مشہور ہے دفن کیا گیا۔

۲۵۔ ۲۶ ذوالحجہ کو آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ اور کثیر تعداد میں معتقدین و متوسلین دور دراز سے آکر اس میں شرکت کرتے ہیں۔ اس وقت آپ کے سجادہ نشین حضرت خواجہ صالح محمد اویسی ہیں جو اپنی نیک نفسی اور زہد و عبادت کی وجہ سے ہزاروں لوگوں کی عقیدت کا مرکز ہیں۔

حضرت سلطان بالا دین اویسیؒ

حضرت خواجہ عبدالخالق اویسی قدس سرہٗ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے خواجہ صالح محمد اویسیؒ کو خلافت ملی تھی۔ حضرت خواجہ صالح محمد نے اگرچہ فیض روحانی حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی قدس سرہٗ سے حاصل کیا تھا۔ لیکن خلافت کی گدی اپنے والد بزرگوار کی ہی سنبھالی تھی۔ ان کے بعد بھی خلافت کا یہ سلسلہ ان کی اولاد میں ہی چلتا رہا۔ چنانچہ خواجہ صالح محمد کے بیٹے حضرت سلطان بالا دین اپنے والد کی گدی پر بیٹھے۔ آپ بے حد عبادت گذار تھے۔ اور حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا۔

۱۲۴۱ھ میں آپ نے وفات پائی۔ شہاب الدین اور غلام اویس آپ کے فرزندان تھے۔ یہی نام اب بھی اس خاندان میں چل رہے ہیں۔ موجودہ سجادہ نشین خواجہ صالح محمد اویسی کے فرزندان کے نام بھی شہاب الدین اور غلام اویس ہیں۔

---

[1] یہ بستی چشتیاں اور حاصل پور کے درمیان شمال کی جانب ہے۔ اس نام کا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ ریلوے اسٹیشن سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر آپ کی خانقاہ ہے۔ خانقاہ بڑی پُر وقار ہے۔ نواب بہاول خاں ثالث کے وزیر میاں محمد یعقوب خاں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ ساتھ ہی مجلس خانہ ہے۔ جس کی تعمیر کے مصارف خود نواب صاحب نے ادا کئے تھے خانقاہ اور مجلس خانہ کے متصل ایک عالیشان مسجد ہے جس کی توسیع موجودہ سجادہ نشین حضرت خواجہ صالح محمد اویسی کی مرہون منت ہے۔
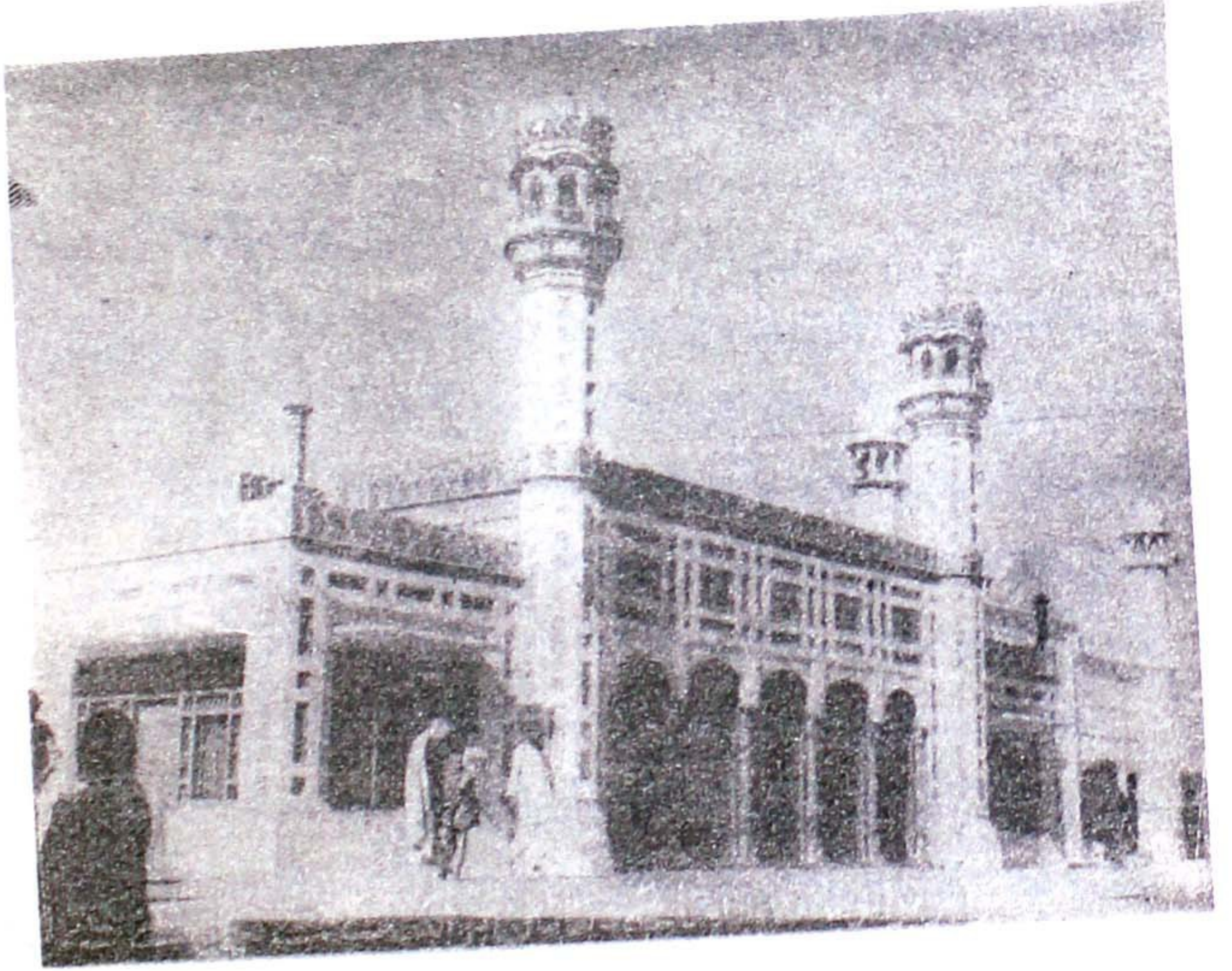
مزار حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ خانقاہ شریف (دسمہ سٹہ)

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ

بہاولپور میں خانوادۂ اویسیہ کے دوسرے جلیل القدر بزرگ جن کے باطنی کمالات علمی فضائل اور روحانی فیوض سے بہاولپور ہی نہیں پورا برصغیر پاک و ہند فیض یاب ہوا۔ اور جن کی آخری آرام گاہ کا شرف بھی سرزمین بہاول پور کو حاصل ہے وہ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات با برکات ہے۔ جنہیں صاحب اسیر اور سیرانی بادشاہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ پیر عبدالخالق اویسی کے چچازاد بھائی اور ان کے ہی تربیت یافتہ تھے خزینۃ الاصفیا میں درج ہے۔[1]

"شیخ محکم الدین صاحب السیر اویسی بن حافظ محمد عارف، بن حافظ محمود قدس سرہ مشائخ اعظم وکبرائے خلفائے خاندان

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۳۷۷

عالیشان اویسیہ و مرید و خلیفہ برادر عم زاد شیخ عبدالخالق اویسی
است . فائدہ کثیر از روشن ضمیر خود حاصل کرد و صاحب وجد
و سماع و حالت سکر و شوق و ذوق و محبت و عشق گردید اکثر اوقات
در جذب و سکر گذارنیدے و استغراق و بے خبرے بحدے کمال داشت
و در اقلیم روئے زمین سیر کرد و از غایت سیر و سیاحت بسیار مخاطب
بخطاب صاحب السیر گشت "

ترجمہ ۔ "شیخ محکم الدین صاحب السیر اویسی بن حافظ محمد عارف بن حافظ محمود
قدس سرہٗ مشائخ اعظم و کبرائے خلفائے خاندان عالیشان اویسیہ سے ہیں اور مرید
و خلیفہ اپنے چچا زاد بھائی شیخ عبدالخالق اویسی کے ہیں ۔ اور پیر روشن ضمیر سے فائدہ
کثیر حاصل کیا ہے ۔ صاحب وجد و سماع و سکر و شوق و ذوق و محبت و عشق تھے
اور اکثر اوقات جذب و سکر میں گذارتے تھے ۔ استغراق و بے خبری کمال درجہ
کی رکھتے تھے ۔ اور کافی سیر و سیاحت کرنے کی وجہ سے صاحب السیر کے خطاب
سے مخاطب کئے جاتے تھے "[1]

آپ کی ذات کھرل اور وطن بستی گوگیرہ ہے ۔ ولادت کی صحیح تاریخ کسی
تذکرہ میں درج نہیں ہے تاہم "ذکر خیر" کے مصنف نے اس کا تعین اس طرح کیا ہے[1]

"حضرت سجادہ نشین صاحب اور دیگر سن رسیدہ اصحاب
نے حضرت کی عمر مبارک ساٹھ برس کے قریب بتلائی ہے ۔ اگر
اس عمر کو مد نظر رکھ لیا جائے اور تاریخ رحلت ۱۱۹۷ھ کو مد نظر
رکھ لیا جائے تو سن ولادت قریب قریب ۱۱۳۷ھ کے ہوتا ہے "

"ذکر خیر" میں مزید درج ہے[2]

---

[1] ذکر خیر مولفہ مولینا عزیز الرحمٰن مرحوم صفحہ ۱۷

[2] ذکر خیر مولفہ مولینا عزیز الرحمٰن مرحوم صفحہ ۱۷

"حضرت قبلۂ عالم مہاروی علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ
محکم دین اور میں اکٹھے پڑھا کرتے تھے۔ محکم دین مجھ سے عمر
میں بڑا تھا۔ چونکہ حضرت مہاروی کا انتقال ۶۳ سال کی عمر
میں ۳؍ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ کو ہوا اور ولادت ۱۴؍ رمضان المبارک
۱۱۴۳ھ کو ہوئی تھی تو اس لحاظ سے بھی قریباً پانچ سات
سال ان سے عمر میں بڑے ہونے کی صورت میں ۱۱۳۵ھ کے
قریب سن ولادت قیاس کیا جا سکتا ہے"۔

تعجب ہے کہ لطائف سیریہ میں بھی جو حضرت سیرانی کے حالات کے
سلسلے میں سب سے زیادہ مستند کتاب تصور کی جاتی ہے۔ آپ کا سن ولادت
نہیں دیا گیا۔ بہرحال اس کی عدم موجودگی میں مولانا عزیز الرحمٰن نے جو اصول وضع
کرکے آپ کی تاریخ ولادت کا تعین کیا ہے وہ کافی حد تک درست معلوم ہوتا
ہے۔

حضرت محکم الدین نے اس زمانے کے معمول کے مطابق پہلے قرآن
حکیم پڑھا اور چھوٹی عمر میں ہی کافی معیاری کتابوں کا دور ختم کر لیا۔ لطائف سیریہ
میں ہے کہ[1]

"آں سید الطریقہ در کسب علوم از ہنگام شروع قاعدہ
قرانی تا رسیدن بشرح عقائد علامہ تفتازانی کہ من ایشاں دراں
وقت بہ شانزدہ سالگی رسیدہ باشد"۔

یعنی آپ نے ۱۶ سال کی عمر میں شرح عقائد تفتازانی تک کی کتابیں پڑھ
لی تھیں اس کے بعد آپ قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی کے ہمراہ مزید تحصیل
علم کے لئے لاہور تشریف لے گئے یہ دونوں بچپن کے ساتھی تھے۔ لاہور پہنچے تو

[1] لطائف سیریہ صفحہ نمبر ۲۴

خالی ہاتھ تھے۔ گذراوقات کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ آخر دونوں نے طے کیا کہ رات کو تعلیم سے جو وقت بچے گا۔ وہ گداگری میں صرف کریں گے۔ چنانچہ دن کو فقہ و حدیث کا درس لیتے اور رات کو فقیروں کا بھیس بدل کر تماشائے اہل کرم دیکھتے،

کچھ دن بعد قبلۂ عالم تو دہلی تشریف لے گئے جہاں انہوں نے حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی اور خواجہ محکم الدین سیرانی اپنے چچا زاد بھائی خواجہ عبدالخالق کی خدمت میں آگئے اور وہاں منازل سلوک طے کیں

ایک روایت یہ بھی ہے[1]۔ کہ آپ نے تعلیم کا زمانہ اپنے بھائی حضرت خواجہ عبدالخالق رح کے ہمراہ دہلی میں گذارا اور حضرت مولانا فخر جہاں دہلوی رح سے استفادۂ علمی کیا۔ چونکہ حضرت فخر جہاں اس دور میں استاذالاساتذہ سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کے علم و فضل کی سارے ہندوستان میں دھوم تھی اس لئے حضرت خواجہ عبدالخالق اور حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی کا ان کے درس میں شریک ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔ لیکن یہ بات پھر بھی تشنہ رہ جاتی ہے کہ یہ حضرت قبلۂ عالم سے پہلے دہلی میں آئے یا بعد میں۔ یا تینوں نے ایک ساتھ اس شمع علم سے اکتساب نور کیا۔ تعجب ہے کہ جس طرح حضرت قبلۂ عالم کے ساتھ حضرت سیرانی کے لاہور میں تحصیل علم کے لئے جانے کا واقعہ مختلف تذکروں میں ملتا ہے۔ حضرت فخر جہاں کے ہاں ان کے شریک درس ہونے کی روایت کسی نے بیان نہیں کی۔ خود قبلۂ عالم کے ملفوظات میں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ملتی ہے۔ کہ ایک بار قبلۂ عالم نے حضرت سیرانی کے متعلق مولانا فخر جہاں سے کہا کہ یہ کنار دریا پھر رہے ہیں انہیں پار لنگھا دیجئے تو انہوں نے فرمایا کہ خواجہ عبدالخالق کے ہوتے ہوئے انہیں کسی اور کی رہنمائی کی کیا ضرورت ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سیرانی کی آمد و رفت حضرت مولانا فخر جہاں کے ہاں تھی اور وہ حضرت خواجہ عبدالخالق رح کے احوال سے بھی بخوبی واقف تھے۔

---

[1] ذکر خیر صفحہ ۱۷

ایک اور روایت جس سے حضرت سیرانیؒ کی اس وقت دہلی میں موجودگی کا پتہ چلتا ہے جب قبلۂ عالم سلوک کے مراحل طے کر کے دہلی سے رخصت ہونے والے تھے۔ لطائف سیریہ میں اس طرح درج ہے[1]

"چوں حضرت مہاروی قدس سرہٗ استفادۂ طریقت تمام نمودہ از جناب قبلہ مولوی صاحب از دہلی رخصت روانگی بایں دیار طلبید درعین وقت رخصت مولوی صاحب فرمودند کہ امروز توقف کن یک کار ماندہ فردا روانہ خواہی شد امر بجا آوردند بس فرمودند کہ بعد از نماز مغرب در فلاں محلہ رفتہ در فلاں جا مزار مظہر اسرار یکے از افراد اخفیاً است کہ کسے دیگر را معلوم نیست شرف زیارت حاصل نما پس نماز مغرب خواندہ تنہا بآنجا رفتند دیدند کہ شخصے دیگر بیش از ایشاں بر مزار مذکور ایستادہ است دیدند ہر چند کہ سعی نمودند ملازم شدن او نتوانستند آخر زیارت نمودہ و دعاء مطالب طلبیدہ باز بخدمت مولوی صاحب قدس سرہٗ رسیدند بتمام تعجب معاملہ مذکورہ سرمو بخدمت عرض نمودند حضرت مولوی صاحب چوں تمام قصہ را شنیدند ساعی تامل نمودہ فرمودند کہ آں شخص حضرت سیرانی بادشاہ محکم الدین قدس سرہٗ باشد دیگر کسے را طاقت نیست کہ بایں چنیں اسرار راہ یافتہ باشد"

ترجمہ۔ جب حضرت مہاروی قدس سرہٗ طریقت کی تعلیم مکمل کر چکے۔ اور حضرت مولوی صاحب (فخر جہاں دہلویؒ) سے وطن جانے کے لئے رخصت کے طالب ہوئے تو انہوں نے ایک دن مزید قیام کا حکم دیا اور نماز مغرب کے بعد فرمایا فلاں محلہ میں ایک مخفی بزرگ کا مزار ہے۔ اس پر جا کر زیارت اور حصول سعادت

---

[1] لطائف سیریہ صفحہ ۲۵-۲۴

کا شرف حاصل کرد. اس بزرگ کا حال کسی کو معلوم نہیں ہے. چنانچہ حضرت مہاروی علیہ الرحمتہ نماز مغرب پڑھنے کے بعد تنہا وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں پہلے سے کوئی صاحب موجود ہیں بڑا تعجب ہوا. ان کی طرف مصافحہ کے لئے بڑھے وہ دوسری طرف چلے گئے ہر چند کوشش کی انہیں دیکھ سکوں لیکن وہ سامنے نہیں آئے. آخر زیارت و فاتحہ کے بعد میں واپس آگیا. اور سارا ماجرا مولوی صاحب سے بیان کیا. حضرت مولوی صاحب نے سارا قصہ سن کر تامل فرمایا کہ یہ شخص سوائے محکم الدین سیرانی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا جو ایسے بھیدوں سے واقف ہو؛"

اس روایت سے جہاں حضرت صاحب الکبیر علوئے مراتب کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں حضرت خواجہ فخر جہاں رح کے ہاں ہی نہیں بلکہ آپ کی آمدورفت دیگر مقامات پر بھی تھی. اور آپ دہلی کے مزارات اولیاء اللہ سے بھی اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت سیرانی رح بسلسلۂ تعلیم دہلی میں مقیم رہے تھے اس لئے اردو زبان بولتے تھے. لیکن دہلی میں بسلسلۂ تعلیم و تربیت تو حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رح کا قیام بھی رہا تھا اور وہ اردو کے بجائے اپنی مادری زبان ہی بولتے تھے لہذا مجرد دہلی میں رہنے کی وجہ سے آپ کے اردو بولنے کی توجیہ کرنا درست نہیں واقعہ یہ ہے کہ آپ کی عمر کا زیادہ حصہ سفر میں گذرا اور سفر بھی زیادہ تر ہندوستان کے ان علاقوں کا کیا جہاں اردو بولی جاتی تھی. یقیناً دہلی میں بھی آپ کی آمدورفت اکثر رہتی تھی اور چونکہ دوران سفر آپ کو اردو بولنے والوں سے واسطہ پڑتا تھا. اس لئے اردو کو ہی آپ نے اپنا لیا تھا. یا مسلسل و متواتر بولنے سے اردو آپ کی زبان پر اس طرح چڑھ گئی تھی کہ آپ اپنی زبان ہی بھول گئے تھے. علاوہ ازیں اس سے آپ کی اردو کے ساتھ رغبت کا ثبوت بھی ملتا ہے. چونکہ اس زمانہ میں اردو پڑھے لکھے لوگوں کی زبان سمجھی جاتی تھی اور اہل علم نکاتِ علمی کا اظہار اسی زبان میں کرتے تھے. اس لئے اس زبان سے

آپ کی دلچسپی پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ ویسے بھی آپ ہمیشہ علماء کی مجالس میں شریک ہوتے اور علمی مباحث میں حصہ لیتے تھے جہاں ظاہر ہے کہ ذریعۂ اظہار اردو ہی ہوتا ہوگا۔ بہرکیف آپ آخری عمر تک یہاں تک کہ اپنے وطن میں بھی اردو بولتے رہے اگر کوئی دوسری زبان بولتا تو آپ اس کا جواب اردو ہی میں دیتے

آپ کا لباس بھی زیادہ تر ہندوستانی وضع کا ہوتا تھا۔ سر پہ صافہ باندھتے اور کبھی کبھی کلاہ قادری بھی اوڑھتے۔ آپ نے قول و عمل میں خود کو حضرت خواجہ اویس قرنی رض اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا نمونہ بنایا ہوا تھا۔ اور ان نفوس قدسی کی طرح انتہائی سادہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ سفر[1] میں آپ مٹی کا کوزہ رسّی۔ مصلّی۔ مسواک اور سرمہ، کنگھی اپنے پاس رکھتے تھے۔ قلت طعام۔ قلت منام اور قلت کلام آپ کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔ انانیت و تکبر نام کو نہ تھا۔ ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے اور کسی کی دل آزاری نہ کرتے۔ سنت نبوی کا بےحد پاس تھا۔ روپے پیسے سے قطعی دلچسپی نہ تھی۔ اور زیورات خواہ سونے کے ہوں یا چاندی کے انہیں ہاتھ تک نہ لگاتے تھے۔

سیر و سیاحت کے علاوہ حج کی سعادت سے بھی کئی بار مشرف ہوئے تھے اس زمانے میں آج جیسی سفر کی سہولتیں میسّر نہ تھیں اور لوگ عموماً قافلوں کی صورت میں حج بیت اللہ کو جاتے تھے لہٰذا آپ نے ہر بار پیدل اور تنہا سفر کیا۔

آپ نے شادی نہیں کی اس لئے کوئی اولاد بھی آپ کی نہ تھی۔ بھتیجی اور بھتیجوں کی اولاد آپ کی وارث و جانشین بنی۔ اپنے تجرد کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے[2]

"برفقیر از تجرید و بے تعلقی و وحشت و تفرید در اوائل عمر چناں حال بود کہ اگر فقیر از تاب آفتاب بسوئے درختے میل رفتن

---

[1] لطائف سیریہ صفحہ ۴۔ [2] لطائف سیریہ صفحہ ۱۱۰

میکرد درخت ازمن میگریخت"۔

یعنی بے تعلقی کا یہ عالم تھا۔ کہ اگر آپ دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے درخت کے سائے میں بیٹھنا چاہتے تو درخت بھی وحشت کا سامان پیدا کرتا۔ اور آپ اس سے متمتع نہ ہو سکتے۔

حضرت خواجہ محکم الدین نے سلوک کی منازل اپنے چچا زاد بھائی حضرت خواجہ عبدالخالق رح کی خدمت میں رہ کر تہیہ کیں اور ان سے ہی خلافت و اجازت بیعت حاصل کی۔ چونکہ خواجہ عبدالخالق علیہ الرحمۃ خود صاحب وجد و سماع تھے اور جذب و کیف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے مرشد کا رنگ مرید پر بھی چڑھا۔ آپ نے اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق سخت سے سخت ریاضتیں کیں اور تزکیۂ نفس کی تدبیر کی۔ آپ کی ابتدائی ریاضت اور اس کے خاطر خواہ نتائج کا حال خزینۃ الاصفیا میں اسطرح درج ہے[1]

"چوں خواجہ عبدالخالق شیخ محکم الدین را مرید کرد فرمود کہ بر مزار دیوان مشائخ چاولیا[2] کہ از اولیائے متقدمین و مشائخ روئے زمین است روضۂ مطہرہ دے در آں سرزمین زیارت گاہ خلق است رفتہ معتکف باش کشائش کار تو بوقوع آید پس شیخ حسب الارشاد پیر دستگیر بر روضۂ مطہرۂ شیخ چاولی رفتہ معتکف شد و تا چہل روز بے خورد خواب در انجا بحالت صوم بعبادت حق گذرانید و بکمالات رسیدہ و چوں از خلوت بیرون آمد خواست کہ روزہ افطار کند خاطر فیض اثر بمیوہ کنار کہ بہندی بیر گویند رغبت کرد و نی الحال شخصے سفید پوش دوش بدوش شیخ از غیب نمودار شد و چند دانہ کنار حاضر ساخت و گفت کہ بدیں میوہ افطار

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۳۷۷، ۳۷۸

[2] شیخ چاولیا اولیائے متقدمین میں سے ہیں۔ آپ راجہ مہیپال کے بیٹے تھے جو ابتدائے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نمود و دراںجا روانہ شد حاضر خدمت خواجہ گشت ہنوز نوبت اظہار
حال و گفتگو نرسید بود کہ خواجہ بسوئے شیخ مخاطب شد و فرمود
کہ چوں خاطر بکنار راغب شد خضر علیہ السلام از حق مامور گردید
کہ از درخت سدرۃ المنتہیٰ دانہ کنار بمراد افطار تو حاضر کند پس
خضر تعمیل حکم کرد"؛

ترجمہ۔ خواجہ عبدالخالقؒ نے شیخ محکم الدین سیرانی کو مرید کرنے کے بعد فرمایا کہ مزار دیوان مشائخ چاولیا پر جو اولیائے متقدمین و مشائخ سے ہیں اور جنکا روضہ زیارت گاہ خلق ہے جا کر معتکف ہو۔ دلی منشا وقوع پذیر ہوگا۔ چنانچہ پیر روشن ضمیر کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ چاولی کے مزار پر جا کر اعتکاف کیا اور ایک چلہ بے خورد خواب اور روزہ و عبادتِ حق کی حالت میں گذارا۔ جب خلوت سے باہر آئے تو دل میں خواہش ہوئی کہ میوۂ کنار سے جسے ہندی میں بیر کہتے ہیں روزہ افطار کریں۔ اسی وقت ایک شخص جو سفید لباس میں تھا ظاہر ہوا اور اس نے بیر کے چند دانے پیش کر کے کہا کہ ان سے روزہ کھولو اور یہاں سے چلے جاؤ کیونکہ تمہارا مقصد پورا ہوگیا۔ آپ نے روزہ کھولا اور وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مرشد کی خدمت میں

اشاعت اسلام کے وقت ملتان اور اس کے نواح کا حکمران تھا۔ مہپال کا ایک بیٹا رائے چاؤ اور ایک بیٹی کنگن برس تھی۔ اس کے نام کا ایک قصبہ کنگن پور اب تک تحصیل چونیاں میں موجود ہے۔ اسلامی لشکر نے جب پہلے پہل یورش کی تو اس وقت مہپال کی حکومت ملتان کے علاقہ میں قائم تھی۔ بعد میں یہ تاراج ہوگیا اور اس کا بیٹا چاؤ جو ابھی نوعمر ہی تھا۔ مسلمان ہوگیا۔ اور فقیری اختیار کر کے روحانی تعلیم میں مصروف ہوگیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں روحانیت کے ایسے ممتاز مقام پر پہنچ گیا کہ ہزاروں اس کے نور باطن سے فیضیاب ہوئے اور مرتبۂ کمال کو پہنچے۔

آپ کی وفات ۱۳۱ھ میں بتائی جاتی ہے۔ مزار بوریوالہ ضلع ملتان سے گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ جگہ دیوان چاولی مشائخ کے نام سے ہی مشہور ہے۔

حاضر ہوئے۔ ابھی زبان سے صورت حال بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ شیخ نے آپ کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تمہارا دل میوۂ کنار کو چاہتا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوئے تھے کہ سدرۃ المنتہیٰ سے تمہارے لئے دانۂ کنار افطار کرنے کے لئے لاکر پیش کریں۔ چنانچہ خضر نے تعمیل حکم کی:"

مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو محنت شاقہ اور مجاہدۂ نفس کیا تھا۔ اس کا آپ کو حسب دلخواہ ثمر ملا۔ کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ محکم الدین کو دوران چلّہ کشی "قل سیروا فی الارض" کا اشارہ ملا تھا۔ اس لئے آپ نے سیر و سیاحت کو اپنی زندگی کا معمول بنا لیا تھا۔ اور آپ مسلسل و متواتر سفر میں رہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ صاحب السیر اور سیرانی بادشاہ کے القاب سے ملقب ہوئے۔ سفر کے مقامات بہاولپور۔ ملتان اور ڈیرہ جات کے علاوہ سندھ۔ جیسلمیر۔ کاٹھیاواڑ اور دہلی رہے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے حج بھی کئی بار کیا۔

دراصل یہ سفر بھی سلوک کی منازل کا ایک حصہ تھا۔ جو صعوبتوں اور مشکلات سے خالی نہ تھا۔ لیکن خواجہ صاحب نے اسے بڑی خوبی سے طے کیا۔ اور کبھی اس راہ میں تکدر محسوس نہیں ہوا۔ بقول حضرت قبلۂ عالمؒ آپ کو عرفان کی منازل طے کرنے میں کبھی حالت انقباض سے واسطہ نہیں پڑا۔[۱]

خواجہ محکم الدین سیرانی کا زمانہ اگرچہ سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کا دورِ انحطاط تھا لیکن علمی اعتبار سے اسے بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس زمانہ میں ایسی متعدد علمی شخصیتیں موجود تھیں جو مسلمانوں کی اصلاح احوال کے سلسلے میں علمی سطح پر کام کر رہی تھیں۔ حضرت مولانا فخر جہاں دہلویؒ کا تو پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے ان کے دوش بدوش مرکز علم و فضل دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مولانا شاہ عبدالعزیزؒ بھی رونق افروز تھے۔ اور ان کی مجالس میں علم کی جو شمعیں روشن تھیں ان

---

[۱] لطائف سبز صفحہ ۲۱ (یہ کتاب خواجہ صاحب کے مرید خلیفہ مولانا علی مردان ملتانی المتوفی ۱۲۸۲ھ نے مرتب کی تھی

سے ایک زمانہ فیضیاب ہو رہا تھا۔ اگر اس دور میں کوئی شخص محض کرامات اور خوارق کے زور پر عوام الناس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا تو شاید علم وفضل کے ان آفتاب و مہتاب کے آگے اس کا چراغ مشکل ہی سے جلتا۔ اس وقت جہاں لوگوں کو روحانی تسکین کی ضرورت تھی وہاں مسائل کا علمی حل بھی ضروری تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن بزرگوں کو اس دور میں مقبولیت حاصل ہوئی وہ بیک وقت ظاہری و باطنی علوم کے ماہر تھے۔ خواجہ صاحب بھی لوگوں کو سلوک وطریقت کا راستہ ہی نہیں دکھاتے تھے ان کی علمی تشنگی دور کرنے کا بھی سامان کرتے تھے لطائف سیریہ میں آپ کے درس و تدریس کا حال جستہ جستہ ملتا ہے ایک جگہ لکھا ہے کہ[۵] "مولوی محمد صاحب کوٹ مٹھن والے جو بہاولپور کے مدرسہ عربیہ میں پڑھاکرتے تھے شرح عقائد نسفی کے بعض مشکل مقامات حل کرنے آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے۔ اسی طرح حکیم غلام مرتضےٰ صاحب کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ وہ شرح چغمینی کے اسباق آپ سے پڑھا کرتے تھے۔

آپ کی ایک علمی یادگار رسالہ "شرح رموزات احسن الاسرار الموسوم بہ "تلقین لدنی" بھی ہے جس میں آپ نے شریعت۔ طریقت۔ حقیقت اور معرفت پر بحث کی ہے اور بڑے دلنشیں پیرائے میں ان موضوعات کی جداجدا اہمیت و ماہیت بیان کی ہے یہ رسالہ جواب تقریباً ناپید ہے۔ ابوالعلائی اسٹیم پریس آگرہ میں چھپا تھا تاریخ طباعت اس پر درج نہیں تاہم ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت خواجہ صاحب کی وفات کے بعد طبع ہوا ہے۔ رسالہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

"الحمدللہ علی صانع القدرت وتحیات علی رافع العزت و
الثنا علی مبین الکثرت والاستعانت علی صاحب الضعت والعبودیت
علی صانع الحکمتہ والحضوریت علی کاشف النعت والصلوٰۃ علیٰ

[۵] لطائف سیریہ صفحہ ۱۱۶-۱۱۲

محب الواحدنیت والاعتقاد علیٰ صاحب الوسیلہ" والرحمۃ علیٰ ہادی العصمت والسکون علیٰ صاحب العظمۃ والطوبیٰ علیٰ صاحب الصلاحیۃ والکبریاءٗ بعد ہذا قول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بعد اقوال رموزات احسن الاسرار سمی ہذا لرسالۃ رموزات آغاز بر چہار منزل شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت شریعت بمعنی تقویٰ شروع کردن یعنی رجوع بسوئے حق سبحانہ تعالیٰ نمودن چنانچہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند برآں راسخ بودن وسرموئے تفاوت وتجاوز ناکردن فرمودۂ آں سرور پنج چیز است اول کلمہ طیبہ گفتن دوم نماز پنجوقت گذاردن۔ سیوم روزہ داشتن چہارم زکواۃ مال دادن پنجم بہ حج رفتن برایں شاہد است بنیٰ الاسلام علیٰ خمسۃ الاشیاء چوں ایں پنج بجا آورد باید کہ ہیتش وحقیقتش مقید ومحرم وواقف باشد آنزمان مسلماں گردد وماہیتش بیان کردہ باشد"

پھر ان پانچوں ارکان کی اس طرح تشریح کی گئی ہے۔

"رموز اول در بیان کلمہ گفتن یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اگر طالب صادق باشد بگفتن لا الہ الا اللہ مقصودش دریا بد چناں دریا بد کہ دُریا بد کہ ید نہ بدُ بیت

عجب بدبودن معبود نابود عجب شد مظہر ہاست وہم نیست

ازیں جا است کہ حضرت شمس الدین تبریزؒ فرمودہ اند۔

فنا اندر فنا یعنی فنا ہست بقا اندر بقا یعنی بقا ہست

چوں سالک تا اینجا سیر کند یعنی دریں مقام رسد قولہ تعالیٰ یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی دیراکشف شود واز فنا بمقام بقا آید۔

"رموز دوم در نماز گذاردن فرض عین است وگذاردن بادل وجان عین فرض است باید کہ اگر نماز برہا بگذارد اسلام عین

است و گذاردن ہم بادل و جان فرض عین است و اگر نماز برہا بگذارد اسلام عین است و اگر باریا بگذارد کفر عین است و گذارد نش فرض عین است باید کہ نماز برہا بگذارد چناں بگذارد ازیں جا است کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود حدیث من اراد العبادۃ بعدہ الوصول فقد اشرک باللہ ہر کہ ایں چنیں نماز ادا کند قولہ تعالیٰ واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین ویرا کشف شود آں زماں مصلی مسلم گردد و نمازش قبول افتد چوں قبولش افتد اضا فتش افتاد چوں اضافتش افتاد ماہیت معین عبد و رب یافت بہ تمثیل برف و آب دراں وقت رفت سالک سیراب گشت ازینجا است کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمودہ حدیث من عرف نفسہ فقد عرف ربہٗ چوں سالک دریں مقام رسد شراب لذت و حدیث چشید آں زماں معنی اللہ لا الہ اللہ ہو وی را کشف گشت۔۔

"رموز سویم در روزہ داشتن معلوم شد کہ روزہ بمعنی راز است زکردہن بستن راز است ازینجا است کہ گفت صوموا برویتہ وانطروا برتیہ بدانکہ روزہ داشتن فرض عین است یعنی داشتن خود عین است آرے آرے ہمیں طور است آمنا وصدقنا ہر کہ خود را داشت عینش یافت آنزماں بعین خود دید کہ مین بعین ازینجا است کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند کہ من ارانی رای الحق بزبان حال گفت۔ بیت

گر چوں او عین من من عین اویم	انا الحق چوں نگویم چوں نگویم

ازینجاست کہ حضرت خاتم النبیینؐ فرمودہ رایت ربی بربی چوں سالک دریں مقام رسید معنی اللہ نور السموات الارض ویرا کشف گشت۔

"رموز چہارم در زکواۃ دادن بدانکہ زکواۃ دادن فرض است یعنی دادن خود فرض است یعنی خود فرض است قولہ تعالیٰ ان اللہ

مع المتقین آرے ہمیں طور است ہر کہ خود را داد خدا را یافت ازینجا
است کہ گفت نا یافتن خود یافتن اوست و نا دیدن خود دیدن اوست
تا آنکہ سالک خود را از خودی برندارد خدا را برندارد اگرچہ زاہد ہچوں
پریاں و دنیا دار چوں قارون باشد ازیں جا است کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ
علیہ وسلم اشارت فرمودہ اند کہ حدیث حب الوطن من الایمان حب الدنیا
راس کل خطیئۃ و ترک الدنیا راس کل عبادۃ ۔

چوں سالک تا اینجا سیر کند آں کلی تفرقہ خود را سیر کند آں زمان انما الحکم الہ واحد
لا الہ الا ہو الرحمن الرحیم دیرا کشف شود ۔

"رموز ہیجم حج رفتن فرض است یعنی خود رفتن فرض است آرے ہمیں
طور است و در رفتن خود خدائیست و در رفتن بیخودی خدائیست کہ جدائی خود نمائی است و آنجا
کہ خود نمائی آمد خدائی است آنجا کہ خدائی است بے نمائی است آنجا کہ بے نمائی
است خدائی است ایں برائے ایں نازل شدہ است قولہ تعالیٰ من کان فی ہٰذہ اعمیٰ فہو فی
الاخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا پس کارے بکند کہ یارے نکند آزماں حج رفتن راست آید
و مقصودش راست چوں سالک تا اینجا سیر کند آں وقت اینما تولّوا فثم وجہ اللہ
کشف گردد"۔

حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی رح کے متعلق عموماً یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ آپ
ہر وقت وجد و حال کی کیفیت میں مبتلا رہتے تھے ۔ گویا دنیا و مافیہا سے بیگانہ تھے
یہ بات بالکل غلط ہے ۔ آپ صاحب جذب بزرگ ضرور تھے لیکن جذب و کیف
کی روحانی دولت سے مالا مال ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحب بصیرت اور
نکتہ رس عالم بھی تھے ۔ آپ کی گفتگو قرآن و حدیث سے سرمو متجاوز نہیں ہوتی تھی
خود بھی پابند شرع تھے اور دوسروں کو بھی سنت نبوی ﷺ کی پیروی کی تلقین فرماتے
تھے ۔ لطائف سیریہ میں ہے[1]

---

[1] لطائف سیریہ صفحہ ۴

"در مجلس آں حضرت سوائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کم کسے
از سخن ہائے دیگر شنیدہ باشد"

ہر وقت باوضو رہتے۔ تہجد کبھی قضا نہ کی۔ نماز ظہر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ رات کا اکثر وقت نوافل میں گذرتا۔ غرض آپ کے معمولات زندگی میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو آپ کے دینی و روحانی تشخص کے منافی ہو۔ اور اس پر کوئی انگلی رکھ سکے۔ حالت کیف وجذب میں بھی آپ کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی تھی، جس پر از روئے شرع کوئی گرفت کی جا سکے۔ بلکہ ایسے مواقع پر بھی آپ نکتہ آفرینی سے کام لیتے اور معرفت کے رموز لوگوں پر منکشف کرتے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ گلی میں سے ایک سبزی فروش آواز لگاتا ہوا گذرا۔ وہ سویا پالک اور چوکی کا ساگ بیچ رہا تھا۔ جونہی[1] "سویا۔ پالک۔ چوکا" کی آواز آپ کے کان میں آئی۔ آپ ازخود رفتہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ "ہم دن رات کا بیشتر حصہ سونے میں گذار دیتے ہیں اور ذکر خدا سے غافل رہتے ہیں۔ آخر ہمارا انجام کیا ہوگا"

یہ واقعہ آپ کے احساس لطیف اور وجدان صحیح کا آئینہ دار ہے۔ آپ کو جو باطنی طاقت اللہ رب العزت کی بارگاہ سے آپ کے ریاض ومجاہدہ کی بدولت حاصل ہوئی تھی اس کی نمائش بھی آپ کبھی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ[2]
"فقر کی بات کہنے کی نہیں"

آپ فقر کو اصلاح عوام کا ذریعہ سمجھتے تھے اور جو خوارق آپ سے ظہور میں آتے تھے ان کا مقصد بھی لوگوں کو راہ مستقیم پر گامزن کرنا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں جتنے واقعات ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ ان کے بین السطور جذبۂ فلاح کی ہی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ ایک[3] دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ ایک کنوئیں پر وضو فرما رہے تھے اور وضو

---

[1] سویا یعنی سونے والا۔ پالک۔ بمعنی لمحہ۔ چوکا۔ بمعنی غافل۔ اس سے یہ معنی اخذ کئے کہ "ذرا آنکھ لگی آدمی نقصان سے دوچار ہوا۔" [2] لطائف سیریہ صفحہ ۱۱۳ [3] لطائف سیریہ صفحہ ۱۱۳

کا پانی ہاتھ سے اچھالتے جاتے تھے۔ کنوئیں کے مالک کو یہ حرکت بری معلوم ہوئی اس نے غصہ میں آکر لاٹھی آپ کے سر پر دے ماری۔ جس سے آپ کا سر پھٹ گیا اور خون بہہ کر چہرے اور کپڑوں کو تر بتر کر گیا۔ خود کو خون سے رنگا ہوا دیکھ کر آپ پر ایک خاص کیفیت جذب طاری ہو گئی اور اسی حالت میں زمیندار کو مخاطب کر کے فرمایا "تو نے مجھے رنگا ہے۔ آمیں تجھے رنگ دوں"۔

اس فقرے میں خدا جانے تاثیر کی کیسی بجلیاں پوشیدہ تھیں کہ اس زمیندار کی تمام انانیت جل کر خاک ہو گئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک مرد حق آگاہ بن گیا۔

کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ[1] "کہ حضرت یہ مدارج کمال آپ کو کس طرح حاصل ہوئے ہیں"۔ تو آپ نے فرمایا کہ "ایک دفعہ سخت قحط پڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کتا بھوک کے مارے بے حال ہو رہا ہے۔ مجھ سے اس کی یہ مصیبت نہ دیکھی گئی اور اپنے سات حجوں کے ثواب کے عوض سات روٹیاں حاصل کر کے اس کتے کو کھلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے بدلے میں مجھے یہ نعمت عطا کی ہے

اس روایت کا ماحصل یہ ہے کہ انسان کو انسان سے ہی ہمدردی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ اللہ کی دوسری مخلوق بھی اس کے الطاف و عنایات کی مستحق ہے۔

حضرت خواجہ محکم الدین رح کے دل میں ہمعصر بزرگوں کا بھی بہت احترام تھا ایک دفعہ آپ شہر فرید میں ایک ٹیلے پر نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ کا ارادہ حضرت قبلۂ عالم رح[2] سے ملاقات کا تھا۔ جو وہاں سے قریب ہی ایک بستی میں تشریف فرما تھے اس بستی کا رہنے والا ایک شخص وہاں سے گذرا اور حضرت کو نماز میں مشغول دیکھا تو ازراہ تعریف کہنے لگا۔ کہ "یہ بھی تو فقیر ہیں۔ مصلی اور کوزہ ہمراہ ہے۔ وضو کے لئے کسی سے پانی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں اور ایک وہ فقیر ہیں کہ لوگ ان کے ساتھیوں

---

[1] لطائف سیریہ۔ صفحہ ۹۷۔

[2] مراد قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رح

کے گھوڑوں کو باندھتے باندھتے تنگ آ گئے ہیں "۔ آپ نے یہ گلہ سنا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھیوں سے کہا کہ جلدی کرو اس بستی سے فوراً نکل چلو۔ یہاں ابھی ایک آدمی نے ایک فقیر کا گلہ کیا ہے۔ اس بستی کی خیر نہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ جونہی آپ وہاں سے رخصت ہوئے اس بستی میں آگ لگ گئی۔

ایک دفعہ آپ کا قیام اوچ شریف کے قریب تلیری کے مقام پر تھا۔ حافظ حسن جامپوری کو حضرت قبلۂ عالمؒ کے مرید تھے۔ یہ معلوم ہوا کہ سیرانی صاحب وہاں مسجد میں تشریف فرما ہیں تو وہ یہ ارادہ کر کے آپکی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت قبلۂ عالمؒ سے بیعت توڑ کر آپکے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جائینگے چنانچہ جب وہ آپکی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کے اس ارادے سے منکشف ہو کر فرمایا۔ [1]

"حافظ صاحب! نقیر کا تعلق ایک مرید کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جیسے پتھر میں میخ گھس جاتے اور مستحکم ہو جاتے۔ یہ پیری مریدی کا معاملہ ایسی میخ کا سا نہیں جو مٹی میں گاڑ دی جاتے اور جس طرف چاہا اس کو گھما لیا"۔

حافظ حسن جامپوری کا بیان ہے کہ اس ارشاد گرامی سے انہیں سخت ندامت ہوئی اور انہوں نے فسخ بیعت کا ارادہ ترک کر کے توبہ کر لی۔

حضرت محکم الدینؒ کی حیات کا یہ پہلو بھی بڑا تابناک ہے کہ آپ نے زندگی بھر جس طرح مال و دولت سے پرہیز کیا اسی طرح اہل دنیا و دول کی صحبت سے بھی گریزاں رہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کا ملتان میں قیام تھا۔ لوگ جوق در جوق آپکی زیارت کے لئے آ رہے تھے۔ اسی دوران نواب مظفر خاں گورنر ملتان بھی آپ کی زیارت کے لئے آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور جلدی جلدی مختصر گفتگو کر کے اسے رخصت کر دیا [2]

---

[1] لطائف سیریہ صفحہ ۷۶

[2] لطائف سیریہ

اسی طرح ایک دفعہ داؤد پوتروں کے ایک سردار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر وظیفہ طریق الہٰی دریافت کیا تو آپ نے برملا کہا کہ "آپ ہم فقیروں سے خدا کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم فقیر آپ اہل دنیا سے حق تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں[1]"

جہاں حکام اور امراء سے آپ کی بیزاری کا یہ انداز نظر آتا ہے وہاں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ اگر کسی امیر نے ہدایت و تلقین کی درخواست کی تو اسے آپ نے پند و نصائح سے نوازا۔ ایک دفعہ آپ کا قیام اوچ میں تھا کہ نواب بہاول خاں کو مخادیم اوچ کی کسی دیوار کے تنازعہ کے سلسلے میں وہاں جانا پڑا۔ انہیں جب اوچ میں آپ کے قیام کا پتہ چلا تو ازراہ عقیدت وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی نصیحت کے طالب ہوئے۔ آپ نے فرمایا[2]

"میاں بہاول خاں! یہ ملک پہلے دوسروں کے پاس تھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے سپرد کیا ہے۔ خبردار! خلق خدا کی آسائش کا خیال رکھو اور لوگوں کے ساتھ احسان کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔ یقین رکھو کہ تمہارے اہلکار خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے جو ظلم کریں گے ان کا حساب تم سے لیا جائے گا۔ لہٰذا تمہارے لئے میری نصیحت یا وظیفہ یہی ہے کہ خلق خدا کے ساتھ عدل کرو اور ظلم کسی پر نہ ہو۔"

حضرت خواجہ محکم الدین رح کا سلسلۂ طریقت اگرچہ اویسی تھا لیکن اذکار و اوراد عموماً قادری سلسلے کے زیر عمل تھے اور سماع سے بطریق سلسلۂ چشتیہ شغف تھا آپ فرمایا کرتے تھے کہ

"فقیر دریں امر لاچار است"

---

[1] لطائف سیریہ [2] لطائف سیریہ ۸۸

تصوف میں وحدت الوجود کا فلسفہ بڑا مقبول رہا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اس فلسفے کی بڑی عالمانہ تحقیق کی ہے اور اس موضوع پر ان کی کتاب فصوص الحکم حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے تاہم اس مسئلے پر بعض صوفیائے کرام میں اختلاف بھی رہا ہے۔ اور ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کی بحث نے نزاعی صورت بھی اختیار کی ہے۔ اسی طرح امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وحدت الوجود کے فلسفے سے اختلاف کرتے ہوئے وحدت الشہود کی اصطلاح سے اہل علم کو روشناس کرایا۔ خواجہ صاحب اس سلسلے میں ہمہ از اوست اور وحدت شہود کے قائل تھے۔ لطائف سیریہ میں درج ہے[1]

"نوبتے حضرت دیوان محمد غوث۔ مولوی جمال محمد مولوی جمال الدین بھٹہ و دیگر از معتبران اہل ارادت جناب میاں صاحب رخصت شغل مسئلہ وحدت وجود و مسئلہ ہمہ اوست گرفتہ شود پس بخدمت قبلۂ عالم عرض نمودہ رخصت طلبیدند منع فرمودند، پس باز ثانیاً بتوسط ایں معنی کہ حضرت مولانا فخر المشائخ فخر الدین دہلویؒ بیان را خود تعلیم می نمائند و اجازت میدہند پس فرمودند مولوی باشد یا غیر مولوی خود بداند مذہب ایں فقیر ہمہ از دست۔"

ترجمہ۔ ایک دفعہ دیوان محمد غوث۔ مولوی جمال الدین بھٹہ اور دیگر مریدان معتبر نے جمع ہو کر مسئلہ وحدت وجود اور مسئلہ ہمہ اوست کے متعلق گفتگو کی اجازت چاہی۔ آپ کے منع کرنے پر انھوں نے کہا کہ فخر المشائخ مولانا فخر الدین دہلویؒ اپنے مریدوں کو ایسے علمی نکات کی تعلیم دیا کرتے تھے اور انہیں پیش کرنے کی اجازت بھی دیتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی مولوی کہے یا غیر مولوی اور ان کا کچھ ہی مسلک ہو مگر فقیر کا مذہب ہمہ اوست نہیں بلکہ ہمہ از اوست ہے۔"

---

[1] لطائف سیریہ

اس روایت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ آپ لکیر کے فقیر نہیں تھے بلکہ اپنے وجدان اور علم کے مطابق مسائل حل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

خواجہ صاحب کا حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا۔ پنجاب۔ سندھ اور کاٹھیا واڑ کے کافی لوگ آپ کے مرید تھے۔ فیض رسانی میں آپ نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ جو لوگ آپ کے باقاعدہ مرید نہ تھے۔ ان کو بھی علم و روحانی استفادے سے محروم نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فیض یافتہ لوگوں کا شمار بہت مشکل ہے۔ ہر حصہ ملک اور ہر شہر و قصبہ میں ایسے حضرات ملتے ہیں۔ جنہوں نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ ویسے خزینۃ الاصفیا میں آپ کے خلفا کی تعداد دس درج ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱. حافظ قمر الدین ــــ آپ موضع قائم پور (ضلع بہاولپور) کے رہنے والے تھے ملتان کا حاکم سرفراز خاں آپ کا مرید تھا۔

۲. شاہ ابوالفتح ــــ مو مبارک (تحصیل رحیم یار خاں) کے رہنے والے تھے

۳. شیخ محمد سلیم قریشی سامانی۔

۴. خواجہ سلیمان ــــ ان کا مزار خواجہ صاحب کے مزار سے متصل ہے۔

۵. شیخ محمد انوار ملتانی ــــ ان کا مزار بھی مرشد کے مزار کے پاس ہے۔

۶. شیخ اللہ داد ــــ یہ ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ مزار ملتان میں ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے۔

۷. دیوان محمد غوث جلال پوری ــــ پیر لال قتالؒ کی اولاد میں سے تھے

۸. شیخ دوست محمد ــــ ان کا مزار جہان گڑھ میں ہے۔

۹. حافظ عبدالکریم ــــ ان کی قرأت کا جواب پورے پنجاب میں نہ تھا۔

۱۰. شیخ عبدالسلام جوگی ــــ یہ نو مسلم تھے اور قبول اسلام سے

لہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ علیہ الرحمۃ سہنگل گڑھ کے کوہستان میں مقیم تھے کہ یہ جوگی جو وہاں

(باقی اگلے صفحہ پر)

قبل ایک جوگی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت صاحب العیرؒ نے تقریباً ۶۲ سال کی عمر میں ۵ ربیع الثانی ۱۱۹۷ھ کو اس دار فانی سے کوچ فرمایا۔ آپ کی وفات کا واقعہ خالی از دلچسپی نہیں لطائف سیریہ میں اس کی جو تفصیل درج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے[۱]

"انتقال سے کچھ عرصہ قبل آپ خراسان کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ ابھی تلیرمی[۲] کے مقام تک پہنچے تھے کہ منزل سفر تبدیل کر کے جنوب کی طرف چل دیئے اور کھچی[۳] میں پہنچ کر ایک

کافی عرصہ سے "تپسیا" میں مصروف تھا۔ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر بزرگ ہو تو کوئی کرامت دکھاؤ۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے در کے گدا ہیں۔ کرامات دکھانا ہمارا کام نہیں ہاں اگر تم چاہو تو بے شک اپنا کمال دکھا دو۔ یہ سن کر جوگی اپنے استدراج کے زور سے باتیں کرتے کرتے نظروں سے غائب ہوگیا۔ ایسا اس نے کئی بار کیا۔ اس پر خواجہ صاحب نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے یہ کمال کیسے حاصل کیا۔ اس نے جواب دیا خلاف نفس عمل کرنے سے اسے یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں مسلمان نفیر ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم بھی میری طرح مسلمان ہو جاؤ۔ اس سلسلے میں تمہارا نفس کیا کہتا ہے۔ جوگی اس سوال پر چیں بجبیں ہوکر بولا کہ یہ امر مجھے ہرگز قبول نہیں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ چاہیئے تو یہ کہ جس اصول پر تم نے عمر بھر عمل کیا ہے اس پر اب بھی کاربند رہو اور خلاف نفس اسلام قبول کرلو۔ جوگی نے استدلال پر کوئی توجہ نہ کی لیکن معاً اس نے محسوس کیا کہ اب تک اسے جو استدراج کی قوت حاصل تھی وہ اب مفقود ہو چکی ہے۔ غرض وہ نادم ولاچار ہو کر حضرت کے قدموں میں گر پڑا اور مسلمان ہوگیا۔ بعد میں خصوصی توجہ اور عنایت نے اسے سلوک وطریقت کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔

---

[۱] لطائف سیریہ۔ صفحہ ۱۱۸

[۳] یہ بستی ملتان سے ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی طرف جاتے ہوئے دریائے چناب کے کنارے پر

درخت کے نیچے محو استراحت ہوئے یہاں سے کاٹھیاواڑ کا
رخ کیا اور داہرجی پہنچے۔ جہاں آپ کے مریدوں اور معتقدوں
کی کافی تعداد تھی۔ کئی دن تک اس علاقے کی سیاحت کے
بعد آپ نے ربیع الاخر ۱۱۹۷ھ کے شروع میں مراجعت وطن
کا ارادہ کیا۔ معتقدین کو جب آپ کے اس ارادے کا پتہ چلا
تو انہوں نے اس خیال سے کہ اگر آپ بعد وفات کاٹھیاواڑ کے
علاقے میں دفن ہوں تو وہ دور دراز کی مسافت سے بچ جائینگے
آپ کو وہیں ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پروگرام کے تحت حافظ
محمد کوکی نے جو آپ کے مریدوں میں سے تھا۔ ایک شب اپنے
ہاں قیام اور دعوت طعام کی استدعا کی۔ آپنے یہ درخواست
قبول فرمالی۔ رات کو جو کھانا آپ کی خدمت میں پیش کیا اس میں
زہر گھلا ہوا تھا۔ چنانچہ ادہر نوالہ حلق سے نیچے اترا ادہر زہر
نے اپنا کام کیا۔ جب وقت اخیر آیا تو آپ نے نصیحت کی کہ
حافظ محمد کوکی کو کسی قسم کا آزار نہ پہنچایا جائے۔ کسی جگہ ایک
گڑھا کھود کر نعش دفن کر دینا۔ دس روپے حافظ کوکی کو اپنے گرہ سے
دے کر کہا کہ پانچ روپے میرے کفن پر صرف کرنا اور پانچ روپے
خیرات کر دینا۔ جب روح قفس عنصری سے پرواز کر رہی تھی تو آپ
کے سینے سے ہو ہو کی آواز نکل رہی تھی۔ نماز جنازہ میں شہر
کے کثیر لوگوں نے شرکت کی۔ آدھی رات کے قریب ۶ ربیع الآخر
۱۱۹۷ھ کو سپرد خاک کر دیئے گئے۔

واقع تھی اب مظفر گڑھ شہر کے بالکل متصل ہے۔
سندھ کے اس حصہ کو جو سابق ریاست بہاولپور کے مقامات اوچ شریف وغیرہ پر مشتمل ہے

اگرچہ حافظ کوئی نہ چاہتا تھا لیکن ابو طالب اور شیخ نھو (مریدان) نے آپ کی وفات کی اطلاع بذریعہ مراسلہ بہاولپور بھیجدی۔ مراسلہ تقریباً ۲ ماہ بعد شوال کے مہینے میں بہاولپور پہنچا۔ اطلاع ملتے ہی صاحبزادہ میاں اویس بخش اور حاجی محمد اعظم اٹھوال داہراجی بندر روانہ ہوگئے۔ ادہر بھڈی شریف کے اعزا پہلے بہاولپور آئے اور یہاں سے دہراجی روانہ ہوئے۔ جب یہ جماعت ڈہراجی بندر پہنچی تو صفر کی ۵ تاریخ تھی۔ تقریباً بیس دن اس حجت میں گذر گئے۔ کہ آپ کا تابوت بہاولپور لے جایا جائے یا وہیں رہنے دیا جائے۔ آخر ۲۵ صفر کو آپ کی نعش قبر سے نکالی گئی جو اس وقت تک صحیح و سالم تھی دور دراز کی مسافت طے کرکے آپ کے اعزا جنازہ لے کر بہاولپور پہنچے اور گوٹھ بخشا قسمانی کے جنوب میں پانچ کوس کے فاصلے پر گوٹھ جیا پوتی داد پوترہ میں آپ کا مرقد تیار کیا گیا"

یہ جگہ آپ کے مزار کی وجہ سے اب خانقاہ شریف کے نام سے مشہور ہے اور ریلوے اسٹیشن سمہ سٹہ سے جنوب کی طرف اس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ میل اور بہاولپور سے ڈیرہ نواب جانے والی سڑک سے جائیں تو دس میل کا فاصلہ ہوگا۔ خانقاہ کی عمارت نہایت خوبصورت اور پرشکوہ ہے۔ نیچے سے اوپر تک رنگین شیشے آدیزاں ہیں جو بڑے دیدہ زیب معلوم ہوتے ہیں۔ خانقاہ کے اندر آپ کے متوسلین اور سجادگان کے مزارات بھی ہیں۔ خانقاہ کے ساتھ ایک مسجد اور تالاب ہے۔ آپ کے تبرکات میں دستار۔ بالاپوش اور شلوار شامل ہے۔ وہ قمیص جس پر آپ نے زہر خورانی کے بعد خون کی قے کی تھی۔ حضرت پیر عبدالخالق کے

پہلے پھمی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ (ذکر خیر)

سجادہ نشین حضرت خواجہ صالح محمد اویسی کے پاس محفوظ ہے۔

ہر سال ربیع الاول کی ۵ تاریخ کو آپ کا عرس ہوتا ہے جس میں ہزاروں معتقدین شرکت کرتے ہیں۔ خاص طور پر کاٹھیاواڑی میمن کافی تعداد میں آتے ہیں اور عرس کے انتظامات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اس وقت آپ کے سجادہ نشین میاں سردار احمد اویسی ہیں۔ جو اپنے حسن اخلاق اور وضعداری کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہیں۔ انہیں صوبائی اسمبلی کی رکنیت کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

حضرت خواجہ سلطان احمد دین رح

آپ خانوادۂ سیرانی کے شہرۂ آفاق افراد میں سے ہیں گو آپ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانی کے مسند ارشاد پر تو متمکن نہ ہوئے۔ لیکن اس دربار کی علمی سرگرمیوں میں آپ کا بڑا حصہ ہے۔ جو مدرسہ اس دربار سے متعلق رہا ہے اس میں آپ نے علوم عربیہ کی تکمیل کی اور پھر خود اس کے فروغ کی کوشش کی۔ تصنیف و تالیف سے آپ کو بے حد شغف تھا۔ دربار شریف کے کتبخانہ کی اکثر کتب پر آپ کی مہر ثبت ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتبخانہ کے قیام میں آپ کی مساعیٔ جمیلہ کو بڑا دخل رہا ہے۔ آپ بے حد خلیق اور متواضع تھے۔ دربار سیرانیہ سے منسلک لوگوں پر آپ کی خصوصی شفقت تھی۔ اور آپ سجادگی کی ذمہ داریوں سے مبرّا ہونے کے باوجود مرجع خلائق تھے۔ آپ کا مزار حضرت صاحب السیّر کی خانقاہ میں ہے۔ سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ امام بخش رح

آپ دربار سیرانی کے سجادگان میں سے تھے۔ دربار شریف کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد مسند سجادگی پر فروکش ہوئے تقاء اور پرہیز گاری میں بے مثل تھے۔ شریعت محمدی کی پاسداری کا یہ حال تھا کہ عام معمولات میں بھی خلاف شرع کسی فعل کے مرتکب نہیں ہوتے تھے۔ پابند صوم وصلواۃ تھے

اور ہر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ دربار سیرانی اور جامع مسجد کی تعمیر جدید آپ کے ہی ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے اس تعمیر کے تمام اخراجات اپنی ذاتی جائیداد بیچکر کئے تھے۔ حج پر تشریف لے گئے تو وہاں ایک رباط خرید کر عوام کے لئے وقف کر دی۔ سلسلہ اویسیہ کو آپ کی ذات سے بڑا فروغ ہوا۔ حضرت سیرانیؒ کے مرشد حضرت خواجہ عبدالخالقؒ کے سجادہ نشین بھی آپ کا احترام کرتے تھے اور اکثر معاملات میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ چونکہ آپ لاولد تھے۔ اس لئے آپ کے بعد خواجہ فیض محمد کو سجادگی کی مسند ملی۔ دو تین سال بعد وہ بھی انتقال کر گئے تو ان کے صاحبزادے خواجہ الحاج محمدالدین سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت خواجہ محمدالدینؒ

مسند سجادگی پر فروکش ہونے سے پہلے والد گرامی نے باہر سے آنے والے مریدین کی دیکھ بھال ان کے سپرد کر رکھی تھی۔ ابتدائے عمر میں آپ نے رسمی تعلیم حاصل کی تھی۔ سجادگی کی ذمہ داریاں سپرد ہونے کے بعد آپ نے اس کے تقاضوں کو پورا کرنے پر توجہ دی اور اس فرض کو بحسن و خوبی ادا کیا۔ شریعت مبارکہ کا آپ کو بڑا خیال رہتا تھا۔

اپنے مریدین اور سلسلہ اویسیہ کے منتسبین کو بھی شریعت کی پابندی کی تلقین کیا کرتے تھے ان کی خدمت میں کوئی ننگے سر نہیں آسکتا تھا۔ حضرت سیرانی کے عرس کے موقعہ پر عورتوں کی آمد کو پسند نہیں کرتے تھے اگر کوئی مرید اپنے ساتھ عورتوں کو لے آتا تو آپ اسے بطور سزا واپس چلے جانے کا حکم دیتے تھے اور اس معاملے میں کسی سے رو در عایت روا نہیں رکھتے تھے خواہ وہ کتنا ہی صاحب حیثیت اور امیر ہی کیوں نہ ہو۔ سخاوت اور غربا پروری آپ کی طبیعت کے خاص جوہر تھے۔ یتمیٰ۔ بیوگان اور مساکین کی ڈھونڈ ڈھونڈ کر دستگیری کرتے تھے۔ اکثر مستحقین کے وظائف مقرر تھے۔ اور ان کی تعلیم۔ روزگار اور شادی

بیاہ کے سلسلہ میں بھی معقول امداد کیا کرتے تھے۔ عرس کے موقعہ پر لنگر اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے تھے۔ اور جب تک سب کو حصہ نہ مل جائے خود کھانا تناول نہیں کرتے تھے
آپ نے مسجد کی توسیع کی اور دربار کی آرائش پر زرکثیر صرف کیا۔ نماز باجماعت آپ کی زندگی کا ہمیشہ معمول رہا۔ یہاں تک کے سفر میں بھی کسی عالم یا حافظ قرآن کو اپنے ساتھ رکھتے تھے تاکہ نماز باجماعت پڑھی جاسکے۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید پابندی سے سنتے۔ علامہ حافظ فیض احمد اویسی شیخ الحدیث جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پر آپ کی خصوصی نظر عنایت تھی اکثر رمضان المبارک میں ان سے قرآن مجید سنا کرتے تھے۔ آپ کا ارادہ خانقاہ شریف میں ایک معیاری دارالعلوم قائم کرنے کا تھا لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ اور یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ آپ کا عرس ۱۶/۱۷ ذیقعد کو بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔
آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند میاں سردار احمد اویسی سجادہ نشین ہوئے آج کل دربار سیرانی کے فرائض آپ کے ہی سپرد ہیں۔

چند دیگر بزرگ

حضرت سید ہاشم شاہ ہمدانیؒ

آپ سادات ہمدانی کے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے خیرپور (ضلع بہاولپور) میں توطن اختیار کیا۔ آپ کا سلسلۂ نسب مشہور روحانی پیشوا امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ سے ملتا ہے۔ نوشاہی[1] سلسلے کے بزرگ سید امان اللہ شاہ قادری نوشاہیؒ سے آپ کی بیعت تھی۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی آپ کے ہمعصر تھے۔ حضرت شاہ صاحب آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

---

[1] سلسلۂ نوشاہیہ حضرت سید حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادریؒ سے جاری ہوا ہے۔ آپ ۹۵۹ھ میں بمقام گھگانوالی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ شاہجہاں بادشاہ کے عہد میں وفات پائی۔ اپنے وقت کے بڑے کامل اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ ساہنپال ضلع گجرات میں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔

"آنچہ مارا از حضرت سالک مسالک طریقت واقف
حقیقت حقائق آگاہ دواصل باللہ ابو المکارم حضرت سید محمد ہاشم
خلف عمدۃ السالکین زبدۃ الکاملین حضرت سید محمد زاہد قصوری
کہ خلاصۂ اولاد برگزیدہ احفاد حضرت امیر کبیر (سید علی ہمدانی)
اند معلوم ومفہوم شدہ افضل و اولیٰ و حق و عین الصواب است[1]"

آپ نواب بہادل خاں عباسی ثانی کے عہد میں ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۱ء میں قصور سے خیرپور ٹامیوالی میں تشریف لائے تھے۔ آپ کے بزرگوں میں سے حافظ سید محمد ہمدانی نے پہلے پہل قصور میں سکونت اختیار کی تھی۔ آپ کے والد سید محمد زاہد شاہ ہمدانی دہلی کی طرف سے قاضی مقرر تھے۔ روحانیت میں آپ کو درجۂ کمال حاصل تھا۔ پنجاب جب سکھا شاہی کی زد میں آیا۔ اور وہاں اسلامی احکام کی بجا آوری میں رکاوٹیں پیش آئیں تو سید ہاشم شاہ قصور سے ہجرت کر کے بہاولپور کی حدود میں آ گئے اور پھر خیرپور میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے۔ ۲۷ محرم الحرام ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۲ء کو یہیں آپ کا انتقال ہوا۔ خواجہ خدابخش خیرپوری علیہ الرحمتہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت سید محمد ہاشم شاہ ہمدانی رح بڑے متوکل بزرگوں میں سے تھے جب قصور میں آپ کے والد گرامی کی جائیداد کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا تو آپ اپنے بھائی حضرت کامل شاہ صاحب کے حق میں اپنے حصے سے دستبردار ہو گئے اور صرف چند کتب بطور تبرک اپنے ساتھ لے آئے۔

آپ کو علوم متداولہ پر عبور تھا۔ نہایت خوش خط تھے۔ آپ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی کئی کتب آپ کے خاندان میں اب تک محفوظ ہیں۔

اس خاندان میں رشد و ہدایت کا سلسلہ کافی عرصہ تک جاری رہا اور کئی

---

[1] ہم اور ہمارے اسلاف۔ مصنفہ ڈاکٹر ایس اے ہمدانی۔ صفحہ ۲۱۲

شخصیتیں ایسی پیدا ہوئیں جنہوں نے علمی و روحانی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔[1]

مولوی شمس الدین علوی ؒ

خاندان علوی بہاولپور میں نواب محمد بہاول خاں ثانی کے عہد میں آیا تھا۔ اس خاندان کے افراد کو نواب صاحب کی طرف سے ریاست کے قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد رہا۔ مولوی شمس الدین صاحب اسی خاندان کے فرد فرید تھے۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ مختلف عہدوں سے ترقی کرتے کرتے چیف جج بنے لیکن ان دنیوی مدارج کے علاوہ صوفیا میں بھی آپ کا مقام کافی بلند تھا۔ سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ سلیمان تونسوی ؒ کے زیر سایہ آپ نے سلوک وطریقت کی منازل طے کی تھیں۔ کسب حلال دیانت و امانت اور تقویٰ و طہارت آپ کی زندگی میں رسے بسے ہوئے تھے۔

تصنیف و تالیف سے آپ کو خاص شغف تھا۔ ملازمت کی مصروفیات کے بعد جو وقت بچ جاتا اس میں مطالعہ کتب کرتے یا کسی تصنیف میں منہمک رہتے۔ آپ کو حکمت کا بھی شوق تھا۔ لیکن اس شوق کی علت غائی محض غریبوں کی امداد تھی۔ آپ قیمتی سے قیمتی ادویات غربا کو اپنے خرچ سے تیار کر کے مفت دیا کرتے تھے۔

آپ نے کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی ؒ کی عربی کتاب ''اکسیر'' کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ یہ طب اور عملیات کا ایک نادر مجموعہ ہے۔ مولوی صاحب نے اس ترجمے کا انتساب حضرت شاہ سلیمان تونسوی قدس سرہٗ کے نام پر کیا ہے اور اس کا نام ''مخزن سلیمانیہ'' رکھا

---

[1] ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن ہمدانی اسی نیک نام خاندان کے فرد ہیں اور زہد و تقویٰ، خوش خلقی اور حسن عادات کے اعتبار سے اپنے بزرگوں کے صحیح جانشین ہیں۔

ہے۔ یہ کتاب چھپ کر مقبول عام ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ مجربات شمسیہ حاشیہ شرح وقایہ، عقائد شمسیہ علیٰ ما علیہا الصوفیہ العلیہ۔ سراج العصمت اور حالات اہل قبور بھی ہیں جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں[1]۔ ۱۳۰۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولوی نور جہانیاںؒ

بہاولپور شہر کے جنوب میں احمد پوری دروازے کے اندر ایک چبوترہ "تھلہ نور جہانیاں" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چبوترہ اب تو باقی نہیں رہا۔ صرف اس جگہ کا نام اس چبوترے پر پڑ گیا ہے۔ لیکن کسی زمانہ میں یہاں ایک بڑا وسیع و عریض چبوترہ تھا۔ جس کے ساتھ ایک بڑی عمارت بھی تھی یہاں دینیات کا ایک شاندار مدرسہ تھا۔ جس میں پڑھانے والے بھی بڑے جیدّ عالم اور پڑھنے والے بھی مستقبل کے بڑے آدمی تھے۔ اس مدرسے کے اساتذہ میں ایک نام مولوی نور جہانیاں کا بھی آتا ہے۔ جن کے نام پر یہ جگہ مشہور ہوئی۔

مولوی نور جہانیاں ایک زبردست عالم اور روحانیت کے بڑے علمبردار تھے وہ دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباً کو عمل کا طریق بھی سکھایا کرتے تھے۔ آپ کے والد ماجد مولوی اسد اللہ بھی عالم معقول و منقول تھے۔ وہی پہلے پہل مہاراں سے بہاولپور تشریف لائے تھے اور ان کے علمی تبحر کی وجہ سے نواب بہاولپور نے شہر کا وہ حصہ جو آپ کے فرزند عالیقدر کے نام پر مشہور ہے آپ کی اقامت اور مدرسہ کے لئے آپ کو دیا تھا۔ آپ کے علمی مرتبہ کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ایک دفعہ بادشاہِ ہند سندھ کی طرف جا رہا تھا۔

---

[1] ریاست بہاولپور کی مشہور تاریخ "تاریخ مراد" جو سید مراد شاہ کی تصنیف ہے اس کی ترتیب و تہذیب میں بھی آپ کا بڑا حصہ ہے۔

اس کے ہمراہ ہندوستان کے کئی عالم بھی تھے۔ انہیں جب مولوی اسد اللہ صاحب کے درس کا پتہ چلا تو وہ اشتیاق ملاقات میں ان کے پاس آئے اور دیر تک علمی مسائل کے سلسلے میں ان سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ وہ مولوی صاحب کی علمی بصیرت سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے بادشاہ ہند کے علماً میں شامل ہونے کی ان سے خواہش کی۔ نواب بہاولپور کو جب اس پروگرام کا علم ہوا تو وہ اس میں مزاحم ہوئے اور انہوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ مولوی صاحب جیسی علمی شخصیت سے ان کی ریاست محروم ہو۔ مشہور ہے کہ پنجاب کے مشہور عالم مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نے بھی نحو اور منطق کے بعض نکات آپ سے حل کئے تھے۔

مولوی اسد اللہ صاحب نے تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں وفات پائی اور ان کی مسند درس پر ان کے صاحبزادے مولوی نور جہانیاں فرکش ہوئے آپ نے ایک عرصہ تک لوگوں کی علمی و روحانی پیاس بجھانے کا سامان کیا۔ آپ کی ایک کتاب "اسدیہ" جو مطول کا نہایت مستند اور دقیع حاشیہ ہے آپ کی علمی یادگار ہے۔ افسوس ہے یہ کتاب ابھی تک طبع نہیں ہو سکی ہے۔ ۱۲۹۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت مولوی غلام رسول چنڑ رح

ضلع بہاولپور میں چنڑ خاندان صاحب یمن و برکت بزرگوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ اسی خاندان میں حضرت مولوی غلام رسول چنڑ آج سے تقریباً دو سو سال قبل پیدا ہوئے۔ آپ متبحر عالم اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ مشہور ہے کہ جس طرح قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رح کی ذات بابرکات سے اس خطے میں روحانی فیض جاری ہوا اسی طرح دینیات کی تعلیم کا فروغ مولوی غلام رسول صاحب اور ان کے شاگردان رشید کا مرہون منت ہے۔ آپ کے ننھال

میں مولوی محمد حسین بڑے پایہ کے عالم اور ولی کامل تھے۔ ان کے نام سے ایک مسجد شہر بہاولپور میں اب تک موجود ہے۔ اس کے قریب ہی مولوی نور جہاں صاحب کا مدرسہ تھا۔ جہاں دینیات کی تعلیم کا نہایت اعلیٰ انتظام تھا۔ مولوی غلام رسول صاحب نے اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔

آپ سلف الصالحین کا نمونہ تھے۔ درس و تدریس کے بعد بیشتر زیادہ وقت اوراد و اذکار میں گذرتا تھا۔ آپ کی بے شمار کرامات اور خوارق عادات کے قصے مشہور ہیں۔ لیکن فی الحقیقت آپ کی یہ سب سے بڑی کرامت تھی۔ کہ اس خطے میں علم کا چرچا ہوا اور کافی لوگ آپ کے فیضان نظر سے زیور علم سے آراستہ ہوئے۔

تقریباً ۷۰ برس دین نبوی ؐ کی خدمت کرنے کے بعد ۱۶ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ کو آپ نے وفات پائی اور گورستان ملوک شاہ میں جہاں زندگی میں بھی آپ کا قیام رہتا تھا۔ دفن کئے گئے۔ ایک اونچے پختہ چبوترے پر آپ کا مزار ہے جمعرات کو اکثر حضرات یہاں آ کر دعائیں مانگتے ہیں اور وظائف پڑھتے ہیں۔ ملک محمد بخش صاحب سابق سپرنٹنڈنٹ اسٹاف اعلیحضرت امیر بہاولپور مرحوم اسی خاندان کے صاحبِ اقبال فرزند ہیں۔

مولوی بدرالدین ؒ بدرؔ

آج سے تقریباً سو سال قبل بہاولپور کے بازار دامن شاہ کی مسجد میں ایک بزرگ اکثر اعتکاف میں بیٹھے نظر آتے تھے۔ جو صاحب باطن بھی تھے۔ عالم باعمل بھی۔ صوفیوں کا سادہ لباس زیب تن رہتا تھا۔ نہ کسی سے ملتے تھے اور نہ کسی کے پاس جاتے تھے۔ لذت دنیوی ان کی نگاہ میں ہیچ تھی۔ یاد الٰہی میں اس قدر استغراق تھا کہ اکثر اپنے گرد و پیش سے بھی بیگانہ رہتے تھے۔ اور پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ شعر گوئی سے شغف تھا لیکن اس فن کو

انہوں نے خالق باری کی حمد و ثناء اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ تمام عمر گوشہ نشینی میں صرف کر دی اور اہل علم و فضل کی نگاہوں سے خود کو اوجھل رکھا۔

یہ[1] درویش وقت مولوی بدرالدین بدؔر تھے۔ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رح سے بیعت تھی۔ مولانا عبدالرشید خانقاہ شریف والے کے شاگرد تھے آپ کے والد مولوی قمرالدین اور دادا میر محمد علیہ الرحمتہ تزنڈہ گوربگج کے صاحب دل اور ولیٔ کامل بزرگوں میں سے تھے۔

بدر صاحب کی یادگار ان کا ایک فارسی دیوان ہے جو ۹۹۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ چند شعر ملاخطہ ہوں۔

بنما ضیائے جمال خود بنگر دمے بگدا شہا ۔۔۔ بکن از کرم زغمم رہا بنواز با نظر عطا
بگذاشتم بفراق تو ہمہ زندگی و حیات خود ۔۔۔ متاسفم کہ بنر ندگی نشدست وصل تو رونما
بگذشت گرچہ حیات من تو تو تہی نکنی دمے ۔۔۔ متردم کہ تقائے خود بکنی نصیب من گدا
ہمہ عالم است بخوبی تو پر از ثناء و ستائشے ۔۔۔ بزمین و جملۂ آسماں بشدست نور تو برملا

بکند سوال سگ در متعلقان تو بدؔر تو
بقبول خاص بیار دزد کنش زنکر دالم رہا

من بفراق وصل تو پائے شکستہ صابرم ۔۔۔ بررہ انتظار تو بادل خستہ ناظرم
گر بزیارت خودم واصل دہر ضیا کنی ۔۔۔ طالع من شود قوی نیک خجستہ خاطرم

---

[1] قلمی بیاض مولوی محمد انور صاحب انور فیروز۔ انور فیروز مرحوم منشی محمد اکبر چیف جسٹس بہاولپور کے بھائی تھے۔ اور صاحب طرز ادیب اور بلند پایہ محقق تھے۔ افسوس ہے کہ جوانی میں وفات پا گئے انہوں نے بہاولپور کے تاریخی مقامات اور تاریخی شخصیتوں پر اپنی بیاض میں کافی مواد (جمع) کیا تھا۔ ان کی ایک کتاب "گوہر شب چراغ" جو خواجہ غلام فرید علیہ الرحمتہ کے حالات پر ہے ان کی زندگی میں شائع ہوئی تھی۔

در تو بخوانیم بجز از رہ لطف دہم کرم   پلئے شکستہ خستہ دل دست بہ بستہ حاضرم

لطف تو یار من چو شد با کرم کریم من   از ہمہ فکر ہا شود ایمن در ستہ خاطرم

مست مے تو بدر تو خانہ نشین وسائلت

عرض کند کہ کن شہا خانہ نشستہ زائرم

مولوی بدر الدین صاحب نے اپنی وفات سے چند روز پہلے اپنی تاریخ وفات نکالی تھی جو یہ ہے۔

چوں ز پئے سال وفاتم دلم   کرد منت بہ نیاز از خدا

گفت سر دستم کہ باب ادب   سوئے من اے بدر بیا خوش بیا

۱۳۲۷ھ

یہ تاریخ ایک پیش گوئی ثابت ہوئی اور آپ نے اسی تاریخ کو وفات پائی گورستان ملوک شاہ کے شروع میں آپ کا مدفن بنا[1] یہ جگہ بھی آپ نے خود اپنی زندگی میں پسند کی تھی اور اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہاں حضرت محکم الدین سیرانیؒ کا قیام ہوتا تھا۔

[1] بہاولپور کے مشہور خوشنویس مولوی عبدالقادر صدیقی ان کے پوتے ہیں اور مشہور شاعر و ادیب پروفیسر دلشاد کلانچوی کا اسی خانوادے سے تعلق ہے۔

حضرت مولانا نور احمدؒ فرید آباد (ضلع رحیم یار خاں)

آپ موضع پائی آہنہ تحصیل خانپور. ضلع رحیم یار خاں کے رہنے والے تھے. مولانا الحاج الٰہی بخش تلمیذ مولانا رحمت اللہ مہاجر مدنی سے علوم عربی کی تحصیل کی اور پھر اپنے گھر میں ایک دینی مدرسہ قائم کر کے خدمت خلق کا سامان کیا. سلوک کی منازل حضرت خواجہ محمد بخش نازکؔ ابن حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ کی خدمت میں چاچڑاں شریف رہ کر طے کیں. لوائح جامی اور تصوف کی دیگر کتب بھی آپ سے پڑھیں. وہیں سے آپ کو خلافت ملی.

مولانا نور احمد مسلک اہلسنت کے زبردست مبلغ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سر تا پا ڈوبے ہوئے تھے آپ کی مجالس وعظ بڑی پُرتاثیر ہوتی تھیں. کوئی شخص چشم تر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا. سلسلۂ چشتیہ فریدیہ کو آپ سے بہت فروغ ہوا. دور دور تک آپ کے رشد و ہدایت کی شہرت تھی. پنجاب اور سندھ میں آپ کے مریدین کی کافی تعداد ہے.

جب مرزائیوں نے حضرت خواجہ غلام فریدؒ پر کذب و بہتان کا سلسلہ شروع کیا اور آپ کے بعض جعلی خطوط کو اپنے حق میں استعمال کیا تو آپ نے اس کا موثر ازالہ کیا اور حضرت خواجہ نازک اور خواجہ فیض احمد کے عینی شواہد کی روشنی میں مرزائیوں کے افترا کا بھانڈا پھوڑا. بد مذہبوں کے خلاف آپ کے بعض رسائل آپ کے تبحر علمی کا آئینہ دار ہیں. رجب کی ستائیسویں بڑے اہتمام سے مناتے تھے. اس موقع پر مجلس وعظ بھی منعقد ہوتی تھی جو بعد نماز عشاء سے شروع ہو کر نماز فجر تک جاری رہتی. مشاہیر علمائے کرام اس میں مدعو ہوتے اور اپنی دلپذیر تصاویر سے عوام کو مستفیض کرتے. اساتذہ کرام بالخصوص اپنے مرشد کے خانوادہ سے تعلق رکھنے والے افراد کا بے حد احترام کرتے تھے. اپنے گاؤں کا نام بھی مرشد کے نام پر فرید آباد رکھا تھا. وہیں پر آپ کا مزار ہے. آپ کے خلفاء میں آپ کے

صاحبزادگان مولانا محمد اعظم اور صاحبزادہ عبدالرسول کے علاوہ مولانا محمد یار گڑھی اختیار خاں اور مولانا غلام رسول جتوئی قابل ذکر ہیں۔

آپ کی متعدد تصانیف ہیں لیکن زیور طبع سے صرف آپ کا دیوان موسوم بہ دیوان احمدی آراستہ ہوا ہے جس میں ڈوہرہ جات بھی شامل ہیں۔ آپ کا عرس محرم الحرام کی ۱۹ - ۲۰ اور ۲۱ تاریخوں میں ہوتا ہے۔

حضرت مولانا گل محمد شاہ قادرپوری

زمانۂ حال کے بزرگوں میں آپ کا بڑا وسیع مرتبہ تھا۔ فقہ پر بڑی عمیق نظر تھی عاشق رسول تھے نام گرامی لبوں پر آتے ہی آنکھیں تر ہو جاتی تھیں۔ وعظ میں خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ بے حد متقی اور پرہیزگار تھے۔

خلاف سنت فعل کی مخالفت میں کسی کی رو و رعایت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی مجمع میں ایک مقرر نے یہ کہدیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دور سے درود کی آواز نہیں سنتے۔ آپ نے وہیں مقرر کو ٹوکا اور جلاء الافہام۔ لابن القیم کی یہ روایت مجمع میں بیان کی۔

"عن ابی الدردا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس من احد یصلی علی الا بلغنی صوتہ حیث کان الحدیث"

(جہاں کوئی درود شریف پڑھتا ہے۔ اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے۔)

مقرر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور مجمع سے واہ واہ سبحان اللہ کے نعرے بلند ہونے لگے۔ رحیم یار خاں۔ بہاولپور۔ ملتان۔ ڈیرہ غازی خان اور مظفر گڑھ میں آپ کے مریدین کافی تعداد میں ہیں۔ صاحبزادگان میں مولانا محمد شاہ مرحوم۔ مولانا درویش محمد۔ مولانا محمود شاہ اور مولانا احمد شاہ اپنے والد کا نمونہ ہیں۔

لہ مولانا محمد یارؒ کو حضرت خواجہ محمد بخش نازکؒ سے بھی خلافت ملی تھی

مولوی غلام محمد خلیفہ دین پور (خانپور)

خانپور (ضلع رحیم یار خاں) کے قریب قصبہ دین پور بھی علماء و صلحاء کا گہوارہ رہا ہے یہاں بڑے بڑے جلیل القدر علما مختلف اوقات میں تشریف لاتے رہے ہیں۔ خاص طور پر بھر چونڈی شریف (علاقہ ادباڑہ) کے خلیفہ مولوی غلام محمد صاحب کی وجہ سے اس قصبے کو بڑی شہرت حاصل ہوئی آپ بڑے زاہد و عابد بزرگوں میں سے تھے سلسلۂ قادریہ نقشبندیہ میں بیعت کیا کرتے تھے۔ حلقۂ ارادت کافی وسیع تھا۔ نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد مریدوں کا حلقہ ہوتا تھا۔ جس میں ذکر بالجہر کیا جاتا تھا۔ آپ خود بھی صوم و صلوٰۃ یہاں تک کہ تہجد اور اوابین کے بھی پابند تھے اور اپنے مریدین کو بھی پابندی صلوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے۔

آپ نے دینیات کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جس میں آپ خود درس دیا کرتے تھے۔ آخری ایام میں آپ پر استغراق کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ ۳۰/۲۹ ذوالحج ۱۳۵۴ھ کی درمیانی شب کو آپ کا انتقال ہوا۔ نماز جنازہ میں بڑے بڑے علماء و صلحا نے شرکت کی۔ دین پور میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

مولوی محمد عبداللہ جامی (بہاولپور)

آپ مشہور قوم لاڑ کے جلیل القدر فرزند تھے۔ آپ کے دادا حافظ لعل دین صاحب وجد و حال بزرگوں میں سے تھے۔ حضرت خواجہ محکم الدین سیرانیؒ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ آپ کے فرزند مولوی نور محمد بھی بڑے متبحر عالم اور روحانی کمالات کے حامل تھے۔ حضرت مولانا قاضی عاقل محمد کے شاگرد اور مرید تھے۔ آخر عمر میں آپ نے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں قیام فرما لیا تھا۔ وہیں ۲۵ ذوالحجہ ۱۲۷۵ھ میں انتقال فرمایا۔ مولوی محمد عبداللہ جامی آپ کے ہی نور نظر تھے۔ آپ علم و فضل کے پیکر تھے۔ تصنیف و تالیف سے خصوصی شغف تھا۔ تعویذ بہاول خانی شرح قصیدہ حضرت محبوب سبحانی کے علاوہ اور بھی متعدد کتب آپ نے تصنیف فرمائیں یہ کتاب تصوف اور روحانیت

(باقی صفحہ ۲۸۸ پر)

کتابیات

الف

اینشینٹ ہسٹری آف انڈیا

اخبار الاخیار

الدر المنظور

انساب جلالی

آب کوثر

احوال و آثار خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ (قلمی)

ب

بلاذری

بہاولپور گزیٹئر

پ

پنجاب چیفس

ت

تاریخ ہند

تاریخ سندھ

تاریخ فرشتہ

تاریخ فیروز شاہی

تاریخ مسعودی

تاریخ ڈیراور

تاریخ راولپنڈی

تاریخ اوچ

تحفۃ الکرام

تحفۃ الابرار

تذکرۃ الاولیاءؒ

تاریخ تصوف

تکملہ سیر الاولیاءؒ

تاریخ جلیلہ

تاریخ مراد

تلقین لانی

ج

جواہر جلالی

چ

پیچ نامہ

ح

حدیقتہ الاسرار فی اخبار الابرار

حیات اویس قرنی رض

خ

خزینتہ الاصفیاء

خزانۂ جلالی

خلاصتہ الفوائد

خزینتہ التاریخ (قلمی)

خطۂ پاک اوچ

خواجہ غلام فرید

د

دربار قادری

دیوان فرید

ذ

ذکر کرام

ذکر خیر

س

سیر العارفین

سفر نامہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت رح

سوانحعمری خواجہ عبدالخالق رح و خواجہ محکم الدین سیرانی رح

ش

شعاع نور

ص

صبح صادق

ط

طبقات ناصری

ع

عرب ہند تعلقات

عباد الرحمٰن

ف

فوائد الفواد

فخر الطالبین

ک

کشف المحجوب

گ

گلزار فریدی

گلشن ابرار

ل

لطائف اشرفی

لطائف سیریہ

م

مفاتیح الاعجاز
مشکوٰۃ الانوار
ملفوظ المخدوم
مراۃ الاسرار
مظہر جلالی
مناقب المحبوبین
مناقب فخریہ
مناقب فریدی
مجالس المومنین
مخطوطہ (قلمی) بابت احوال خاندان بخاری لونج

ن

نفحات الانس
نزہتہ الخواطر

و

وقائع بیکانیر
وادیٔ سندھ کی تہذیب از سر مارٹیلر وہیلر

ہ

ہمعات
ہم اور ہمارے اسلاف

بقیہ :- مولانا جامی رح

کے رنگ میں لکھی گئی تھی اور مطبع صادق الانوار میں طبع ہوئی تھی ۱۸ ر شوال المکرم ۱۳۲۴ھ کو آپ کا انتقال ہوا اور محلہ نوایاں کی مسجد حکیم رحیم بخش میں جہاں آپ کے درس کا سلسلہ جاری تھا مدفون ہوئے۔ آپ کے فرزندان مولوی محمد عاشق۔ مولوی محمد شاکر اور مولوی محمد صادق بھی علوم عربی کے فضلا میں سے تھے۔

اولیائے بہاول پور

مسعود حسن شہاب

اردو اکیڈمی بہاول پور